گنبدِ خضراء

محمد معراج الاسلام بی۔ اے

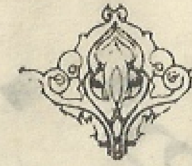
ضیاء القرآن پبلیکیشنز گنج بخش روڈ لاہور پاکستان

گنبدِ خضرا

محمد معراج الاسلام
صدر مدرس دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ (سرگودھا)

ضیاء القرآن پبلی کیشنز، گنج بخش روڈ
لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم



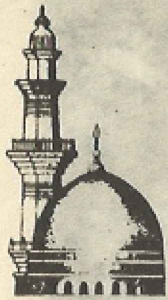
نام کتاب ——— گنبد خضرا

مصنف

محمد معراج الاسلام

صفحات ——— ۴۶۴
ایڈیشن ——— دوم
طباعت ——— بختیار پرنٹنگ پریس لاہور
قیمت ——— ۳۶ روپے

بسم اللہ الرحمن الرحیم





صلی اللہ علیک وسلم

ہماری جان، ہماری آن
گنبدِ خضرا پر قربان

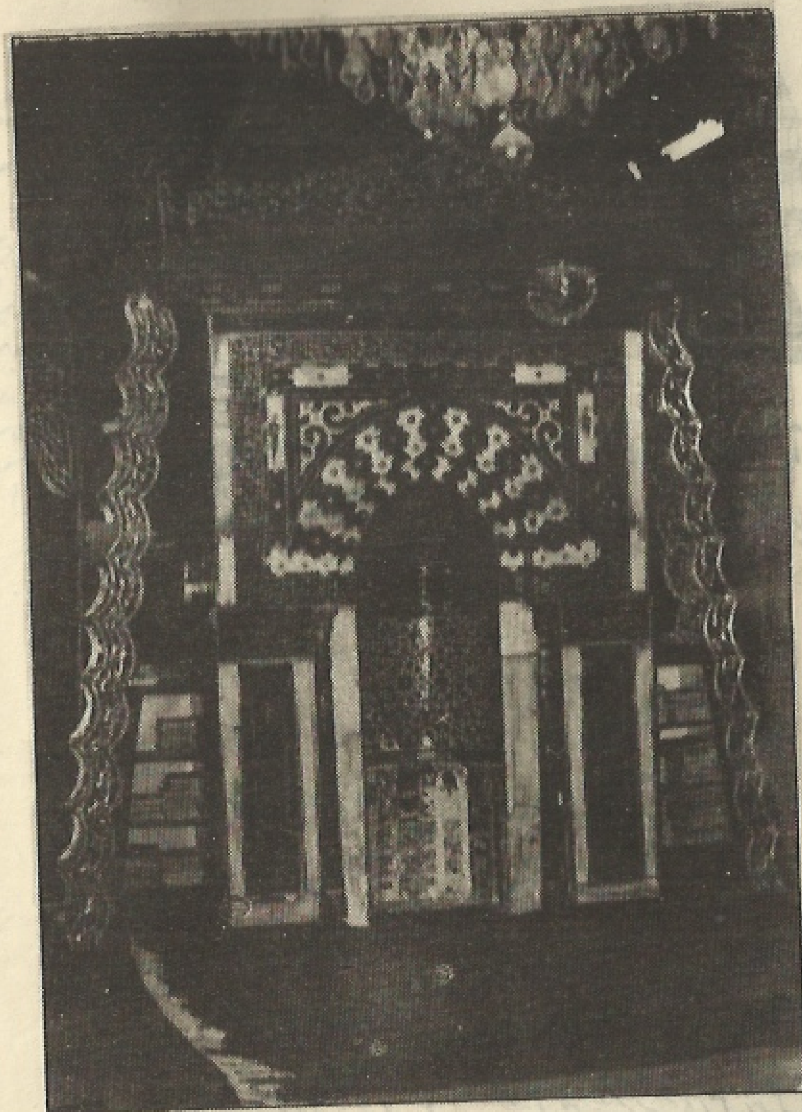
ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

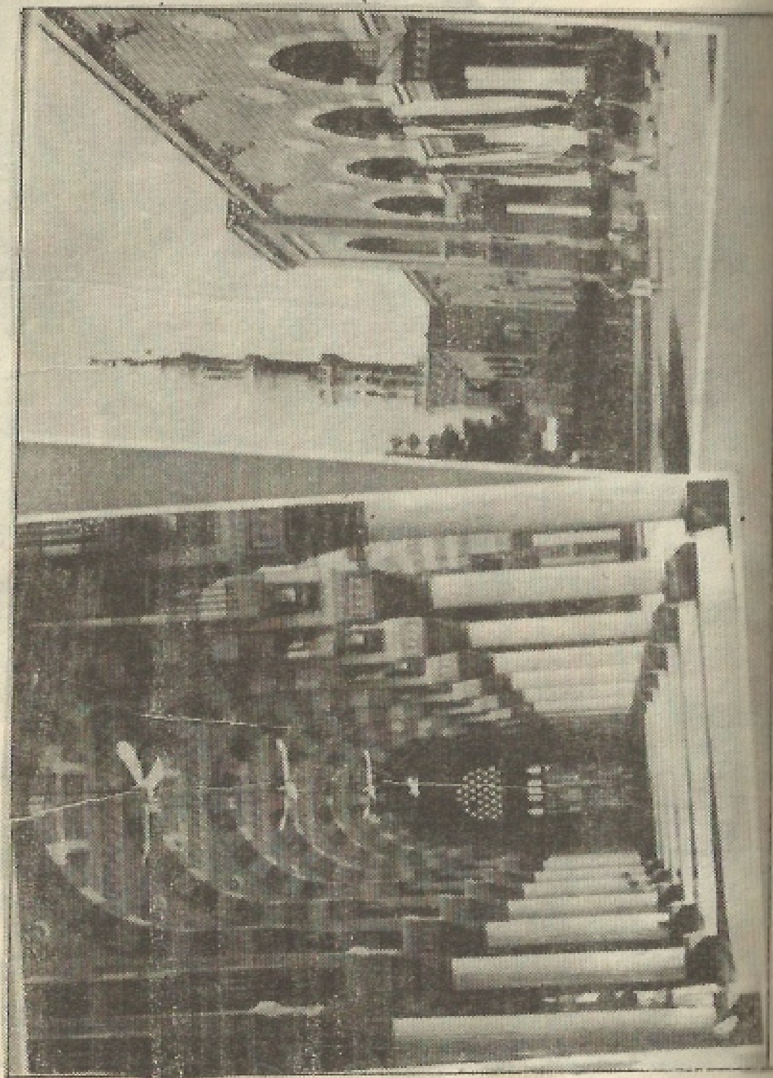


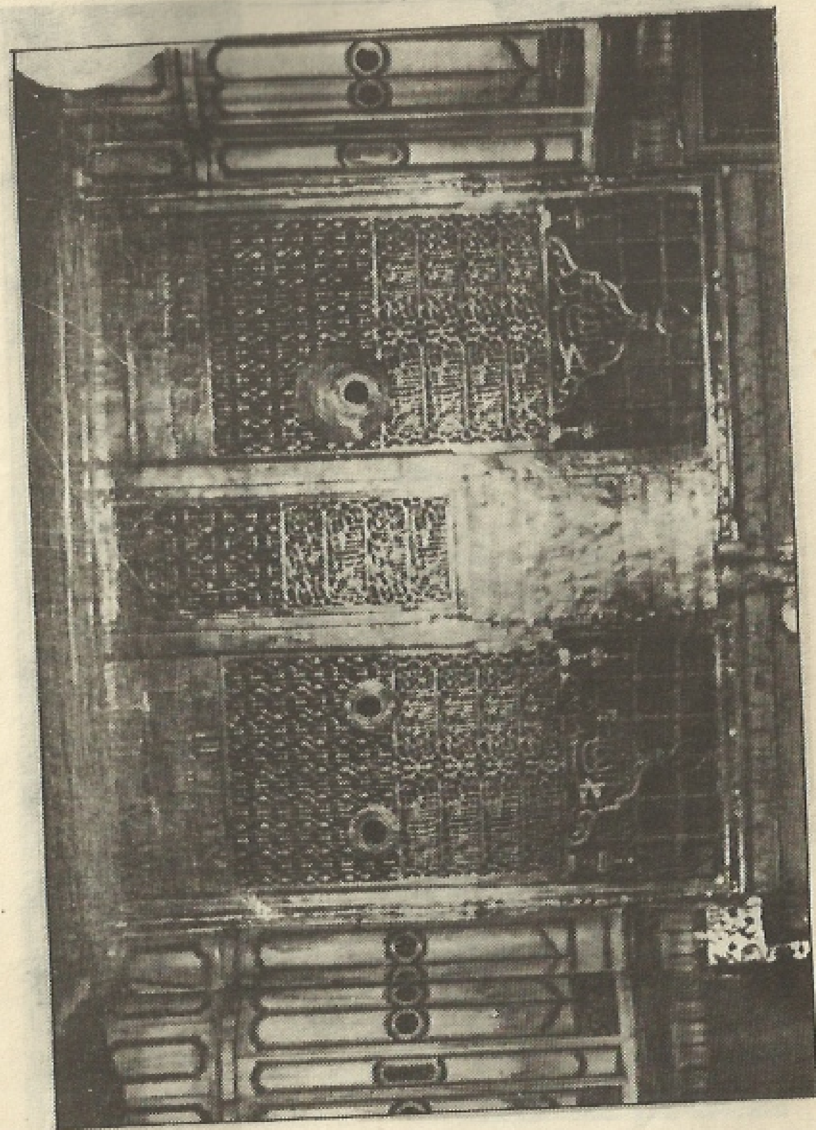
مجبوبِ ربِ عرش ہے اس سبز قبہ میں — پہلو میں جلوہ گاہ عتیق و عمر کی ہے
چھاتے ملائکہ ہیں لگاتار ہے درود — بدلے ہیں پہرے بدلی میں بارش دُرر کی ہے

امام احمد رضا بریلوی









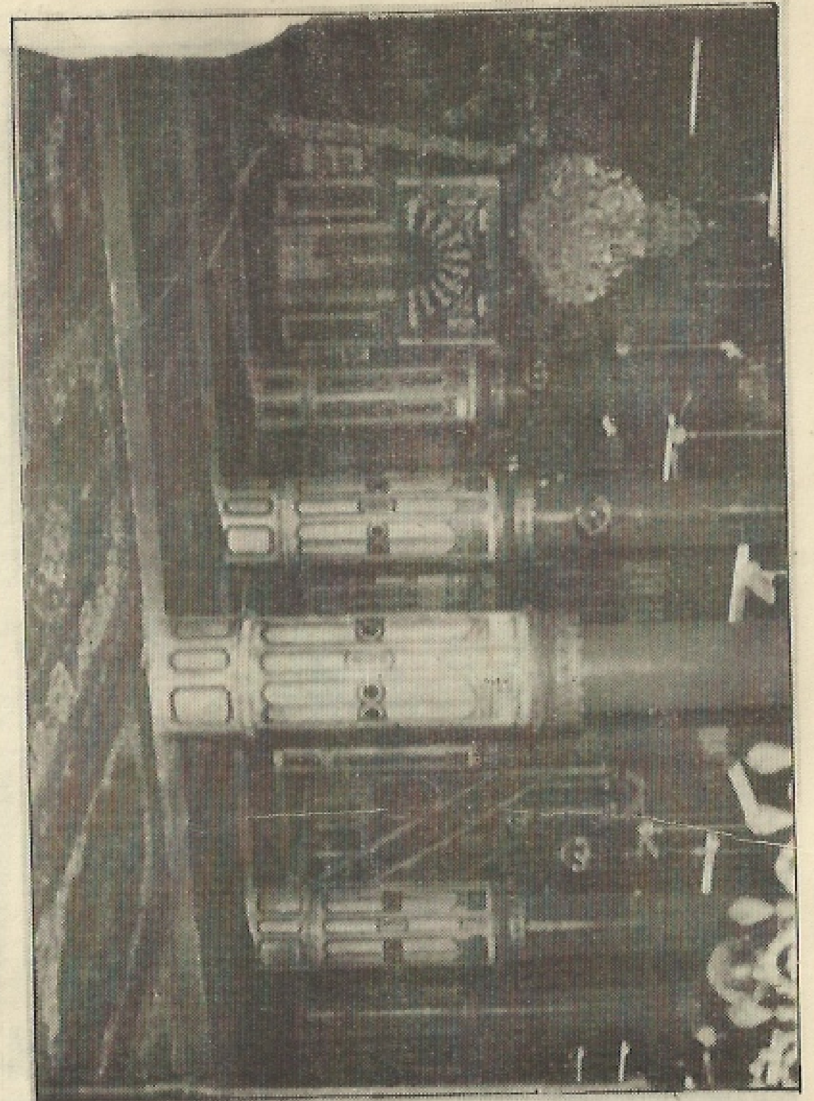


حلیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم
مکینِ گنبدِ خضراء

پہلا باب

دوسرا باب

تیسرا باب



افادات و حواشی

شخصیات

خلافیات مع جرح وتنقید



گنبدِ خضراء

ترتیب وتعارف

"گنبدِ خضراء"

فردوس بداماں، غیرتِ مہر وماہ، جنت نگاہ، قرارِ روح وراحتِ جاں، عشرتِ قلب حزیں، مرکزِ انوار وتجلیات اور مہبط ملائکہ، وہ مقدس وبابرکت اور منور ومعظم قطعہ ارضی ہے، جس کے یُمن ونور اور بخت رسا پہ عرشِ اعظم بھی فخر کرتا اور اس کے حسن وجمال کو پیار سے مسکرا کے دیکھتا ہے۔

وہ سبز، اونچا، جمیل اور باوقار گنبد

جس کا تصور آتے ہی سچے امتی کے دل کی دھڑکنیں تیز اور دیدار کے لئے ترستی، آنکھیں، شدت جذبات سے لبریز ہو جاتی ہیں۔

وہ روضۂ اطہر،

جس کے متعلق ہر نیاز مند صاحبِ دل مسلمان کا نظریہ ہے۔ ے

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ مے آید، جنید و بایزید ایں جا

اور جس کے مکیں کی محبت وعقیدت ہر امتی کی متاع گراں بہا ہے۔

درِ دل مسلم مقام مصطفیٰ ست
آبروئے ما ز نام مصطفیٰ است

جو گنبدِ خضراء اس نرالی آن بان، شانِ قدسیت، دلکشی اور جمال ورعنائی کے ساتھ دلوں کی دھڑکنوں اور سانسوں کی خوشبوؤں میں بسا ہوا ہے۔ اس کی تعمیر تاریخ۔ وہاں پیش آنے والے حالات وواقعات اور ان کے پس منظر سے لوگ اتنے

ہی زیادہ ناواقف و بے خبر ہیں۔ بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جنہیں وہاں کے بارے میں مکمل تفصیلات حاصل ہوں۔ اس حقیقت کو کم تعجب انگیز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کہ جس مکین اور مکان کے ساتھ اس قدر گہری ذہنی، روحانی اور جذباتی وابستگی ہو۔ اس کے بارے میں بے خبری و ناواقفی کا یہ عالم ہو۔

اس لئے دل نے یہ محسوس کیا کہ اخبار گنبدِ خضرا کی ترتیب و تدوین، اہل دل کی اہم ضرورت۔ جذبۂ عشق کی تسکین کا سامان اور روح کی غیر محسوس طلب اور تشنگی کا جواب مداوا ہے جیسے انجام دینا سعادت بھی ہے اور رسم محبت کا تقاضا بھی۔ یہ خیال آتے ہی اس کا بیڑا اٹھانے کا فیصلہ کر لیا مگر جب ابتدائی خاکہ تیار کیا اور سوچ کے زاویے پھیلے تو معلوم ہوا یہ موضوع اتنا مختصر نہیں ہے جتنا تصور کیا تھا۔ بلکہ علمی تحقیقی اور تاریخی تقاضوں کا گراں بوجھ اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے جس سے عہدہ برآ ہونا بڑا نازک اور انتہائی ذمہ داری کا کام ہے۔

چنانچہ اول واہلہ میں جو باتیں ذہن میں آئیں وہ یہ یقیں کہ گنبدِ خضرا کے محل وقوع، تعمیر کے تدریجی مراحل اور حصہ لینے والے امراء و سلاطین اور دیگر اہل محبت و تعلق دار حضرات کے بارے میں معلومات بہم پہنچانا ضروری ہیں۔ وصال نبوی سے پہلے کے زمانۂ مرض کے حالات، وصال مبارک اور غسل و تدفین کی تفصیلات بھی ناگزیر ہیں آغوش نبوی میں آرام فرما ہونے کے ناطے حضرت صدیق و فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی زندگی کے تابناک اہم اور مستنیر گوشے، ان کی سیادت اور وصال غسل و تکفین اور روضۂ اطہر میں تدفین تک کی جزئیات کا بیان بھی اہم اور ضروری ہے۔

چنانچہ ابتدائی سات ابواب انہی امور کے لئے وقف کئے جن میں تمام باتیں پوری شرح و تفصیل کے ساتھ بیان کی ہیں۔

پہلا باب :۔

پہلا باب گنبدِ خضراء کے محل وقوع اور اس بقعۂ نور پر رونما ہونے اور پیش آنے والے واقعات کے ذکرِ جمیل پر مشتمل ہے۔ چوں کہ گنبدِ خضراء حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارک پر تعمیر ہوا۔ اس لئے اس مقدس حجرہ سے وابستہ چند اہم اور نادر یادیں اس باب کی زینت ہیں۔

دوسرا باب :۔ دوسرے باب میں وصال مبارک سے پانچ روز پہلے کی کیفیات و مصروفیات اہم واقعات و ارشادات اور وصال مبارک کی نادر تفصیلات پیش کی گئی ہیں انبیاء کرام کس شان سے وصال فرماتے اور دنیا سے رخصت ہوتے ہیں اس پر نبوی ارشادات کی روشنی میں بحث کی گئی ہے۔

تیسرا باب :۔ تیسرے باب میں اس قیامت کی عکاسی کی گئی ہے جو آپ کی جدائی کے تصور سے اہل بیت اور صحابہ کرام پر ٹوٹ پڑی تھی۔ اس میں غسل و تکفین اور تدفین کا ذکر ہے چوں کہ غسل و تکفین کے دوران ہی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیعت عمل میں آگئی اس لئے اس فوری بیعت کے اسباب، انتخاب کی وجوہات اور اس وقت پیدا ہو جانے والے حالات کا تفصیل سے جائزہ لیا گیا ہے۔ جو بیعت کے متقاضی ہوئے۔ اور حضرت علی المرتضیٰ نے بھی بیعت کر لی

چوتھا باب :۔ چوتھے باب میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل، حضرت علی کے ساتھ آپ کے روابط اور آپ کی دینی و سیاسی مصروفیات کا تذکرہ ہے۔ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا میراث کے لئے سوال۔ آپ کا جواب اور سیدہ کی تسلی و رضامندی کی پوری تفصیل ہے۔ آپ کی عظمت کا تصور دھندلانے کے لئے اسلام دشمن عناصر نے قضیہ فدک کا جو حلیہ بگاڑا ہے اور انتہائی بھونڈی اور مکروہ صورت میں پیش کر کے جو مذموم مقاصد حاصل کئے ہیں۔ ان کے متعلق ہولناک اور حیرت انگیز انکشافات کئے ہیں جنہیں جان کر ایمان لرز جاتا ہے۔ انہی مقاصد میں اہل بیت کی توہین، اسلامی تحریک پر ناکامی کا الزام اور عصمتِ نبوت پر ناپاک حملہ بھی شامل ہے۔ اس باب میں ان ناپاک عزائم و مقاصد کا پردہ چاک کرنے کے ساتھ ساتھ ان بے وزن اور تارِ عنکبوت سے بھی کمزور دلائل کا جواب دیا گیا ہے جو آیاتِ قرابت وراثت و وصیت کی صورت میں پیش کئے جاتے ہیں۔ باغ فدک کا پورا پس منظر اور اس

کے پیچھے کارفرما خطرناک عزائم سمجھنے کے لئے پوری بحث اہم ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت صدیق اکبر کی بیعت فرمائی تھی اور حضرت خاتونِ جنت کے وصال کے بعد دوبارہ بیعت کی تجدید فرمائی تھی۔ اس حقیقت ثابتہ کے حق میں اہم شواہد پیش کئے گئے ہیں۔ بالجبر بیعت کا جو بے سروپا فسانہ تراشا جاتا ہے ۔ عجیب و غریب واقعات کی روشنی میں اس کے بخئے ادھیڑ دیئے گئے ہیں۔

پانچواں باب :۔ پانچواں باب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی عظمت شان جلالت کے اعتراف کے لئے وقف ہے۔ آپ میں جو حق شناسی اور قدر افزائی کا نورانی جذبہ کارفرما تھا اس کے باعث حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مشورے آپ کے نزدیک خاص اہمیت رکھتے تھے۔ آپ یہ مشورے اور تجویزیں سنتے اور ان کی قدر کرتے اس اعتراف و قبول حسن معاملت، پیار و محبت اور خلوص و قدر شناسی نے ان کے مراسم کو عشق کی منزلوں تک پہنچا دیا تھا، جہاں ایثار و قربانی کے سوا کسی اور جذبے کی گنجائش نہیں تھی، اس جذبۂ الفت کی چند حسین مثالیں پیش کی گئی ہیں۔

چھٹا باب :۔ چھٹا باب گنبدِ خضراء کی تعمیر کے تدریجی مراحل کی تفصیلات کا جامع ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وہ خوش نصیب ہیں جنہیں سب سے پہلے اس انوار افشاں جگہ کی مجاورت نصیب ہوئی اور ایک خادمہ و متولی کی حیثیت سے روضۂ اطہر پر اقامت گزیں اور معتکف رہیں۔ پھر عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اپنے اپنے زمانہ اقتدار میں حسب ضرورت، یہاں تعمیر و مرمت کے ساتھ اضافے کئے۔ اس کے بعد خلفائے عباسیہ ملوک مصر، وزراء اور سلاطین آل عثمان نے بھی اپنی قسمت کے مطابق۔ روضۂ اطہر کی خدمات و تعمیرات کی سعادت حاصل کی اور اسے مضبوط، ناقابل تسخیر دھات کی چہار دیواری اور سنہری جالی میں محصور کر کے جہاں بیرونی سازشوں کے خطرات سے محفوظ کر دیا وہاں اپنے لطیف ذوقِ نظر، حسنِ عقیدت اور والہانہ عشق و نیازمندی کا ثبوت بھی دیا ہے۔"

ساتواں باب :۔ ساتویں باب کی تفصیلات ایک تاریخی المیے کی دلفگار داستان ہیں۔

بارہویں صدی ہجری میں، ابن عبدالوہاب نجدی نے، گنبدِ خضرا کی مسلم عظمت و شوکت کے خلاف منظم کارروائی کی، اور اس کا احترام مسلمانوں کے دلوں سے ختم کرنے کے لئے غلط اجتہاد اور گمراہ فکر و نظر کا سہارا لیا۔ اور احادیث سے مغالطہ آمیز دلائل کے ذریعے مسلمانوں کو ان کے نبی کریم کے دربار سے روکنے کی تحریک چلائی۔ چونکہ یہ تحریک مسلح اور منظم تھی۔ اس لئے ابن عبدالوہاب نجدی کی پارٹی نے مدینۂ منورہ اور مکۂ مکرمہ پر سیاسی غلبہ حاصل کر لیا اور اس دوران احترام و حرمت کے تمام تقاضے بالائے طاق رکھ کر حرمین میں دل کھول کر نہ صرف خونریزی کی، بلکہ شرافت کا دامن بھی تار تار کر دیا۔

صحابہ و اکابر اور اہل بیت کے مقابر گرا دئے اور مقدس قبروں پر ہل چلا دیئے تا آنکہ گنبدِ خضراء پر بھی گولیاں چلائیں۔ اور اس کی بے حرمتی کا ارادہ کیا مگر بوجوہ کامیاب نہ ہو سکے۔ اس باب میں ابن عبدالوہاب نجدی کی اس پوری تحریک کا پوری تفصیل اور تحلیل و تجزیہ کے ساتھ جائزہ لیا گیا ہے اور اس کی تعلیمات و پس منظر اور احادیث نبوی میں اس کی پیشگوئی پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ یہ طویل ترین بحث وہابی تحریک کا پورا پس منظر، اس کی حقیقت اور تاریخی حقیقت سمجھنے اور سنجیدگی سے اس کے خدوخال اور تعلیمات اور حدیث نبوی کی روشنی میں اس کے انجام سے باخبر ہونے کے لئے بڑی مفید اور فکر انگیز ہے۔

اس باب میں چند ایسے نادر واقعات بھی درج کئے گئے ہیں جو گنبدِ خضراء کے مکین کی اعجازی شان اور عظمت و فضیلت ظاہر کرتے ہیں۔ یہ واقعات نادر بھی ہیں اور ایمان افروز بھی۔

آٹھواں باب :۔ آٹھویں باب میں ابن عبدالوہاب نجدی کے اعتراضات اور زیارت نبوی کے بارے میں اس کے پیدا کردہ شکوک اور پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا جواب دیا گیا ہے اور ان احادیث کی تاریخی پس منظر کی روشنی میں تشریح کی گئی ہے۔

جنہیں وہ زیارت نبوی اور گنبد خضرا کی حاضری سے روکنے کیلئے پیش کرتے ہیں۔

نواں باب :- آخری باب میں چند مشہور زائرین گنبد خضراء کی حاضری اور وہاں ان پر طاری ہونے والی کیفیت و بے خودی، سوز و مستی اور بارگاہِ نبوی سے انعام پانے اور نوازے جانے کے شوق افروز واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ ان واقعات کو بیان کرنے کا مقصد یہ بتانا ہے، کہ اہل دل بارگاہِ رسالت میں کس نیاز مندی و عقیدت اور محبت و شوق کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں۔ اور استغاثہ و فریاد کر کے دلی مرادیں پاتے اور رحمت خداوندی سے جھولیاں بھرتے ہیں۔

لطف و عنایت ربانی کا کس زبان سے شکریہ ادا کروں جس نے قدم قدم پر دستگیری فرمائی اور تائید و نصرت سے نوازا، وہ ہمت و استقامت اسی کریم و قیوم کی عطا کردہ ہے جس کی بدولت میں یہ مجموعہ پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب ہو سکا۔

مکین گنبد خضرا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی برکت اور فیضِ جود و کرم کی طفیل جس طرح اس کتاب کی تکمیل کی سعادت ارزانی فرمائی ہے۔ اس طرح اسے اپنی بارگاہ میں قبولیت اور اس ناچیز کی مغفرت و نجات کا سبب بھی بنائے۔ آمین

والحمد للہ رب العلمین ؛

اس موقعہ پر حضرت تابش قصوری اور زینت اسلاف حضرت حکیم محمد موسیٰ صاحب کیلئے جذبات تشکر کا اظہار نہ کرنا بڑی ناشکری اور قدر ناشناسی ہوگی، جن کی حوصلہ افزائی، فکری رہنمائی، اور علمی معاونت نے قدم قدم پر میرا حوصلہ بڑھایا اور اس کار خیر کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی اہمیت سے آگاہ کیا، قدوس و قیوم مالک انہیں اس محبت و خلوص، دینی حمیت و شیفتگی اور جذبات خیر کی حسین جزا عطا فرمائے،

محمد معراج الاسلام

۱۲ ربیع الاول شریف ۱۳۹۶ھ
۱۴ مارچ ۱۹۷۶ء

مکین گنبدِ خضراء

سراپائے جمال و نور پر ایک نظر

پری پیکر نگارے، سرو قدے، لالہ رخسارے، حسن مجسم نور مبین۔ شانِ کن فیکون کی تجلیٔ اولیں، نورِ سراپا گلبدن۔ شمشاد قامت "کوتاہ قامتی اور دراز قامتی کے عیب سے پاک" متناسب و میانہ، بوٹا سا قد، رعنا جیسے نگاہ پرور سرو سیمیں، جو پستہ قد لوگوں میں نمایاں اور طویل قامت لوگوں میں موزوں دکھائی دے ؎۱

دلکشی و رعنائی کا مرقع اور حسن و جمال کا زیبا صورت شاہکار، تمام جسمانی خوبیوں سے متصف و پیراستہ اور ہر نوع کے عیوب و نقائص سے منزہ، حسین و سڈول، نظر افروز باوقار، مہکتا ہوا، بھرا بھرا جسم ؎۲ جس کا نورانی نظارہ جذب و کشش اور تازگی گہرائیوں میں لے جاتا ہے۔

کشادہ تابناک درخشاں پیشانی، اس پر مسرت کے نور سے چمک اٹھنے والی حسین لکیریں جیسے صبح نور، یا چشمہ آبِ حیات میں اٹھنے والی منور لہریں، یا چاندی کی تاباں لوح پر نورانی تحریریں، یا چودھویں کے چاند کی چٹکی ہوئی دودھیا چاندنی کی بہتی ہوئی سلسبیل نور ؎۳

ایک دوسرے سے جدا، گھنے، سیاہ، خمدار ابرؤوں کے درمیان منفرد خاصیت کی حامل، ابھرتی ہوئی رگ پر نور، جس میں جوشِ غضب کے وقت سرخی نمایاں ؎۴ ہے

ع غضب سے ان کے خدا بچائے جلال باری عتاب میں ہے۔

لمبی اور گھنی، خمدار پلکیں، سرمگیں آنکھیں اتنی سیاہ کہ دیکھنے والا سمجھے سرمہ لگا ہوا ہے، شفاف نرگسی، سرشار آنکھوں کی گہرائی میں تیرتے ہوئے سرخ سرخ ڈورے ؎۶ جو دیکھنے والوں کو بے خود بنا دیں، اور دلوں کی دنیا میں ہلچل مچا دیں، اور محبت کے ٹھہرے ہوئے پرسکون سمندر میں تلاطم بپا کردیں۔

نمایاں ابھار کے بغیر بھرے بھرے دمکتے رخسار، اس قدر تاباں اور منوّر، جیسے آفتاب عالمتاب چہرہ انور کی سُرخ وسپید گلابی رنگت کی تہہ میں گردش کناں اور نور افشاں ہو۔ کوئی خوشی کی خبر سُن کر رُخِ زیبا کی یہ کیفیت گویا چاند کا ٹکڑا ہو، اور غصہ کے عالم میں رخساروں میں اس طرح سرخی کی جھلک، گویا اناروں کا رس نچوڑ دیا گیا ہو۔[8]

تیکھی، ستواں اور بلند ناک، رُخِ پرنور کی رونق اور بہار، اس پرنور کی شعاع نمایاں اور تجلی ریز، جس سے اچانک دیکھنے والوں کو محسوس ہوتا کہ بہت اونچی ہے، مگر غور سے دیکھنے کے بعد اسے رائے بدلنا پڑتی۔[9]

دانت مبارک، قطراتِ باراں کے ساتھ گرنے والے اولوں کی طرح بالکل سفید، بلور کی طرح صاف، شفاف اور موتیوں کی طرح تابدار! ان کے درمیان معلوم سا خلا، جن کے درمیان سے گفتگو کے وقت، نور کی شعاعیں خارج ہوتی دکھائی دیتی تھیں۔ مہکتے ہونٹوں پہ ہر وقت تبسّم رقصاں۔[10]

داڑھی مبارک گھنی اور سیاہ، جو آخر تک اسی طرح رہی۔ صرف ٹھوڑی اور کنپٹیوں کے بیس اکیس بال سفید ہو گئے تھے۔ گیسوئے مشکیں، عنبریں اور پیچاک دار، ہلکے گھنگریالے کبھی کم، کبھی دراز۔[11]

سینہ مبارک چوڑا، کاندھے پھیلے ہوئے اور پرگوشت، پیٹ مبارک ہموار، بازو گداز، جوڑ بند مضبوط، انگلیاں نرم، لمبی اور طاقت ور، ہتھیلیاں چوڑی، حریر و دیباج سے ملائم، نگہت بیز، ٹھنڈے توانا ہاتھ، پاؤں کے تلوے نرم اور ان کے درمیان قدرے خلا، ایڑیاں نازک، پتلی اور پھٹنے سے محفوظ، پنڈلیاں سڈول، پتلی اور گداز۔[12]

رفتار میں تیزی اور بے پرواہی جیسے نشیب میں اُتر رہے ہوں، قدم اُٹھانے کا انداز باوقار، جس سے چستی، مضبوطی اور قوتِ طبعی کا اظہار ہوتا تھا۔ چال میں تمکنت اور شاخِ گل کی طرح شانِ اہتزاز، جیسے موجِ صبا کا خرامِ ناز۔[13]

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی اُمت میں اس حُسنِ مجسم کا یُوں تعارف کرایا میرا پُرنور اور خوبصورت دوست، ہزاروں کا سردار ہے۔ زبان اس کے حُسن و جمال کی تعریف سے قاصر ہے، مختصر لوں سمجھو کہ سیاہ زلفیں، شفاف بلوریں آنکھیں، چمکیلے خوبصورت رخسار جیسے خوشبو پھیلنے والی بیل، سر مبارک جیسے الماس، پھولوں کی پنکھڑیوں کی مانند، مہکتے ہونٹ، سفید ہاتھی دانت کی مثل پیٹ، سونے کے ڈھلے ہوئے بازو، سنگِ مرمر کی پنڈلیاں ماہتاب کی طرح دمکتا ہوا جواں چہرہ، اور خوبصورت، شیریں گلا۔ میں تمہیں کیا بتاؤں — اے ساتھیو! وہ تو بالکل محمدؐ ہے، میرا پیارا اور میرا محبوب۔[14]

بے حجاب نظارہ کرنے والی خوش نصیب آنکھوں نے اس حسن کی جلالت و وجاہت کے بارے میں رائے دی: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ راوی:

ایک چاندنی رات میں سرخ دھاری دار حلہ زیب تن فرمائے۔ آپ باہر تشریف لائے۔ بے ابر بھیگی ہوئی رات میں، چاند اپنے پورے شباب پر تھا، مگر جمال نبوی کے سامنے اس کی آب و تاب مدھم پڑ گئی، میں نے موازنہ کیا تو دل نے یہ فیصلہ دیا — حسنِ حبیب زیادہ تابناک، پرکشش، راحت انگیز اور قرار بخش ہے۔[15]

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دو ٹوک فیصلہ دے دیا۔

"میں نے اپنے محبوب جیسا کوئی نہیں دیکھا، پہلے نہ بعد میں۔"

کتبِ حوالہ:

۱ے حضرت انس رضی اللہ عنہ:- لیس بالطویل البائن ولا بالقصیر = اطول من المربوع واقصر من المشذب لم یکن بالطویل الممغط ولا بالقصیر المتردد وکان ربعة من القوم

۲ے فخما مفخما = ماشممت ریحا قط اطیب من ریح النبی صلی اللہ علیہ وسلم [بخاری ۵۰۳]

۳ے یبرق وجہہ من السرور = اذا سر استنار وجہہ کانہ قطعة قمر [بخاری ۶۳۶]

واسع الجبین = اکان وجہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم مثل السیف؟ لا بل مثل القمر [بخاری ۵۰۲]

۴ے ازج الحواجب = سوابغ من قرن، بینھما عرق یدرہ الغضب

۵ے اهدب الاشفار، ادعج العينين، اذا نظرت اليه - قلت اكحل العينين وليس باكحل

۶ے طويل شق العين، اشكل العينين۔

۷ے سهل الخدين = ازهر اللون ليس بابيض امهق ولا آدم [بخاری ۵۰۲]

۸ے المشرب الذی فی بیاضه حمرة [ترمذی ۲۰۵]
يتلالؤ وجهه تلالؤ القمر ليلة البدر، قال ابوهريره اما رايت شيئا احسن من رسول الله عليه وسلم كان الشمس تجری فی وجهه ۸ے اذا غضب احمر وجهه۔ كان الرمان عصر فی وجنتيه

۹ے اقنى العرنين، له نور يعلوه يحسبه من لم يتامله اشم۔

۱۰ے يفتر عن مثل حب الغمام، افلج الثنيتين، اذا تكلم رائى كالنور يخرج من بين ثناياه = ما رأيت احدا اكثر تبسما من رسول الله صلى الله عليه وسلم

۱۱ے كث اللحية، قبض وليس فی راسه ولحيته عشرون شعرة بيضاء انما كان شيئ فی صدغيه [بخاری ۵۰۲] لم يكن بالجعد القطط ولا بالسبط كان جعد ارجلا [ترمذی ۲۰۲]

۱۲ے عريض الصدر، بعيد ما بين المنكبين، جليل المشاش والكتد، سواء البطن والصدر، ضخم الكراديس ششن الكفين، رحب الراحة، اطيب رائحة من المسك = اخذت بيده فوضعتها على وجهی فاذا هی ابرد من الثلج، شائل الاطراف ما مست حريرا ولا ديباجا الين من كف النبی صلى الله عليه وسلم خمصان الاخمصين، مسيح القدمين، ينبو عنهما الماء منهوس العقب وكان فی ساقی رسول الله صلى الله عليه وسلم حموشة

۱۳ے ما رايت احدا اسرع فی مشيته من رسول الله صلى الله عليه وسلم كانما الارض تطوى له انا لنجهد انفسنا وانه لغير مكثوث ... اذا زال زال قلعا يخطو تكفيا ويمشی هونا، ذريع المشية اذا مشى كانما ينحط من صبب [بخاری - ترمذی - شمائل ترمذی]

۱۴ے توریت، کتاب غزل الغزلات، باب ۵، آیت ۱۰

۱۵ے شمائل ترمذی، ۲۔

شرف انتساب

رُوئے زیبا کے مہکتے اُجالوں،
طلعت حسین کی جانفزا، شگفتہ، مظہرِ خلقِ عظیم مسکراہٹوں۔
جمال وکمالِ ظاہر و باطن کی حسین و البیلی قدروں
شرفِ انسانیت کی معراج۔ دلنشین خصوصیتوں
صورت وسیرت کی پرکشش، سحر طراز، قرار آفریں اور الفت انگیز رعنائیوں،
جمال معنوی کی اداتے دلبری کی محبّت آفریں۔ قرب ایجاز، عشوہ طرازیوں،
جہان معنی وندرتِ خیال کے کوثر وسلسبیل میں غوطہ زن فکر ونظر اور حکمت وفلسفہ
کی ایمان افروز تعبیر ونکتہ آفرینی۔
قوّتِ عمل، ذوقِ تجسس، جہد مسلسل، جذبہ تحقیق اور سعی پیہم کی دلربا شان عبقریت
فہم وفراست۔ اکسیر نگہی، وقت وبلوغت نظر، بیدار مغزی۔ سیاسی تدبر وشعور
اور تقوی آشنا حکمت عملی...... کی باوقار وشوکت آراء۔ اقدار سے بہرہ ور، ذہن رسا
اور چشم بینا کی سرمایہ صد افتخار، توانا ورعنا پرجلال صلاحیت کی جلالت وآفاقیت
اوران سدابہار عظمتوں
کے نام جو
حسن مجسم، مدبر اعظم، مفکر اسلام عاشق صادق رسول انام
رہرو فرزانہ، آفتاب سپہر علم مظہر خلق عظیم۔
محدّث پاکستان۔ پیر طریقت منبع رشد وہدایت پیکر صدق ووفا
حضرت ابوالفضل محمّد سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ
کے پیکر حسن ونکہت، مخزن علم وحکمت کے قالب عنبریں
میں لوٹتے گل کی طرح ڈھل گئی تھیں۔
اور آپ کے ارشد تلامذہ وخلفاء کی صورت میں آج بھی ہر جگہ
عنبر فشاں وفیض رساں ہیں۔



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین ۰ الرحمٰن
الرحیم ۰ مالک یوم الدین۔ ایاک
نعبد و ایاک نستعین۔ اھدنا الصراط
المستقیم ۰ صراط الذین انعمت علیھم
غیر المغضوب علیھم ولا الضالین
آمین ۰

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم

ما بین قبری و منبری
روضۃ من ریاض الجنۃ

گنبدِ خضرا
سے منبر شریف تک
گوشۂ داماں باغ جنت
ہے

پہلا باب

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا
کا
حجرہ شریف

حجرات کی تعمیر و رہائش
حجرۂ مبارک سے وابستہ یادیں

- عبادت خانہ
- نجی محفلیں
- پیار کی ریتیں
- حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے سفارش
- یومِ عید
- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شانِ جود و سخا
- تین چاند
- باغ جنت



حجراتُ کی تعمیر

مدینہ منوّرہ میں محبُوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری نے مدینہ منوّرہ کی قسمت ہی بدل ڈالی۔ وہ صرف یثرب اور غیر مشہور ویرانہ تھا۔ مگر آمدِ شاہ سے ہبطِ وحی وسکینہ مرکزِ اصلاح وتبلیغ اور منبعِ رشد و ہدایت بن گیا۔ اس میں رحمتیں اور برکتیں اسطرح سمٹ آئیں جس طرح سعید ونیک بخت روحیں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے گرد اکٹھی ہوگئی تھیں۔

محبُوب صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں سب سے پہلے اپنے محبُوب کے گھر کی نیو رکھی۔ جب مسجدِ نبوی تیار ہوگئی تو اسکے پاس ہی حضرت عائشہ اور حضرت سودا رضی اللہ تعالیٰ عنھا کے لئے حجرے بنوائے۔ اس وقت تک یہی دونوں خواتین محبُوبِ خدا کی زوجیت کے شرف سے بہرہ یاب ہوئی تھیں۔ اس لئے اور حجرے بنوانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ پھر جیسے جیسے امہات المومنین کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ اس کے مطابق حجرات کی تعداد بھی بڑھتی گئی۔

بعد میں جب ترتیب سے حجرے بنے ان میں حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا کا حجرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کے حجرۂ مبارک سے بالکل متصل تھا اور یہ دونوں معزز خواتین اپنے اپنے گھروں میں ہوتے ہوئے بھی دروازے پہ کھڑے ہوکر باہم گفتگو کر لیا کرتی تھیں۔ [1]

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حجرۂ پاک بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے ساتھ تھا۔ دونوں کی دیوار ایک ہی تھی اس میں ایک چھوٹا سا طاق یا شگاف رکھا گیا تھا۔ اس کی یہ سہولت تھی کہ ایک دوسرے کے حالات سے دونوں باخبر رہتیں اور تبادلہ خیالات کے علاوہ زیارت بھی کرتی رہتیں۔ [2]

یہ تمام حجرے کسی دُنیادار بادشاہ کی رانیوں کے شبستانوں اور عشرت کدوں

۱؎ وفاء الوفا: ۳۸۵ ۲؎ وفاء الوفا ا: ۴۳۵

کی طرح الف لیلوی ماحول رکھنے والے اور پُر تکلف نہ تھے۔ جہاں آرائش وزیبائش اور زیب وزینت سے محلسرائوں کو عجائب خانے بنادیا جاتا ہے، بلکہ یہ سرورِ کونین کی مطہر ومتدین اور حبِ نبوی سے سرشار، وفاشعار ازواج کے سادہ سے حجرے تھے جہاں عام ضروریات کی ہر چیز بھی موجود نہ تھی۔ پکی اینٹوں کی دیوار، پلستر، پختہ چھت، دالان، نقش ونگار یا برآمدے کا تو وہاں کوئی تصور ہی نہ تھا۔ کچی اینٹوں کے ساتھ بھی تعمیرات میں کوئی اہتمام نہ کیا گیا تھا۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں میں ابھی نابالغ ہی تھا ان بابرکت حجرات وبیوت میں جاتا تو آسانی سے انکی چھتوں کو چھو لیا کرتا تھا۔ ۳؎

اس سے چھتوں کی اونچائی کا آسانی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ چھتیں بھی بالکل سادہ اور ہر قسم کے تکلف سے پاک تھیں۔ کھجور کے تنے تہہ بتہ اینٹوں پر رکھ کر اوپر کھجور کی چھال ڈال دی گئی تھی اور اسی پر گیلی مٹی کی لپائی کر دی گئی تھی۔ ۴؎

ان حجروں کا طول وعرض بروایت داؤد بن قیس چھ سات ہاتھ تھا۔ ۵؎

اور عمران بن ابی انس کا بیان ہے چار حجروں کے آگے پردے کی خاطر کھجور کی چھال کی باڑ سی کھڑی کر دی گئی تھی اور پانچ گھروں کے دروازوں پر بالوں کے ٹاٹ کا پردہ پڑا رہتا تھا۔ ۶؎

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے دو دروازے تھے۔ ۷؎

یہ اس حجرے کی بڑی معنی خیز خصوصیت تھی کیونکہ اس میں محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جامِ وصال نوش فرمانا تھا۔ یہیں پہ نمازِ جنازہ بصورت درود وسلام پڑھی جانا تھی دلدادگانِ حسنِ رسالت اور وارفتگانِ جمالِ رخِ نبوی نے صلوٰۃ وسلام کی خاطر پروانوں کی طرح اس میں آنا تھا اور ایک دروازے سے داخل ہو کر دوسرے دروازے سے نکلنا تھا۔ اس لئے حکمتِ الٰہی کو پہلے ہی یہ منظور ہوا کہ اسکے دو دروازے رکھے جائیں تاکہ بادہ عشقِ رسول کے سرمستوں اور دیوانوں کو آمد ورفت میں دقت نہ ہو۔

۳؎ وفاءالوفا ۳۸۳ ۔ ۴؎ سیرتِ حلبی ۱: ۴۶۴ ۔ ۵؎ وفاءالوفا ۱: ۳۸۳ ۔
۶؎ // ۳۲۸ ۔ ۷؎ وفاءالوفا ۳۸۴

رہائش

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نکاح مکہ مکرمہ ہی میں ہو چکا تھا۔ حضرت عائشہ کی عمر شریف اس وقت نہایت ہلکی تھی۔ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچیں تو آپ کو سخت بخار ہو گیا کچھ افاقہ ہوا تو گھر والوں کو رخصتی کی فکر ہوئی۔ چنانچہ ایک دن پینگ جھول رہی تھیں کہ امی جان نے سر منہ دھو کر تیار کر دیا۔ ۸؎

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ اقدس میں جا کر مرضی مبارک معلوم کی آپ نے رضامندی کا اظہار کیا۔ چنانچہ اسی روز رخصتی عمل میں آگئی۔ ۹؎

اس طرح آپ اس تاریخی اور نورانی حجرہ میں تشریف لے آئیں جسے گنبد خضرا کے مکین کی آخری جلوہ گاہ بننے کی شوکت وسعادت حاصل ہونا تھی۔

حجرۂ مبارک سے وابستہ یادیں

اس حجرۂ مبارک کے ساتھ بہت سی نورانی اور تاریخی یادیں وابستہ ہیں جن کا دلنواز تذکرہ وصلِ حبیب ہی کی طرح سکون بخش، ذوق پرور، یقین افزا اور باعثِ برکت ورحمت ہے۔ اہلِ دل ان غیر فانی یادوں ہی سے دلوں کو تسکین دیتے محفلیں سجاتے اور یادوں کے چراغ جلاتے ہیں۔

ذوقِ آرائش ایک فطری جذبہ ہے۔ پھر جب محبوب بھی پاس ہی ہو تو یہ جذبہ بے قرار ہو جاتا ہے۔ ایک دفعہ سیدہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے قلبِ انور میں اسی قسم کا جذبہ موجزن ہوا۔ اور آپ نے خوبصورت باتصویر پردہ خرید کر اسے گدے کی شکل دے کے اپنے حجرے میں بچھا دیا کہ کونین کا بادشاہ آرام سے جلوہ نشین ہوگا، مگر جب محبوب طلعت بار ہوئے تو انکے رخِ زیبا پہ ناگواری اور کراہت کی سلوٹیں ابھر آئیں یہ کیفیت توقع کے بالکل برعکس تھی۔

۸؎ بخاری ۵۵۱ ۔ ۹؎ وفاءالوفا ۳۲۸

خاتون خانہ حضرت عائشہ نے عرض کی "مجھ سے طبیعت مبارک کے خلاف کیا حرکت سرزد ہوئی ہے"۔

جواب ارشاد فرمایا: اس گدے کا شان نزول کیا ہے؟

عرض کی "سب کچھ حضور کے آرام کی خاطر ہی کیا گیا ہے۔ کہ تشریف فرما ہونگے اور تکیہ لگا کر بیٹھیں گے"

آپ نے فرمایا اے عائشہ! جو لوگ تصویر گر ہیں انہیں روز قیامت حکم دیا جائے گا کہ اپنی ان اختراعات میں جان ڈالیں، مزید سنو! جس گھر میں تصاویر ہوں وہاں ملائکہ رحمت کا گزر نہیں ہوتا۔ ۱۰

عبادت خانہ (۱)

یہی حجرہ محبوب دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی پرسکون عبادت گاہ بھی تھا جہاں آپ مالک کے حضور سر بسجود ہو کے قرب و نیاز اور تسبیح و مناجات کے مزے لوٹتے اور طویل ترین نمازیں ادا فرماتے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے

آخری ایام میں عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ نوافل میں پہلے بیٹھ کر قرآن پاک کی قرائت فرماتے رہتے جب تیس چالیس آیات باقی رہ جاتیں تو قیام فرما کر تلاوت فرماتے اور طویل ترین رکوع و سجود کے ساتھ پہلی رکعت پوری فرماتے۔ دوسری رکعت بھی اسی شان خضوع و انابت کے ساتھ ادا فرماتے۔ پھر اگر میں بیدار ہوتی تو میرے ساتھ گفتگو فرماتے وگرنہ لیٹ جاتے۔ ۱۱

بعض اوقات میں لیٹی ہوتی تو میری ٹانگیں مصلے تک دراز ہو جاتیں آپ جھڑکنے یا ناراض ہونے کی بجائے سجدہ کرتے وقت نہایت نرمی سے ٹانگیں ایک طرف ہٹا دیتے۔ میں ٹانگیں سکیڑ لیتی۔ جب آپ سجدہ فرما لیتے تو پھر دراز کر لیتی۔ ۱۲

۱۰ بخاری ۱: ۲۸۲ = ۲: ۷۷۸

شب کی اس نماز میں گیارہ رکعات ادا فرمانا روزانہ کا معمول تھا جو بارہ مہینے جاری رہتا۔ رمضان اور غیر رمضان میں اس معمول مبارک میں کوئی تبدیلی نہیں آتی تھی۔ گویا یہ تہجد کی نماز تھی جسے آپ نہایت پابندی اور مواظبت کے ساتھ ادا فرماتے تھے ۱۳

پہلے آپ چار رکعتیں ادا فرماتے۔ انکی ادائیگی کی شان، حسن اہتمام، طوالت اور خشوع و خضوع کے بارے میں کچھ مت پوچھو! پھر انکے بعد چار رکعتیں اسی اہتمام سے ادا فرماتے۔ ہر سجدہ اتنا لمبا ہوتا کہ چالیس آیات بخوبی پڑھی جا سکتیں۔ پھر آپ کچھ دیر کیلئے آرام فرماتے اس کے بعد وتر ادا فرمانے کیلئے قیام فرما ہوتے۔ مجھے بھی جگاتے۔ چنانچہ میں اٹھ کر وتر کی نماز ادا کرتی۔ ۱۴

ایک دفعہ میں نے عرض کی میرے آقا! آپ وتر ادا کرنے سے پہلے سو جاتے ہیں، پھر اسی طرح اٹھ کر وتر پڑھ لیتے ہیں؟

فرمایا اے عائشہ! ہمارا دل بیدار رہتا ہے، چاہے آنکھیں بند ہو جائیں۔ ۱۵

ذوق عبادت کے یہ قدسی نظارے، قریبی تعلق رکھنے والے حضرات کے مشاہدے میں اکثر آتے رہتے تھے۔ جس وجہ سے یہ خبر بڑے تواتر کے ساتھ پھیل چکی تھی، کہ نیند سے بیدار ہو کر نماز پڑھ لینا اللہ کے نبی کی منفرد خصوصیت ہے کیونکہ خواب و بیداری کی کسی حالت میں بھی ان پر غفلت و بے توجہی کی کیفیت طاری نہیں ہوتی۔ وہ زندہ و بیدار دل کے ساتھ ہر آن وحی الٰہی کو وصول کرنے کیلئے تیار اور مستعد رہتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ جناب ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام خواب میں آمدہ وحی پر عمل کرنے کیلئے تیار ہو گئے اور اسکو قطعی حکم سمجھا۔

اسی قسم کا ایک مشاہدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں۔

میں نے اپنی خالہ جان ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارک میں سونے کا پروگرام بنایا۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں آرام فرما ہوئے۔ رات کا کچھ حصہ گذرا تھا کہ اٹھے اور مشکیزے سے وضو فرمایا۔ پھر رب کریم کے حضور دست بستہ کھڑے ہو گئے۔

۱۱ بخاری؛ ۱۵۱-۱۵۶ - ۱۲ بخاری ۱۶۱-۷۳ - ۱۳ بخاری ۲۶۹-۱۵۴ - ۱۴ بخاری ۲: ۷
۱۵ بخاری ۲۶۹

میں بھی اٹھا اسی طرح وضو کیا اور ایک طرف نیت باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ شفیق اور مہربان آقا نے مجھے پکڑ کر دائیں طرف کر لیا۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ سو گئے۔ پھر جب اذان ہوئی تو اسی طرح نماز کیلئے تشریف لے گئے اور جدید وضو نہ فرمایا۔ ۱۶ے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

حضور محبوب مکرم نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرے میں سوئے ہوئے تھے۔ شب کو میں نے محسوس کیا کہ بستر پر نہیں ہیں ٹٹولنا شروع کر دیا۔ اچانک میرے ہاتھ آپکے مبارک پاؤں پر پڑے۔ اس وقت آپ سجدے میں تھے۔ اور زبان پر یہ دعا جاری تھی۔

اعوذ برضاك من سخطك و بمعافاتك من عقوبتك لا احصى ثناء عليك انت كما اثنيت على نفسك۔ ۱۷ے

رمضان پاک میں اعتکاف فرمانا بھی آپکے معمولات میں داخل تھا۔ چنانچہ مسجد کے اندر اعتکاف کی حالت میں آپ سر مبارک میرے حجرے کے اندر کر دیتے میں سر مبارک دھوتی اور کنگھا کرتی۔ ۱۸ے

(۲) نجی محفلیں

حقوق زوجیت تمام حقوق سے مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں۔ شریک حیات بیوی رنج و راحت میں رفیق اور غمگسار ہونے کی حیثیت سے اپنے عمر بھر کے ساتھی عزیز ترین خاوند سے وہ باتیں کہہ سکتی اور منوا سکتی ہے جو کسی دوسرے کو کسی طرح بھی زیب نہیں دیتیں۔ یہ بیوی کو عطا کردہ اسلام اور صالح فطرت کے معاشرتی و ازدواجی حقوق ہیں۔

ازواج مطہرات بھی اپنے ان پاکیزہ فطری حقوق سے آگاہ تھیں اور احترام کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنے مطالبات بارگاہِ رسالت میں پیش کر دیا کرتی تھیں اور وہ پیکرِ رحمت اس بات کا ذرہ برابر برا نہیں مناتے تھے۔

حقوق کی پیشی کا ایک ایسا ہی روز سعید تھا جب حجرے میں تشریف فرما ماہِ مبین کے گرد ازواج ہالہ بنا کر بیٹھ گئیں اور اپنے مطالبات کی فہرست پڑھنا شروع کر دی محبوب مسکراتے اور محظوظ ہوتے رہے اور انہیں دامن رحمت پر مچلنے کا اور موقعہ فراہم کرتے رہے۔ اچانک عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی آواز گونجی آپ کا شانۂ اقدس نبوی ہی کی طرف تشریف لا رہے تھے۔

انکی آواز سننے کی دیر تھی کہ سب پردے کے پیچھے بھاگ گئیں۔ افراتفری اور بھاگ دوڑ کے اس منظر پر محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی مسکرائے بغیر نہ رہے۔

عمر فاروق اعظم تشریف لائے تو آپکے لبہائے لعلیں پر جانفزا تبسم رقصاں تھا۔ شیدائے ادائے نبوت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اس دلنواز مسکراہٹ پر قربان ہو گئے اور اس بے پایاں مسرت کی وجہ پوچھی۔

بتایا "تیری آمد سے پہلے یہ خواتین اپنے اپنے مطالبات دہرا رہی تھیں۔ مگر جونہی تمہاری آواز سنی بے اختیار ہو کر بھاگ گئیں۔ مجھے انکی اس حالت پر تعجب ہو رہا ہے کہ تم سے کتنا جھجکتی ہیں۔

فاروق اعظم نے روئے سخن ازواج کی طرف کر کے بلند آواز سے فرمایا "اے اپنے آپ کی دشمن معزز خواتین! کیا یہ اچنبھے کی بات نہیں کہ آپ مجھ سے جھجکتی ہیں اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں جھجکتیں حالانکہ ہمارے آقا اس بات کے زیادہ مستحق ہیں۔

انہوں نے پردے کی اوٹ ہی سے جواب دیا۔

"بے شک ہمیں آپ سے جھجک آتی اور شرم محسوس ہوتی ہے۔ کیونکہ آپ مزاج کے سخت اور تیز طبیعت ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو سراپا شفقت و رحمت اور سرچشمۂ انس و مودت ہیں۔ انکے دامن رحمت پہ جتنا ناز کریں، اتنی ہی ناز برداری فرماتے ہیں خفگی سے جھڑکتے نہیں۔ اس لئے ہم اس بارگاہِ لطف و کرم میں بات کہتے ہوئے کوئی تکلف محسوس نہیں کرتیں"

اس محفل میں جب فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی ہیبت و جلالت کی بات چل نکلی۔

۱۶ے بخاری ۱۶ - ۱۷ے ترمذی ۱۸۷ - ۱۸ے بخاری ۲۸۱ : ۲۷۲

توحقائقِ فطرت سے آگاہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سربستہ راز سے پردہ اٹھایا اور اپنے عمر رضی اللہ عنہ کو بتایا۔

”تمہاری ہیبت خاص عطائے قدرت ہے۔ اتفاقاً اگر شیطان بھی اس راہ پہ آجائے، جہاں سے تمہارا گزر ہو رہا ہو تو وہ کنی کترا جاتا ہے۔“ [۱۹]

یہاں اس نجی محفل کی غرض و غائت اور اجتماع کی حقیقت سے پردہ اٹھا دینا ضروری ہے کا شانۂ نبوی میں برکات و تجلیات کی نمود، رحمتِ حق کی جلوہ باری تسکین قلب اور ذہنی قرار کی دولت فراواں موجود تھی، جس کے باعث ازواج مطہرات نیم فاقہ کشی اور ظاہری عسرت کے باوجود اور مطالبات کی پذیرائی نہ ہونے کے باوصف، دامنِ نبوی کے ساتھ وابستہ رہنے ہی میں عافیت و راحت محسوس کرتی تھیں، اور کبھی تنگ دستی سے پریشان ہو کر ایک لمحہ کیلئے بھی اِن کے ذہن میں علیحدگی اور فرقت کا تصور نہیں آیا تھا۔

اس واسطے حجرہ مبارک میں ازواج کا یہ اجتماع اور ان کا تقاضا و مطالبہ، نبوی حیات و معاشرت میں موجود کمال درجے کی سادگی، شانِ فقر و استغنا اور زہد فی الدنیا صفت سے دِل تنگ ہونے کی وجہ سے نہ تھا۔ کیونکہ صبح و شام دولتِ دنیا ان کی آنکھوں کے سامنے لٹتی تھی۔ میدانِ جہاد سے غنائم و خزائن کے ذخائر آتے۔ مگر محبوب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں تقسیم کر کے ہی گھر میں تشریف لاتے تھے اس لئے انہیں اس حقیقت ثابتہ کا علم ہو چکا تھا یہ سب کچھ اختیاری ہے دولت دنیا کو گھر میں لانا ہی گوارا نہیں۔ لہٰذا وہ اس سادہ زندگی پر مسرور و شاداں اور قانع ہو چکی تھیں اور رضائے حبیب کے سوا انکی اور کوئی تمنا نہ رہی تھی اس لئے یہ مطالبہ شوہر کی محبت و شفقت پر نازاں بیویوں کا مطالبہ تھا، رنجیدہ اور نالاں بیویوں کا نہیں اس کا ثبوت یہ ہے کہ

ایک دن آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔

[۱۹] بخاری ۵۶۵

ہم تم سے ایک بات کہنا چاہتے ہیں، مگر تم اپنے والدین سے مشورہ کئے بغیر عجلت سے جواب دینے کی کوشش نہ کرنا، دیکھو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

یاایھا النبی قل لازواجک ان کنتن تردن الحیاۃ الدنیا وزینتھا فتعالین امتعکن واسرحکن سراحا جمیلا

”اے محبوب نبی! اپنی ازواج سے فرما دیجئے! اگر تم دنیاوی زندگی کی زیب و زینت کی خواہشمند ہو تو آؤ میں تمہیں اس سے بہرہ ور کر دوں، اور خوبصورتی سے چھوڑ دوں“ کیونکہ دنیاوی آرائش قبول کرنے کے بعد نبی سے کوئی تعلق نہیں رہے گا حضرت عائشہ نے جذبات سے بھرپور رقت انگیز لہجے میں بڑے ہی پیار و ادب سے جواب دیا۔

”میرے کریم و رحیم آقا! کیا میں اس سلسلہ میں اپنے والدین سے مشورہ کرونگی۔ یہ بھی کوئی پوچھنے اور مشورہ کرنے کی بات ہے۔ میں تو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسولِ پاک کو ہر چیز پر کروڑ بار ترجیح دیتی ہوں۔

باقی ازواج مطہرات نے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی رفاقت کو ترجیح دی اور دنیاوی سج دھج کو ٹھکرا دیا۔ [۲۰]

(۳) پیار کی ریتیں

ازواجِ پاک کی نگاہِ التفات کا نقطۂ ارتکاز، جوشِ الفت و عقیدت کی قرارگاہ، بے پایاں محبت کی منزلِ مقصود، اور پر خلوص جذباتِ عشق و اطاعت کا مرکز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات پاک تھی، محبوب ذات و صفات میں بے نظیر، مرتبہ و مقام میں یکتا و بے مثل اور حسن و جمال میں پیکر رعنائی و زیبائی ہو اور بڑی بات یہ کہ ایک ہو، تو محبت و دوستی کا دم بھرنے والوں اور حقوق کا دعویٰ رکھنے والوں میں رقیبانہ جذبات کا پیدا ہو جانا ناگزیر ہے، چنانچہ یہ جذبات وہاں موجود تھے، مگر مرتبہ و مقام سے فروتر کوئی حرکت نہ ہوتی تھی، کسی وقت تلخ ترش باتیں بھی ہو جاتیں، مگر اسی وقت دل صاف ہو جاتے

[۲۰] بخاری ۳۳۵

کسی کے دل میں گرہ نہ رہتی۔ ایک دن سرکار رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، وہاں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے ایک خادمہ کے ہاتھ پیالے میں کچھ کھانا بھیج دیا۔ حضرت عائشہ جوشِ رقابت سے سُرخ ہوگئیں، نہ برداشت کرسکیں کہ کوئی دوسری بیوی انکی باری کے دن کوئی چیز بھیجے۔ چنانچہ غصے میں آکر زور سے ہاتھ مارا، اور پیالہ توڑ دیا۔

حضور علیہ السلام نے انہیں فطری جذبات کے ہاتھوں مجبور جان کر کچھ نہ فرمایا۔ اور شکستہ پیالے میں گرا ہوا کھانا اپنے دستِ مبارک سے ڈال کر رکھدیا۔ پھر عائشہ سے کہا " تو نے غریب صفیہ کا پیالہ ناحق توڑا ہے اب تمہاری سزا یہ ہے کہ اسے خود رکھو اور اپنا سالم پیالہ اسے دو "۔ اور حضرت عائشہ نے بخوشی یہ سودا کرلیا۔ کیونکہ ان کا مقصد پورا ہوچکا تھا یعنی اپنے محبوب کو سوکن کا کھانا نہیں کھانے دیا تھا۔[۲۱]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلوص و وفا کی دلکش اداؤں نے انہیں مقرب اور قدآور شخصیت بنادیا تھا۔ آقا علیہ السلام انکی بڑی قدر فرماتے اور عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے چنانچہ جس روز آپ کی باری ہوتی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس روز فرحت محسوس کرتے، حضرت عائشہ کی اسی قدر و منزلت سے متاثر ہوکر صرف حضور کی خوشی اور رضا کی خاطر حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری حضرت عائشہ کو ھبہ کردی تھی۔[۲۲]

ایک روز جبریل امین علیہ السلام بھی عرض گزار ہوئے کہ یارسُول اللہ!

حضرت عائشہ کی خدمت میں میرا سلام کہہ دیجئے!

جب حضور نے عائشہ کو بتایا تو فرط ادب سے بولیں " وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ حضور کی نگاہِ پاک جن نوامیس کا مشاہدہ کرتی ہے، ہماری نگاہ انکے مشاہدہ سے قاصر ہے۔[۲۳]

حضرت عائشہ کی قدر افزائی اور قرب و حضور دیکھ کر صحابہ کرام بھی اپنے ھدایا اور تحائف انہی کی باری میں پیش کرنے لگے تھے، جس روز حضور نے عائشہ کے گھر رونق بار ہونا ہوتا وہ سوغاتیں اور چیزیں لے کر حاضر ہوجاتے

۲۱ بخاری ۳۴۷ ۔ ۲۲ بخاری ۱۰۴۷ ۲۳ بخاری ۵۸/۱

یبتغون بذالک مرضات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[۲۴]

وہ اس طرح اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خوشنودی و رضا کے طلبگار تھے

اس صورتحال نے دوسری ازواج کو غیرت و رقابت میں مبتلا کردیا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کھل کر حضرت عائشہ کے مقابلے میں آگئیں۔ حضرت عائشہ نے بھی اپنے ساتھ حضرت حفصہ، حضرت صفیہ اور حضرت سودہ کو ملالیا حضرت ام سلمہ کے ساتھ حضرت زینب، حضرت میمونہ، حضرت ام حبیبہ اور حضرت جویریہ ہوگئیں۔ اسی طرح دو گروہوں میں رقیبانہ چشمک کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

دوسرے گروہ نے یہ تجویز پاس کی کہ جس روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ام سلمہ کے گھر جلوہ فرما ہوں، یہ عرض کریں کہ صحابہ کرام کو ہدایت کردی جائے وہ عائشہ ہی کی باری میں تحفے ارسال نہ کیا کریں۔"

منصوبے کے مطابق حضرت ام سلمہ نے اپنی باری کے دن یہ عرض پیش کردی مگر حضور نے کوئی جواب نہ دیا۔ دوسری دفعہ بھی کوئی جواب عطا نہ فرمایا۔ جب تیسری دفعہ اپنی باری میں انہوں نے یہی درخواست دہرائی تو آقا علیہ السلام نے فرمایا:

اے ام سلمہ! تم جانتی ہو، عائشہ کے علاوہ کسی بھی بیوی کے بستر میں ہوتا ہوں تو وحی نازل نہیں ہوتی مگر عائشہ کی یہ خصوصیت ہے کہ اسکے بستر میں بھی نزول وحی کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ اس لئے تم اس کے خلاف بات کرکے مجھے اذیت نہ دو۔ حضور کی اذیت کا تصور کرکے حضرت ام سلمہ کے اعضا پر لرزہ طاری ہوگیا، اسی وقت گویا ہوئیں

اتوب الی اللہ عزوجل من اذاک یارسول اللہ

(میں توبہ کرتی ہوں اللہ تعالیٰ کے حضور اس بات سے کہ آپکو اذیت پہنچاؤں

حضرت ام سلمہ تو اس گروہ سے نکل گئیں۔ پھر اصرار کے باوجود بھی انہوں نے مزید عرضداشت کی جرات نہ کی۔ آخر اس گروہ نے حضرت سیدہ فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا کو اس مقصد کیلئے تیار کیا۔ جب آپ عرض پرداز ہوئیں تو حضور نے اپنی صاحبزادی

۲۴ بخاری ۳۵۰

سے فرمایا۔ الا تحبین ما احب

"اے فاطمہ! کیا تم اس سے محبت نہیں کرتیں۔ جس سے میں محبت کرتا ہوں"

سیدہ زہرہ بتول نے عرض کی! ابا جان کیوں نہیں، اور مزید کچھ عرض کئے بغیر واپس آگئیں۔ آخر حضرت زینب بپھری ہوئی شیرنی کی طرح آئیں، اور حضرت عائشہ سے لڑنا شروع کر دیا، محبوب علیہ السلام خاموشی سے حضرت عائشہ کو دیکھتے رہے۔ وہ خاموشی سے سب کچھ سنتی رہیں پھر انہوں نے بھی زبان کھولی اور ایسے معقول جواب دیئے کہ حضرت زینب چپ ہو گئیں۔ حضور علیہ السلام محبت کی اس معرکہ آرائی کا یہ انجام دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا۔

یہ بنت ابی بکر ہے، کوئی معمولی ہستی نہیں پھر اس سے کون ٹکر لے سکتا ہے[26]

(۴) حضرت فاطمہ کے لئے سفارش

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرۂ مبارک میں خواتین عالم کی سردار خاتون جنت حضرت زہرہ بتول رضی اللہ عنہ کی کثرت سے آمد و رفت رہتی تھی، ایک تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سیدہ خاتون کی ہم سن، نہایت ہنس مکھ اور ملنسار تھیں، اس پر ماں ہونے کا محترم رشتہ بھی ساتھ تھا اس لئے دونوں گھل مل جاتیں اور دکھ سکھ کہہ لیتیں۔

ایک دفعہ کچھ اسی سلسلہ میں حضرت سیدہ بتول رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس قدسی حجرہ مبارک میں رونق افروز ہوئیں، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما نہیں تھے اس لئے اظہار مدعا کرتے ہوئے جناب عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا۔

امی جان! پتہ چلا تھا، کچھ کنیزیں آئی ہیں، اس لئے حاضر ہوئی تھی کہ محترم ابا جان سے عرض کر کے ایک کنیز لے لوں، جو گھر بلو کام کاج میں میرا ہاتھ بٹا سکے یہ دیکھئے، چکی پیس پیس کر ہتھیلیوں میں چھالے پڑ گئے ہیں۔ اب میں واپس جاتی ہوں، حضور رسالتمآب تشریف لے آئیں تو میری درخواست خدمت اقدس میں پیش

[25] بخاری ۱۵۱ ۳ ابن سعد ۸ : ۱۷۱ - [26] بخاری ۱۵۱ ۳

کر دیں۔

جب حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہوئے تو شفیق ماں اور خاتون جنت کی مونس و غمخوار حضرت عائشہ نے سیدہ فاطمہ کی درخواست گوش گزار کر دی۔ اور سفارش کی کہ فاطمہ کو ایک لونڈی ضرور مرحمت فرمائی جائے کیونکہ واقعی اشد ضرورت ہے۔

لخت جگر کا یہ پیغام سن کر آپ اسی وقت اٹھے اور سیدہ فاطمہ کے حجرے میں تشریف لے آئے، سیدہ حضرات سونے کیلئے لیٹ چکے تھے۔ آپ حضرت علی اور فاطمہ کے درمیان اس طرح بیٹھے کہ پاؤں مبارک علی کے سینے کو چھونے لگے جن کی دلنواز ٹھنڈک نے جناب علی کو بے خود کر دیا۔ فرمایا۔

عزیزہ! تم لونڈی کیلئے گئی تھیں، ٹھیک ہے اس سے تمہیں راحت ملے گی اور آرام نصیب ہو گا۔ لیکن کیا میں تمہیں ایسی دولت نہ دے دوں جو اس آرام و راحت سے بدرجہا بہتر ہو سنو! تم دونوں سونے سے پہلے تینتیس بار سبحان اللہ۔ تینتیس بار الحمد للہ اور چونتیس بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو، یہ وظیفہ تمہیں اس دنیاوی منفعت سے زیادہ فائدہ دے گا۔

کونین کی یہ دولت عطا کر کے واپس تشریف لے آئے اور لونڈی نہ دی[27]

(۵) یوم عید

عید کا یوم سعید تھا، حضور نبی پاک علیہ التحیۃ والثنا اسی حجرۂ اقدس میں جلوہ آرا تھے چند چھوٹی چھوٹی بچیاں دف بجا کر اور جنگی ترانے گا گا کر حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کا دل بہلا رہی تھیں، کیونکہ اس وقت آپ کمسن ہی تھیں، آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رخ منور دیوار کی طرف تھا چونکہ یہ رجزیہ ترانے تھے جن میں خلاف شرع کوئی بات نہیں تھی پھر کسی سُر تال کے بغیر گانے والی ننھی ننھی کم عمر بچیاں تھیں، دن بھی عید کا تھا، اس لئے اللہ کے محبوب نبی خاموش تھے اور انہیں کچھ نہیں فرما رہے تھے۔

[27] بخاری ۱ / ۵۲۵ . ۳۹ لم = طبقات ۸۰ : ۲۵

اچانک صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے۔ اپنی بیٹی کی طرف گھور کر دیکھا۔ شریعت کے مزاج کے خلاف نہ ہونے کے باوجود یہ سب کچھ برداشت نہ کر سکے کیونکہ بظاہر کھیل تماشا ہی تھا۔ اسی لئے حضرت عائشہ کو ڈانٹ کر فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کے نبی پاک کے حضور میں تم نے یہ شیطانی آلہ طرب بجانے کی اجازت دے رکھی ہے، یہ کیا نامناسب حرکت ہے؟

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صدیق کی طرف رخ انور فرمایا اور کہا

"قوموں کی زندگی میں عید کے دن آتے رہتے ہیں، آج عید کا دن ہے تہذیب و شائستگی کے دائرے میں اور جائز شرعی حدود کے اندر رہ کر کوئی تفریح کر لی جائے تو کوئی حرج نہیں، انہیں رہنے دو"

پھر آپ باہم گفتگو میں مشغول ہو گئے، اور حضرت عائشہ نے آداب ملحوظ رکھتے ہوئے ان بچیوں کو چلے جانے کا اشارہ کر دیا۔

اسی روز حبشی غلام، باہر کھلے صحن میں جنگی کرتب دکھا رہے تھے، مہربان و مشفق آقا نے عائشہ سے پوچھا، "کیا جنگی مشقیں دیکھو گی؟"

حضرت عائشہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

حضور نے کمال شفقت سے انہیں اپنے پیچھے بٹھالیا۔ حضرت عائشہ نے چادر اوپر لے لی، اور اپنی ٹھوڑی جان جہان کے مبارک کاندھے پر رکھدی اور روئے انور کے ساتھ چہرہ لگا کر جنگی کمالات کا مظاہرہ دیکھنا شروع کر دیا۔ اس شان تربیت و خصوصی عنایت کے نورانی جھروکے سے مشقیں دیکھیں جب طبیعت سیر ہو گئی تو پیچھے ہٹ گئیں۔ ۲۸

(۴) حضرت عائشہ کی شانِ جود و سخا

حضرت عائشہ کے حجرے نے آپ کی مثالی سخاوت اور داد و دہش کے بھی بے شمار مناظر دیکھے کرم گستری کے ایسے ایسے نادر واقعات پیش آئے جنہوں نے دیکھنے والوں کو انگشت بدنداں کر دیا۔

۲۸ے بخاری ۱۳۰ - ۱۰۷ مسلم - ۵۵۹

حضرت عروہ بن زبیر، عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے۔ انہوں نے ایک مرتبہ تہیہ کر لیا کہ اپنی خالہ جان کو ایسی فیاضی اور دریا دلی سے باز رکھیں گے، چنانچہ جب حاضر ہو کر حرف مدعا زبان پر لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طبع فیاض اور خوئے کرم نوازی پر یہ نصیحت بہت گراں گزری، باوجودیکہ انہیں بہت عزیز اور چہیتے تھے۔ اور آپ ان کا بہت خیال رکھا کرتی تھیں، مگر سخت کبیدہ خاطر ہوئیں اور حلفیہ کہا "میں قسم اٹھاتی ہوں کہ آئندہ تیرے ساتھ کبھی نہیں بولوں گی"

عروہ کی دنیا تاریک ہو گئی، ام المومنین جیسی شفیق اور معزز خالہ کی ناراضگی نے انہیں حواس باختہ کر دیا، چنانچہ آپنے منانے کے ہزار جتن کئے مگر سیدہ عائشہ نے بالکل پذیرائی نہ بخشی انہوں نے رشتہ داروں سے سفارش بھی کرائی مگر ان کا جرم حضرت عائشہ کی نگاہ میں اتنا سنگین تھا کہ کسی کی سفارش بھی نہ مانی۔ آخر ان کی خستہ حالی اور تضرع و عاجزی پر قدرت کو رحم آگیا بات یوں بنی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ننھیال کے کچھ لوگ سیدہ عائشہ سے ملنے آئے، انہوں نے عروہ کو سمجھا دیا، جب حضرت عائشہ انہیں باریابی عطا فرمائیں، تو تم بھی چھپ کر ہمارے پیچھے پیچھے حجرہ شریف میں آجانا اور جب ہم باتوں میں مشغول ہوں تو چپکے سے اندر جا کر انکے قدموں پر گر جانا، اور گڑگڑا کر معافی مانگ لینا، آخر خالہ ہیں، دل پسیج جائے گا، اور معاف کر دیں گی۔

یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی، حضرت عائشہ نے فرمایا بولنا تو نہیں تھا، مگر اب تمہاری صورت پہ ترس آگیا ہے۔

حضرت عروہ کی مسرت کا ٹھکانا نہ رہا، آپنے قسم ٹوٹنے کا کفارہ ادا کرنے کیلئے سیدہ عائشہ کی خدمت میں دس غلام پیش کئے، آپ نے وہ آزاد کر دیئے اس پر بھی طبیعت سیر نہ ہوئی چنانچہ متواتر غلام آزاد کرتی رہیں یہاں تک کہ انکی تعداد چالیس ہو گئی، مگر تقوے کا یہ عالم تھا کہ پھر بھی مطمئن نہ تھیں۔ ۲۹

۲۹ے بخاری ۹۷، م - ۳۰ے البدایہ والنہایہ ۵: ۳۶۸

(۷) تین چاند

حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ ایک شب حیرت انگیز خواب دیکھا کہ تین چاند میری گود میں آ گئے ہیں۔ بڑا عجیب خواب تھا، اپنے والد ماجد سے اس کا تذکرہ کیا، جو سارے عرب میں بہترین معبر کی حیثیت سے مشہور تھے، اور خوابوں کی تعبیر بیان کرنے کے ماہر تصور کئے جاتے تھے۔

صدیق اکبر نے جواب دیا۔

اگر تیرا یہ خواب سچا ہے تو اسکی تعبیر یہ ہے کہ خلاصۂ کائنات اور افضل الخلائق تین انسان تیرے حجرے میں دفن ہونگے۔ ۳۰ے

(۸) باغ جنت

یہ وہ مقدس یادیں ہیں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مقدس و معلی حجرہ مبارک کے ساتھ وابستہ ہیں، جو مہکتا ہوا گلستان نبوت اور سر سبز و شاداب چمن زارِ رسالت تھا، جہاں انہوں نے اپنی پاکیزہ حیات مبارکہ کی دس بارہ بہاریں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بے حد و نہائت شفقت و محبت کے زیر سایہ گزاریں۔ جہاں باہمی الفت و پیار کے سدا بہار پھول کھلتے رہے۔ اور خلوص و ایثار کی پرخلوص بزمیں سجتی رہیں۔ عشق جنوں ساماں کے ہاتھوں جوشِ رقابت و غیرت کی بزم آرائیاں بھی دیکھنے میں آتی رہیں اور جود و سخا کے دریا بھی بہتے رہے اور آخر میں یہی حجرہ اس محبوب اعظم و اکرم اور نبی اجمل و اطہر کی آخری آرام گاہ بنا جو اسکی اتنی بڑی اور بے مثال خصوصیت ہے جس پر عرش اعظم بھی رشک کناں ہے اور اسے جھک جھک کے بوسے دیتا ہے۔

غالباً اس حجرے کی اسی عظمت و انفرادیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے محبوب اکرم علیہ افضل الصلوات والتحیات نے فرمایا تھا۔

ما بین بیتی و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ۔

میرے حجرے اور منبر کا درمیانی ٹکڑا باغ جنت ہے

دوسرا باب

وصال شریف سے پانچ روز پہلے

ہجرت کا دسواں سال اپنی تیسری تہائی میں انقلابی تبدیلیاں لے کر آیا، اس سال رمضان میں محبوب معظم مرشد برحق اور ہادی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معمول سے زیادہ یعنی بیس روز اعتکاف فرمایا اور جبریل امین کے ساتھ قرآن پاک کا دو بار دور کیا۔

اخبار وصال

اسی سال آپ نے شمع ہدایت و نور کے پروانوں کے ہجوم میں فریضۂ حج ادا کیا۔ بادۂ عرفان کے متوالوں کی سرمستی، اور جادۂ ہدایت کے پُرعزم ساتھیوں کی وارفتگی دیکھ کر آپ کی مسرت کی انتہا نہ رہی۔ حق پرستوں کے ٹھاٹھیں مارتے سمندر، اور طول و عرض میں پھیلے ہوئے منور و شگفتہ چہروں کی کہکشاں نے ثابت کر دیا کہ دین مبین تکمیلی مراحل طے کر چکا ہے، اور محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم جس مقصد عظیم کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ وہ پورا ہو گیا ہے۔

اس روز جمعۃ المبارک تھا اور عرفہ بھی! احرام پوش بندے سادہ اور ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ سب کی پیشانی اس لئے سیمائے نور نبی ہوئی تھی کہ رسالت کا مہر مبین ایک ناقہ پر جلوہ بار تھا۔ اور اپنے جمال ایمان آرا کی تنویروں سے دلوں کو شاد و بامراد اور مستنیر کر رہا تھا۔

اس ساعت سعید اور تاریخی لمحے میں حضرت جبریل امین علیہ السلام بعد شوکت و جلال یہ مژدۂ جانفزا لیکر نازل ہوئے کہ یہ دین تکمیل کی حدوں کو چھو چکا ہے۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و
ورضیت لکم الاسلام دینا [المائدہ]

" آج مکمل کر دیا میں نے تمہارے لئے تمہارا دین اور پوری کر دی تم پر اپنی نعمت اور پسند کر لیا تمہارے لئے دین اسلام۔ "

اس بشارت نے دلوں کے کنول کھلا دیئے۔ مگر جناب عمر رضی اللہ عنہ کی باریک بین آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ ان کی گہری سوچ کا دھارا ایک اور ہی سمت بہہ نکلا۔ ایک نادیدہ اور انجانی سمت، جسکا تصور ہی ہوش اڑانے اور حواس پراگندہ کرنے کے لئے کافی تھا جسکا سامنا کرنے کی کسی میں تاب و ہمت نہیں تھی۔ مگر اس وقت میکدۂ عشق کے بادہ نوشوں میں سے صرف جناب عمر رضی اللہ عنہ کا راہوار فکر ہی اس رخ پہ جا سکا۔

اس لئے وہی اشکبار ہوئے، اور خوب روئے۔ ان کے جہاندیدہ اور تحلیل و تجزیہ کے ماہر ذہن نے فوراً بھانپ لیا۔ جب دین مکمل ہو گیا تو محبوب کی جدائی کا وقت بھی قریب آ گیا ہے۔

پھر انہی دنوں میں سورۃ "فتح و نصرت" کے نزول نے سنجیدہ و فہمیدہ ذہنوں میں میں مزید ارتعاش پیدا کر دیا۔

اذا جاء نصر اللہ والفتح، ورأیت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا فسبح بحمد ربک واستغفرہ انہ کان توابا۔

[جب اللہ کی فتح و نصرت آ گئی اور تو نے لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق در جوق شمولیت کرتے دیکھ لیا۔ تو اپنے رب کی حمد کر، اور استغفار کر، بے شک وہ تواب ہے]

فکر و بصیرت سے روشن دماغ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ رحلتِ نبوی کا وقت قریب آ گیا ہے۔ اس ذہن رسا کے مالک لوگوں میں جناب ابوبکر صدیق، جناب عمر فاروق اعظم اور جناب ابن عباس رضی اللہ عنہم بھی تھے۔

ان مقتدر اصحاب کے نزدیک یہ مژدۂ تکمیل دین، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے لقائے الٰہی اور وصال ربانی کی اطلاع بھی تھا۔ اس لئے جہاں وہ مسرور و شاد کام ہوئے وہاں ہجر و فراق کی سختیوں کے جانکاہ تصور سے لرزہ براندام اور افسردہ خاطر بھی ہوئے۔

وصالِ انبیاء کی شان

ابتداء ہی میں وصال انبیاء کرام کی انفرادی کیفیت اور استثنائی شان کا ذکر کر دینا ضروری ہے۔ تاکہ وصال شریف کی تفصیلات کے وقت یہ نکتہ پیش نظر رہے۔

اللہ کے نبی کے آخری لمحات ایک عام انسان کی موت کی طرح نہیں ہوتے۔ اور نہ ہی ملک الموت علیہ السلام ان کی مرضی کے خلاف روح قبض فرماتے ہیں۔ بلکہ اللہ کی محبوب مقبول ان مقتدر ہستیوں سے اسے اجازت لینا پڑتی ہے۔ اگر وہ تیار ہو جائیں فبہا، وگرنہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہی حکم ہوتا ہے کہ وہ ان کی مرضی کا احترام کرے۔ مگر ان حضرات کا

۱۔ بخاری، ۵۱۲: ۶۱۵۔ ترمذی، ۲: ۱۶۲

عشق اتنا بے قرار اور شوقِ وصال اتنا شدید ہوتا ہے کہ جب پیغام آ جائے تو دیر نہیں کرتے، اور بڑی عجلت سے تیار ہو جاتے ہیں۔

جناب موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں حضرت ملک الموت حاضر ہوئے۔ پیغمبر رعب و جلال جناب موسیٰ علیہ السلام نے طمانچہ کھینچ مارا، کلیمی ضرب نے آنکھ پھوڑ دی۔ اس ہیئت کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں پہنچے اور عرض کی:

"اے مالک! ایسے شخص کی روح لینے پر مامور فرمایا، جو ابھی مرنا نہیں چاہتا"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا! "اے عزرائیل! موسیٰ کے دربار میں دوبارہ جاؤ اور انہیں کہو "اگر مرنا نہیں چاہتا تو ایک بیل کے جسم پر ہاتھ رکھ دے جتنے بال ہتھیلی کے نیچے آ جائیں گے، اتنے سال عمر بڑھا دی جائے گی۔"

فرشتے نے آ کر ساری تجویز گوش گزار کر دی۔

جناب موسیٰ نے فرمایا، اتنے سال گزار کر پھر کیا ہو گا؟

جواب دیا! پھر موت کا ذائقہ چکھنا ہو گا!

فرمایا! اگر یہ بات ہے تو ابھی روح قبض کر لو۔

ساتھ ہی جناب موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی دعا کی کہ آپ کو بیت المقدس کے بالکل قریب پہنچا دیا جائے، جہاں صالحین، انبیاء کرام اور نیک لوگوں کی قبریں ہیں ۲؎

اسی سلسلے کی دوسری حدیث ہے:

عالم ملکوت میں جناب آدم علیہ السلام کے سامنے تمام روحیں نکال کر رکھ دی گئیں۔ ایک روح کی آنکھوں کے مابین آپ نے غیر معمولی چمک اور کشش محسوس کی، پوچھا یہ کون ہے؟ جواب ملا: "یہ آپ کا بیٹا داؤد ہے"۔ عرض کی: "اس کی عمر کتنی ہے"؟ جواب ملا "ساٹھ سال"۔ عرض کی: "میری عمر سے چالیس سال اسے دے دیئے جائیں"۔

کائنات ارواح و انوار میں یہ معاہدہ طے پا گیا۔ پھر جناب آدم علیہ السلام اس دنیا میں تشریف لے آئے آپ کی عمر شریف ایک ہزار سال تھی جب نو سو ساٹھ سال بیتے تو جناب ملک الموت آ گئے۔ آپ نے جانے سے انکار کر دیا اور کہا، ابھی میری "عمر سے چالیس سال

۲۔ بخاری، ۴۹۸۴۔

باقی ہیں" فرشتے نے یاد دلایا، "کہ وہ آپ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو دے دیئے تھے،" مگر آپ نہ مانے، عالمِ بالا کی یہ بات آپ کو بھول گئی جس کا اثر آپ کی اولاد میں بھی پایا جاتا ہے[۳]

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ہے۔

لم یقبض نبی حتی یری مقعدہ من الجنۃ ثم یخیر[۴]

نبی کی روحِ پاک قبض نہیں کی جاتی، یہاں تک کہ جنت کی جگہ پہلے دکھا دی جاتی ہے پھر اختیار دیا جاتا ہے۔ (کہ جہاں چاہے رہ لے)

یہ حقائق ثابتہ اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ انبیاءِ کرام کی شانِ وصال اور ایک لمحہ کے لئے طاری ہونیوالی موت عام نوعیت کی نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ بڑے ناز کے ساتھ اپنے محبوبِ حقیقی کے پاس جاتے ہیں، اور اس کے لئے اِن کو قدرت کاملہ کی طرف سے پورے اختیارات مفوض ہوتے ہیں، وہ انہیں استعمال کرتے ہیں، اور ملک الموت کو اجازت دے کر عالمِ قدس کی طرف پرواز فرماتے ہیں۔

انبیاء کی میراث

کسی کی موت کے بعد اس کی میراث اور اس کی تقسیم کا مسئلہ بہت نازک اور اہم ہوتا ہے۔ یہاں چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال مبارک کا ذکر کرنا ہے، اس لئے انبیاءِ کرام کی شانِ وصال کی انفرادیت بیان کرنے کے بعد مناسب ہے کہ انبیاء کی میراث ان کی اصل دولت اور حقیقی ثروت کی بھی وضاحت کر دی جائے: تاکہ علم و بصیرت کی روشنی میں یہ معلوم ہو سکے، کہ نبی اور رسول ہونے کے ناطے آپ نے کیا چھوڑا، اور یہ کہ جو کچھ چھوڑا وہی چھوڑنا چاہیئے تھا، اسی میں آپ کی پیغمبرانہ عظمت، نبوی انفرادیت اور بے مثال شانِ استغنا مضمر تھی۔

۱:- مال دُنیا سے نفرت

جہاں تک دولتِ دنیا، معدنی سیم و زر اور لعل و جواہر کا تعلق ہے، نگاہِ نبوت میں

۳ے ترمذی ۱/۱۷ التفسیر معوذتین - ۴ے بخاری ۶۴۱/۱، باب آخر ماتکلم

اِن خزف ریزوں اور بے مایہ ذروں کی کوئی حیثیت نہ تھی، سونے کے ٹکڑوں کو کاشانۂ اقدس میں ایک رات کے لئے رکھنا تک گوارا نہ تھا۔

عصر کی نماز ہو چکی تھی کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام خلافِ معمول تیزی کے ساتھ اٹھے اہلِ صحبت اور شب و روز کے ساتھیوں کے لئے یہ بات بالکل نئی تھی، متعجب ہوئے، اور سراپا انتظار بن گئے، دیر بعد جب آپ نمودار ہوئے، تو انہیں محوِ حیرت اور مجسمۂ سوال دیکھ کر فرمایا، کچھ سونا گھر میں پڑا ہوا تھا، مجھے یاد آگیا، پسند نہ آیا کہ وہ پڑا رہے لہذا حکم دے کر آیا ہوں کہ تقسیم کر دیا جائے۔[۵]

طبیعت مبارک میں سیم و زر کے لئے جو کراہت تھی۔ اور دل میں جو استغنا پایا جاتا تھا اس کا اندازہ اِس ارشاد سے لگایا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، "ہم تمہاری خاطر بطحائے مکہ کو زرِ خالص بنا دیتے ہیں؟"

میں نے عرض کی، یا اللہ! مجھے اس کی کوئی خواہش نہیں، دولت دنیا کی بہتات اور فراوانی کے برعکس میں تو چاہتا ہوں ایک روز کھاؤں اور ایک روز بھوکا رہوں جس روز بھوکا رہوں، وہ دن تضرع و مناجات، ذکر و فکر اور توجہ و استغراق میں گزرے اور جس روز تیری نعمتوں سے پیٹ بھروں، وہ حمد و شکر میں بیتے۔[۶]

ایک رات چاندنی چھٹکی ہوئی تھی جناب ابوذر رضی اللہ عنہ نے حضور مبارک صلی اللہ علیہ وسلم کو اس منور و حسین موسم میں شہر سے باہر تشریف لے جاتے دیکھا، جذبۂ خدمت وارادت اور وفورِ شوق نے انہیں ساتھ چلنے پر مجبور کر دیا، چنانچہ پیچھے پیچھے ہو لئے، احتیاط یہ کی کہ ایسی جگہ پر چلتے رہے جہاں چاندنی نہ تھی۔ پھر بھی محبوب کی نظروں سے نہ بچ سکے آپ نے ازراہِ شفقت و محبت پاس بلا لیا اور چلتے رہے۔ شہر سے باہر نکلے تو اُحد نمایاں ہو گیا۔ آپ نے اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا،

مجھے پسند نہیں کہ اُحد کے برابر بھی سونا میرے پاس ہو تو تین دن سے زیادہ میرے پاس رہے۔ قرض کے لئے جو کچھ دینا ہو اس کے سوا سارا خرچ کر دوں اور دائیں بائیں آگے پیچھے لٹا دوں۔ اے ابوذر! یاد رکھو، زیادہ سرمایہ دار ہی قیامت کے روز نادار

۵ے بخاری ۱۱۸/۱، ۶ے ترمذی ۲: ۵۸

مفلس ہوں گے البتہ وہ خوش قسمت دولت مند اس حکم اور کلیے سے مستثنیٰ ہیں جو راہِ وفا میں فیاضی وکشادہ دل کے ساتھ بے دریغ لٹاتے ہیں۔ اور ایسے نیک بخت بہت کم ہیں [7]

ب:۔ دولت کے بارے میں نظریہ

مال و دولت سے بے نیازی ہی کا یہ اثر تھا کہ جو کچھ آتا، فوراً تقسیم فرما دیتے اور گھر والوں کی ضرورت سے زیادہ کچھ بھی بچا کر نہ رکھتے، اس سلسلہ میں انقلابی نظریہ یہ تھا کہ حقیقت میں انسان کا مال ہی وہ ہے جو وہ راہِ حق میں خرچ کر دے، جو کچھ تجوریوں صندوقوں اور محفوظ سیفوں میں بند پڑا ہوا ہو، وہ انسان کا مال ہی نہیں ہے۔ بلکہ وہ تو وارثین اور اقربا کا حق ہے۔ جس کی حفاظت و نگہبانی کی وہ ناحق زحمت اٹھا رہا ہے

چنانچہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ آپ نے فرمایا:

"تمہیں اپنا مال محبوب ہوتا ہے یا دوسروں کا؟"

عرض کی، "اپنا مال بہت محبوب ہوتا ہے"

آپ نے فرمایا: "تو سنو! تمہارا مال وہ ہے جو تم نے اللہ کے لئے کسی کو دے دیا۔ اور دوسروں کا مال وہ ہے، جو تم نے نہ دیا۔" [8]

جو دنیا دار ہیں، جن کی بھوکی آنکھ اور حریص طبیعت دولت دنیا سے بھرتی ہی نہیں، ان کی مذمت میں فرمایا:

روپے پیسے کا بندہ، کپڑے، لتے کا حریص، تباہی و بربادی کا شکار ہو گیا جسے کچھ طلائی سکے مل جائیں تو شاد کام ہو جاتا ہے۔ وگرنہ تہذیب و شائستگی کے تمام تقاضے بالائے طاق رکھ کر بدکلامی پہ اتر آتا ہے۔ اور خشونت و درشتی کا مظاہرہ کرتا ہے [9]

ابن آدم کی حرص و آز اور بے لگام طمع کا تو یہ عالم ہے کہ اگر اس کے پاس سونے کی ایک وادی بھی ہو تو اس کا گرسنہ پیٹ نہیں بھرتا اور وہ ایک اور وادی کی فکر میں غلطاں

---

[7] بخاری ۹۹۴ [8] بخاری، ۹۵۲ [9] بخاری ۹۵۲:

رہتا ہے۔ مٹی ہی اس کا منہ بھر سکتی ہے۔ البتہ اگر اصلاح احوال کے لئے کوشاں ہو کر اس رذیل عادت اور ریاپی پن سے تائب ہو جائے تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرما لیتا ہے [10]

جناب حکیم بن حزام ایک صحابی تھے۔ آپ نے اُن کو بڑی فیاضی سے نوازا کیونکہ وہ بار بار سوال کرتے تھے۔ آخر آپ نے ان کو مال و دولت کی اصلیت سے آگاہ کیا۔

اے حکیم! دولت بڑی تر و تازہ و شیریں شئے ہے۔ لیکن یہ اس کے لئے بابرکت ہوتی ہے جو اسے عزت نفس کے ساتھ حاصل کرتا ہے۔ اگر انسان لالچی بن جائے اور گداگری کرنے لگے تو اس کی برکت اٹھا لی جاتی ہے پھر وہ اس بھوکے شخص کی مانند ہو جاتا ہے جس کا پیٹ کھانے کے باوجود نہیں بھرتا۔ [11]

دولت کی منفعت و مضرت اور اس کے زہرِ ہلاہل و تریاق ہونے کے دونوں پہلوؤں کو اس طرح ایک دلنشیں مثال کے ذریعہ واضح کیا:

ایک گائے بھوک محسوس کرتی ہے اسے قرب جوار میں کھانے کے لئے کوئی شئے نظر نہیں آتی۔ ایک جگہ کڑوی اور بدمزہ سوکھی گھاس پڑی ہوئی ہے۔ بدذائقہ ہونے کے باعث اسے نگلنا دشوار ہے۔ مگر بھوک مٹانے کے لئے اسے کھانے کے سوا چارہ بھی نہیں۔

چنانچہ وہ اسے کھانا شروع کر دیتی ہے۔ جب پیٹ میں قدرے دولی ہو جاتی ہے تو وہ چھوڑ دیتی ہے۔ جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ معدے پر بوجھ نہیں پڑتا، وہ آسانی سے ہضم کر کے لید پیشاب سے فارغ ہو کر سائے میں جا بیٹھتی ہے اور جگالی کرتی ہے۔

دوسری طرف ایک گائے کو سبز میٹھی اور لذیذ گھاس مل جاتی ہے، وہ ضرورت سے زیادہ کھا کر اپھارے کا شکار ہو جاتی ہے اور قرار و آرام کھو بیٹھتی ہے [12]

گھاس کی یہ دونوں قسمیں، دولت دنیا کی نمائندہ مثال ہیں۔ ان میں اس چیز کا بیان اور اشارہ ہے کہ ضرورت کے مطابق دولت دنیا کو پانے والا، ناحق رنج کشی شدائد و آلام اور شر و دیگر آفات سے محفوظ رہتا ہے۔ لیکن طامع و حریص، جائز و ناجائز اور حلال و حرام کا امتیاز مٹا کر ہر طریقہ سے دولت سمیٹنے والا ایسی ناگہانی بلیات و آفات کا شکار

---

[10] البقرہ: [11] بخاری ۹۵۲ [12] بخاری ۹۵۱

ہوجاتا ہے جو اس کے تصوّر میں بھی نہیں ہوتیں مگر یہ خور گائے کی طرح اس کا مقدر بن جاتی ہیں۔

ج:- جود و عطا:-

دنیا اور اس کے زخارف سے اس نفرت ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ بارانِ رحمت سے زیادہ سخی اور بادِ نسیم کے لطیف و خنک جھونکوں سے زیادہ کریم و فیاض تھے۔ لینے والے کو صاف محسوس ہوجاتا تھا کہ وہ ایک کرم ایجاد سخی داتا کے دوارے پہ کھڑا ہے، جہاں جود و عطا اور کرم و سخا کے دریا بہہ رہے ہیں۔ ایسا بھی ہوتا کہ شانِ عطا پہ سوالی انگشت بدنداں رہ جاتا۔

ایک اخلاص پیشہ وفاکیش خاتون نے اپنے ہاتھ سے چادر بنا کر بڑی ارادت سے پیش کی، جب آپ اسے تہبند کی طرح باندھ کر باہر تشریف لاتے تو کسی صاحب نے بلا تکلف مانگ لی، آپ نے بالکل برا نہ منایا، اندر تشریف لے جا کر چادر اتار دی اور لا کر اسے دے دی۔ حاضرین کو سائل کی یہ حرکت سخت ناگوار گزری، مگر اس نیک نیت اور نیک بخت نے کہا، چادر کا یہ تبرک میں نے کفن کے لئے حاصل کیا ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ۱۳؎

جناب جابر کا اونٹ سُست رو، ضعیف و ناتواں تھا۔ آقا علیہ السلام کو احساس ہو گیا کہ جابر کو اس کی وجہ سے تکلیف ہو رہی ہے، چنانچہ آگے بڑھ کر ہاتھ پھیر دیا۔ دستِ فیض رساں نے آن واحد میں اس کی کایا پلٹ دی۔ گویا مردہ جسم میں بجلیاں بھر دی ہوں جابر کے لئے اسے سنبھالنا مشکل ہو گیا۔

فرمایا: "اے جابر اونٹ ہمارے پاس فروخت کر دو!" قیمت طے ہو گئی، جابر اونٹ لے کر دربار میں حاضر ہو گئے۔ آپ نے بلال سے کہا، جابر کو قیمت دے دو، جب وہ رقم لے چکے تو فرمایا: اونٹ بھی ساتھ لے جاؤ، قیمت کے ساتھ یہ بھی تمہیں بخشا۔ ۱۴؎

ام ایمن کے پاس حضرت انس کے گھرانے کی کھجور تھی، جو انہوں نے واپس مانگی، ام ایمن نے حضور علیہ السلام کے دربار میں عرض گزاری، میں دینے کے لئے تیار نہیں، کیونکہ آپ کے ذریعہ مجھ تک پہنچی ہے۔

۱۳؎ بخاری ۱۷۰، ۱۴؎ بخاری ۲۸۲

حضور علیہ السلام ام ایمن کا بہت لحاظ فرماتے تھے، فرمایا: "ہم سے ایک درخت لے لو۔ ان کی کھجور واپس کر دو"، مگر وہ نہ مانیں۔ آخر دس درخت لے کر رضامند ہوئیں اور آپ نے بخوشی دے دیئے۔ ۱۵؎

عطایائے نبوی اور اہل بیت

نوازش و عطا کا یہ سلسلہ بہت وسیع اور پھیلا ہوا تھا، مگر عجب بات تھی کہ دوسروں کے لئے جہاں داد و دہش کے یہ دریا بہہ رہے تھے، وہاں اہل بیت کرام کے خاص افراد کے لئے، اس فراوانی میں سے کوئی چیز نہ تھی۔ ذاتِ نبوت سے تعلق رکھنے والے ان نورانی حجروں میں ہفتوں آگ نہیں جلتی تھی۔ اور کھجور پانی پہ گزارہ ہوتا رہتا تھا ۱۶؎

سیدہ بتول فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا نے گھر کے کام کاج کے لئے ایک لونڈی مانگی مگر آپ نے یہ دنیاوی آسائش مہیا فرمانے سے انکار کر دیا۔ ۱۷؎

ایک دفعہ سیدہ زہرہ نے کانوں میں بالیاں آویزاں کر لیں۔ بازوؤں میں کنگن پہن لئے اور گلے میں ہار ڈال لیا۔ دروازے پر پردہ لٹکا دیا۔ چند روز بعد حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم میدانِ جنگ سے واپس تشریف لائے، اپنی بیٹی کے دروازے پہ پردہ دیکھ کر ٹھٹھک گئے، پھر ہار، کنگن، اور بالیوں پر بھی نظر پڑ گئی، آپ اسی وقت واپس تشریف لے گئے۔ سیدہ سمجھ گئیں، آپ نے بد و ریاضت کی زندگی میں ان اشیاء کی موجودگی سے ناراض ہو گئے ہیں اسی وقت اتار کے آپ کی خدمت میں بھیج دیں، آپ نے فرمایا: دنیا، محمدؐ اور آل محمدؐ کے لئے نہیں ہے اگر اللہ کے نزدیک اس کی پرِ کاہ جتنی بھی حیثیت ہوتی تو کسی کافر کو جرعۂ آب نصیب نہ ہوتا ۱۸؎

ازواج مطہرات نے اخراجات میں وسعت کے لئے درخواست کی تو انہیں یہ نکتہ سمجھا دیا گیا کہ ان مراکز انوار میں دنیا کا گزر نہیں ہو سکتا، یہ تو ممکن ہے کہ ازواج کی خواہش پر ان سے ازدواجی تعلقات توڑ لئے جائیں، لیکن زہد و قناعت صبر و شکیب اور تسلیم و توکل کی قدسی روش کو نہیں چھوڑا جا سکتا ۱۹؎

۱۸؎ وفاء الوفا، ۳۳۲ -

۱۵؎ بخاری ۵۹۱، ۱۶؎ بخاری ۹۵۶ - ۱۷؎ ابخاری ۔ ۱۹؎ قرآن مجید الاحزاب ۲۸-۲۳

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات، واضح ہدایات، طور طریق اور مسلسل طرزِ عمل سے واضح کر دیا۔ کہ آپ کا دنیاوی مال و دولت سے کوئی رشتہ نہیں، نہ ان زخارف اور رنگ ریزوں سے آپ کو دلچسپی یا سروکار ہے۔ اور نبی ہونے کی حیثیت سے آپ کی شان بھی یہی ہے کہ دنیاوی مال و منال سے کوئی تعلق نہ ہو چنانچہ آپ نے اس بے تعلقی کا اعلان فرمایا اور عملی زندگی کے علاوہ زبان سے بھی بتا دیا کہ دیگر انبیا کرام کی طرح ہماری میراث بھی زر و جواہر اور دراہم و دنانیر پر مشتمل نہیں ہے۔

نحن معاشر الانبیاء لا نورث، ما ترکنا صدقۃ [20]

ہم انبیاء کرام ایک گروہ ہیں ہماری میراث نہیں ہوتی جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔

لا یقتسم ورثتی دینارا ولا درھما ما ترکت بعد نفقۃ نسائی ومؤنۃ عاملی فھو صدقۃ [21]

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں، آپ نے فرمایا!

[میرے ورثاء دراہم و دنانیر تقسیم نہیں کر سکیں گے، جو کچھ بھی چھوڑوں، ازواج کا خرچ، اور مزدور کی اجرت ادا کرنے کے بعد وہ سب صدقہ ہوگا۔

شیعہ کتب میں بھی اسی مفہوم کی احادیث ملتی ہیں۔

ان العلماء ورثۃ الانبیاء، ان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درھما ولکن اورثوا العلم فمن اخذ منہ اخذ بحظ وافر

[اصول کافی، باب العالم والمتعلم من لا یحضرہ الفقیہ، ۲: ۲۳۶]

[بے شک علماء حضرات انبیاء کرام کے وارث ہیں۔ انبیاء کرام کی میراث دینار و درہم کی صورت میں نہیں ہوتی۔ البتہ وہ علم کی میراث دے کر جاتے ہیں، تو جس نے اس سے حصہ حاصل کیا، اس نے حظِ وافر پا لیا]

---

[20] بخاری ۵۲۶ ۔ [21] بخاری ۲۸۹۔

جنت البقیع میں

دینِ حق کی تکمیل کا ربانی اعلان ہو چکا تھا جس سے اہلِ نظر نے سمجھ لیا تھا۔ حضور کے وصال کا وقت قریب آگیا ہے۔

اندیشہ صحیح ثابت ہوا۔ آپ کی طبیعت ناساز رہنے لگی۔ ہجرت کے گیارہویں سال کا آغاز ہوا تو محرم شریف کا سارا مہینہ بخیر و عافیت گزر گیا، صفر کی بائیس تاریخ تک بھی طبیعت مبارک ٹھیک رہی۔ لیکن اس کے بعد آپ نے مزاج شریف اور طبیعت اقدس میں کچھ تبدیلی محسوس کی چنانچہ معمولات میں چند چیزوں کا اضافہ فرما لیا۔ اول شہدائے احد کے پاس تشریف لے گئے جنہوں نے خونِ ناب دیکر عزیمت و حریت اور ایثار و سرفروشی کی تاریخ میں ایک رنگین و حسین باب کا اضافہ کیا تھا۔ ان کی دورِ ابتلاء کی خدمات اور جلیل قربانیاں ایسی نہ تھیں جنہیں فراموش کیا جا سکتا، چنانچہ آپ ایک طرح ان کی خدمات اور عظمتوں کا اعتراف کرنے اور انہیں اعزاز بخشنے کے لئے بار بار تشریف لے گئے، اور وہاں حاضرین و موجودین پر بھی واضح کر دیا۔ یہ محسنینِ امت، غازیانِ اسلام اور خدام دین ہیں انہوں نے اس وقت حق خدمت ادا کیا جب مخالفت و عناد اور عدوان و سرکشی کی تند و تیز اور منہ زور آندھیاں چل رہی تھیں۔ اور عداوت و مخالفت کا سیلاب روکنا دشوار تھا۔

روایات سے ثابت ہے۔ اہلِ احد پر آپ نے نمازِ جنازہ بھی ادا فرمائی [22] یہ ان شہیدوں کے ساتھ آپ کے بے انتہا پیار اور شفقت کی علامت تھی۔ جیسے ایک رحیم و کریم اور شفیق باپ بوقتِ رخصت اپنے اطاعت گزار اور فرمانبردار بچوں کے ساتھ جی بھر کے پیار کرتا ہے۔ اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری پر اظہار خوشنودی کرتے ہوئے دعاؤں کا صلہ دیتا ہے

اہلِ احد کی طرح جنت البقیع کے ساکنوں کی قسمت بھی جاگ گئی۔ یہاں بھی آپ کی آمد و رفت کا سلسلہ بڑھ گیا۔

---

[22] بخاری ۱۷۹

ایک رات آپ نے اپنے غلام ابو موہیبہ کو جگایا۔ نصف شب بیت چکی تھی، فرمایا میرے ساتھ جنت البقیع چلو۔ حکم ربانی ہوا ہے کہ جاکر ان کے لئے استغفار کروں۔ خراماں خراماں وہاں پہنچے۔

پہلے شہر خموشاں کی نیک بخت روحوں کو سلام کیا۔

" السلام علیکم یا اہل المقابر! تمہیں یہاں کا امن و سکون اور یہاں کی راحت و عافیت مبارک ہو۔ زمین پر بسنے والے تو اس سے محروم ہیں۔ تیرہ و تار شب کی مانند بھیانک فتنے ان کی تاک میں ہیں جن کا سلسلہ ٹوٹنے والا نہیں، اور بعد والا فتنہ پہلے سے خوفناک، دہشت انگیز اور روح فرسا ہے۔ مگر تمہیں ان سے کوئی اندیشہ نہیں "

ادھر سے فارغ ہوئے، تو ابو موہیبہ کی طرف رخ کیا۔ اور آنیوالی بات بتائی۔

اے ابو موہیبہ! رب قدیر و قیوم کی طرف سے خزائن دنیا کی چابیاں مجھے عطا کر دی گئی ہیں اور اختیار دے دیا گیا ہے۔ چاہے تو ہمیشہ کے لئے دنیا ہی میں رہوں۔ یا اپنے رب کریم کے حضور پہنچ جاؤں "

ابو موہیبہ رضی اللہ عنہ نے اپنے فکر و ذوق کے مطابق ایک عاشق صادق کی طرح عرض کی! آپ ہم غریبوں ہی کے جھرمٹ میں رہنا منظور فرمالیں۔ عشاق کی بے قرار اور ترستی نگاہیں جمالِ جہاں آرا سے متمتع ہوتی رہیں گی۔ دھڑکتے دل دولت دیدار سے مسرور، شادکام اور بامراد ہوتے رہیں گے۔ کسی کو دقت نہیں ہوگی۔ اور جلووں کی بارات، بے حجاب رہے گی۔ حسنِ نبوت کا فیض عام اور جمالِ رسالت کی نگاہ پرور تنویروں سے قلب و روح کو گرمانے کا سلسلہ محبت قائم رہے گا۔"

آپ نے فرمایا! اے ابو موہیبہ! اب یہ بات نہیں ہوگی۔ عشق اس منزل میں داخل ہو چکا ہے جہاں اب کسی اور کی گنجائش نہیں۔ میں نے وصال ربانی کو اختیار کر لیا ہے اب وہ دِن دور نہیں۔ جب عشق تمام عارضی بندھن توڑ کر حسن لازوال اور جمالِ حقیقی کے انوار میں مستغرق ہونے کے لئے پرواز کناں ہو جائے گا۔

اہل بقیع کے پاس آپ نے کافی وقت گزارا، ان کے لئے دعائے مغفرت کی پھر

آپ واپس تشریف لائے۔ اسی روز صبح کے وقت مرض شدت اختیار کر گیا۔ [۲۳] ربیع الاوّل کا مہینہ شروع ہو گیا۔ مگر طبیعت مبارک نہ سنبھلی یہاں تک کہ جمعرات کا وہ تاریخی دِن آگیا۔ جس کے بعد پانچویں روز آپ وصال حق سے شادکام و بامراد ہو گئے

جمعرات سے پیر تک

جمعرات کا یہ دن اہل مدینہ کے لئے، جذب و سوز، اضطراب و بے قراری تصورات ہجر و فراق کی سوزش اور قیامت کے مناظر لے کر طلوع ہوا جب انصار کو یہ علم ہوا کہ ان کے محبوب مہمان، اور جند جان سے پیارے مہربان آقا صلی اللہ علیہ وسلم صاحب فراش ہو گئے ہیں۔ تو انہیں ہر بات بھول گئی۔ اس اذیت ناک خبر کے جانکاہ صدمے نے نڈھال کر دیا۔ سب کچھ چھوڑ کر مسجد نبوی میں اکٹھے ہو گئے۔ اور ایام گذشتہ کی سہانی یادوں کے چراغ جلا کر، رونا شروع کر دیا۔ حسرت و یاس اور دردِ فراق سے اٹھنے والی ٹیسوں نے فغان و فریاد کی صورت اختیار کر لی اور ساری فضا غمناک ہو گئی۔

حضرت ابو بکر اور عباس ادھر سے گزرے، عاشقان جمال اور یارانِ وفا کیش کا یہ حالِ زار اور گریۂ پیہم دیکھ کر ٹھٹک گئے۔ جب پتہ چلا کہ دردِ نہاں اور سوزشِ دروں نے یہ حالت بنا دی ہے تو خاصے متاثر ہوئے۔ اور حضور علیہ السلام کو جا کر صورتِ حال سے آگاہ کیا۔

آقا علیہ السلام انصار کے جذبۂ ایثار، حسنِ سلوک اور خلوص و وفا سے آگاہ تھے۔ اس اطلاع نے آپ کو بے قرار کر دیا۔ اسی وقت حکم دیا کہ پانی کے سات مشکیزے لائے جائیں تاکہ دید کے ترسے ہوئے احباب انصار کو جمالِ طلعت سے شاد و بامراد کریں، اور الوداعی خطبہ کے علاوہ انہیں تسلی بھی دیں۔

[۲۳] ابن ہشام ۴: ۳۲۰۔ البدایہ والنہایہ ۵: ۲۲۴۔ حجۃ اللہ علی العالمین حضرت نبہانی۔ ۷۰۵

منبر پر جلوہ فروز ہو کر سب کو پاس بلایا۔ اس وقت آپ نے سرِ مبارک پر پٹی باندھی ہوئی تھی۔ جو تیل کی وجہ سے چکنی ہو چکی تھی۔ یہ منظر اہلِ نظر کے لئے بڑا رقت انگیز اور پر سوز تھا۔ کاروانِ عشق و مروت کے تمام مسافر آہیں ضبط کر کے اور آنسو روک کر بیٹھ گئے۔

آپ نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔

" مدینہ منورہ کے قدیم باشندے، یہ انصار، جنہوں نے انسانی تاریخ میں ایثار و قربانی اور ذوق و شوق کے ایک نئے باب کا اضافہ کیا ہے۔ زندگی کے بے رنگ خاکوں میں اپنے حسنِ عمل خلوص و پیار اور وفاداری کی دل کش اداؤں سے جیون رنگ بھرا ہے۔ میں ان کے بارے میں تمہیں اچھے برتاؤ کی وصیت کرتا ہوں۔ یہ اپنے حقوق و فرائض اور ذمہ داریوں سے بڑی کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہو چکے ہیں۔ اب ان کے حقوق ہمارے ذمہ باقی ہیں بعد میں بننے والے امت کے نگہبان کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ ان کا قدر و مرتبہ پہنچانے اور انہیں دل کھول کر نوازے، یہ میرے جان و جگر، قابلِ اعتماد، محرمِ راز دوست اور وفادار ساتھی ہیں۔ اگر ان سے لغزش بھی ہو جائے تو معاف کر دے۔ [۲۸]

سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

" اللہ کے بندوں میں سے ایک بندے کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ دنیا و آخرت میں سے جہاں چاہے رہے، اس نے آخرت کو پسند کر لیا ہے "

ابھی حضور کی زبان مبارک سے اتنی سی بات نکلی تھی کہ جناب ابوبکر کی چیخیں نکل گئیں۔ وہ بات کی گہرائی تک پہنچ گئے کہ حضور اپنے متعلق بیان فرما رہے ہیں۔

حاشیہ [۲۸] [۲۹] بخاری، ۵۳۶۔

حدیث میں انصار کے لئے کرشی و عیبتی کے الفاظ آئے ہیں۔ کرش، معدہ، اولاد اور جماعت پر بولا جاتا ہے۔ عیبۃ زنبیل کو کہتے ہیں، اور عام طور پر اس سے گہرا دوست معتمد علیہ ساتھی اور وفادار یار غار مراد لیا جاتا ہے۔ حدیث میں یہی معنی مراد ہیں۔

محبوب آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب صدیق کی یہ کیفیت دیکھی تو فرمایا۔

" صدیق صبر کرو! " پھر لوگوں کو ان کے ان کے شخصی فضائل کی طرف متوجہ کیا۔

" ابوبکر کے سب سے زیادہ احسانات میرے اوپر ہیں۔ اگر میں نے کسی کو خلیل بنانا ہوتا تو ان کو بناتا لیکن میں اللہ تعالیٰ کا خلیل ہوں، البتہ ہماری اسلامی اخوت و مودت قائم ہے [۲۵] "

اے لوگو! اس مسجد کی تمام کھڑکیاں بند کر دو، ابوبکر کی کھڑکی کے سوا اب یہاں کسی کی کھڑکی کھلی نہیں رہے گی۔ [۲۶]

اس وقت لوگوں کے سامنے جناب صدیق کے خصائص اور ذاتی محاسن کا تذکرہ بے معنی نہیں تھا۔ دور اندیش ذہن اسی وقت پا گئے کہ یہ صدیق کی خلافت و نیابت کی طرف واضح اور قطعی اشارہ ہے۔

آخر میں آپ نے چند حقائق سے پردہ اٹھایا

انی فرطکم، وانا شہید علیکم وانی واللہ لانظر الی حوضی الآن وانی قد اعطیت مفاتیح خزائن الارض، وانی واللہ ما اخاف [۲۷] من بعدی ان تشرکوا ولکن اخاف ان تنافسوا فیہا

" میں تمہارا ناظم و مددگار ہوں، میں تم پر گواہ بھی ہوں۔ اور میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں، اس وقت میرا حوض میری نگاہوں کے سامنے ہے میں اسے دیکھ رہا ہوں اور بے شک مجھے دنیا کے خزانوں کی چابیاں عطا فرما دی گئی ہیں۔ مجھے یہ خدشہ نہیں کہ تم شرک کرو گے۔ البتہ دنیا پر ریجھ جانے کا خطرہ ضرور ہے۔ "

یہاں بھی آپ نے شہدائے احد کو فراموش نہ کیا۔ ان کے لئے دعائے مغفرت کی اور واپس تشریف لے آئے۔

---

[۲۵] ابن الاثیر، ۲: ۳۱۹ [۲۶] ایضاً۔ [۲۷] بخاری، ۵۸۰: ۵۸۱: ۵۸۵

وصایا نبوی

حجرۂ نبوی میں ہجوم یاراں ہوگیا۔ سب پروانوں کی طرح شمع ہدائت ونور کے گرد بیٹھ گئے، حضور کا مرض ان کے صبر وقرار پر بجلی بن کر گرا ہوا تھا۔ انہیں اس وقت اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحت، آرام وراحت اور تندرستی سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہ تھی

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خلوص ووفا کے ان حسین پیکروں کو دیکھا، غمگین وافسردہ صورتوں پر بے اختیار پیار آگیا۔ ضعف ونقاہت کے باوجود فرمایا، "لوح وقلم کا انتظام کرو، تاکہ کچھ لکھا دوں تم غلط روی اور بھٹکنے سے بچ جاؤ گے۔"

آپ کی اس وقت جو حالت تھی اسے دیکھتے ہوئے، لکھنے لکھانے اور سننے سنانے کی تکلیف دینا کسی طرح موزوں نہ تھا۔ پھر تیئیس سالہ تبلیغی زندگی میں آپ متبعین کو تمام نشیب وفراز سے آگاہ کر چکے تھے۔ اس آخری وقت میں کسی نئے اور اہم اضافے کا امکان نہ تھا۔ حالات بتا رہے تھے کہ کتاب اللہ پر عمل کے تاکیدی اور مکرر حکم کے سوا اور کچھ مقصود نہیں ہے۔ اس لئے آپ کی تکلیف کو ملحوظ رکھتے ہوئے جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دردمندی اور عاجزی سے کہا:

"یا رسول اللہ! ہمیں کتاب اللہ کافی ہے۔ آپ کچھ لکھوانے کی زحمت وتکلیف نہ فرمائیں"

چونکہ یہ بات معقول اور تجویز حسب حال تھی، اس لئے آپ نے مزید کچھ نہ کہا،

جیسے آپ عمر فاروق اعظم کی پسندیدہ اور مناسب رائے سے متفق ہو گئے ہوں، اور سمجھ لیا ہو کہ حاضرین میری منشا پا گئے ہیں، اس لئے تاکیدی حکم لکھانا کوئی لازمی نہیں ہے اسی جگہ کچھ دوسرے حضرات نے جناب عمر کی رائے سے اختلاف کیا، اور اپنا خیال ظاہر کیا کہ:

حضور نے غلبۂ مرض کی حالت میں یہ بات نہیں کہی ہے، بلکہ آپ ہوش وحواس

میں ہیں، اس لئے محض آپ کی تکلیف کے خیال سے بات ملتوی کرنا مناسب نہیں ہے، بہتر ہے دوبارہ پوچھ لیا جائے۔ اگر واقعی کوئی ضروری بات ہوئی تو ارشاد فرما دیں گے۔

چنانچہ جب دوبارہ استفسار کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: "تم لوگ چلے جاؤ"[۲۸]

یہ واضح اشارہ تھا کہ فاروق اعظم کی صائب رائے کے ساتھ کلی اتفاق ہو چکا ہے ورنہ آپ کی ذات اقدس سے کسی اہم حکم کو ترک کر دینے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

حاشیہ

یہ واقعہ مختلف احادیث کو پیش نظر رکھ کر ترتیب دیا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مختلف راویوں نے اس واقعہ کی مختلف کڑیاں بیان کی ہیں۔ اگر ہوشمندی سے ان کڑیوں کو یکجا کیا جائے تو وہ نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ جو ہم نے بیان کیا ہے۔ اور سب کچھ بے غبار ہو جاتا ہے۔

عبداللہ بن عتبہ کی روائت میں جناب فاروق اعظم کی تجویز کا ذکر ہے جو آپ نے حضور کی حالت مبارک دیکھ کر پیش کی۔ اس کے برعکس سعید بن جبیر کی روائت میں دوسرے خیال کے حضرات کی رائے کا ذکر ہے۔ جو انہوں نے جناب عمر کی رائے کے مقابلہ میں پیش کی تھی۔

یعنی جب فاروق اعظم نے کہا "حسبنا کتاب اللہ" تو ان حضرات نے اختلاف کیا اور کہا "اَھَجَرَ" کیا حضور نے یہ بات بلا ارادہ اور غلبہ مرض کی حالت میں کہہ دی ہے؟ ان کا خیال تھا، یہ بات نہیں۔ بلکہ حضور ہوش میں سب کچھ فرما رہے ہیں۔ اس لئے دوبارہ پوچھ لو "استفھموہ"۔ اگر رضامندی کا اظہار کر دیں تو حکم پر عمل کرو۔ لیکن جب پوچھا گیا۔ تو آپ نے فاروق اعظم کی رائے کو ترجیح دی، اور کچھ نہ لکھوایا۔

ہمارے خیال میں اس واقعہ میں شکوک وشبہات کی گنجائش اس لئے نکلی ہے کہ اس کی کڑیوں کو ملانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ یعنی حاضرین کے سلسلہ کلام اور سوال وجواب کی نوعیت پر غور نہیں کیا گیا۔ اس طرح جو ایک گروہ کا جواب ہے وہ جناب عمر کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے حالانکہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ جناب عمر کا ارشاد نہیں ہے بلکہ ان

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۲۸ بخاری ۶۳۸

ان ایام میں حضرت مولا علی شیرِ خدا رضی اللہ عنہ نے بھی فاروق اعظم ہی کی رائے کی پیروی کی اور آپکے آرام وسکون کا پورا پورا خیال رکھا، اور کوئی چیز لکھانے کی تکلیف نہ دی۔ چنانچہ خود ارشاد فرماتے ہیں۔

امرنی ان آتیہ بطبق یکتب فیہ مالا تضل امتہ من بعدہ

فخشیت ان تفوتنی نفسہ، قلت، احفظ واعی [٢٩]

مجھے حکم دیا، لکھنے کی چیزیں لے کر آؤ، کچھ لکھ دیں، جس سے امت بھٹکنے سے بچ جائے مجھے خدشہ لاحق ہوا، (حالت نازک ہے) ایسا نہ ہو میرے پیچھے آپ کا وصال ہی ہو جائے، اسی خیال سے عرض کی، حضور! زبانی ارشاد فرما دیں، میں یاد رکھوں گا۔ چنانچہ آپ نے نماز، زکوٰۃ، اور غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی وصیت فرمائی۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں۔ ان دنوں آپ کی یہ وصیت بھی تھی۔

اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب واجیزوا الوفد

بنحو ماکنت اجیزھم [٣٠]

مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو، اور آنے والے وفود کو اسی طرح نوازو جس طرح میں نوازا کرتا تھا۔ آپ نے امت کو انتشار وتفرقہ سے بچانے کے لئے جناب صدیق اکبر کے حق میں خلافت کی وصیت کرنے کا ارادہ بھی فرمایا چنانچہ حاضرین کو حکم دیا: ادعوا الی ابا بکر وابنہ لکے لا یطمع فی امر ابی بکر

طامع ولا یتمناہ متمن [٣١]

" ابوبکر اور ابن ابی بکر کو بلاؤ، تاکہ کوئی حریص اور خواستگارِ خلافت، ابوبکر کے مقابلے میں اس کی تمنا اور آرزو نہ کرے۔ "

(صفحہ گذشتہ کا حاشیہ)

کے جیساکہ ب اللہ کے جواب میں پیش کیا گیا ہے۔ اور اھجر کہہ کر آپ پر جنون قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ وگرنہ ایک ہی شخص سے یہ دونوں جملے ... بالکل بے معنی سی بات ہے۔

---

٣١ ؎ بخاری، ٨٥٦ - ٢٩ ؎ البدایہ والنہایہ ۵: ٢٢٨ - ٣٠ ؎ بخاری، ٦٢٨

آپ نے عبد الرحمٰن کو حکم دیا۔

ائتنی بکتف او لوح حتی اکتب لابی بکر کتابا لا یختلف

علیہ احد [٣٢]

[لوح وقلم لاؤ، تاکہ ابوبکر کے لئے وصیت لکھ دوں، اور کوئی اختلاف نہ کر سکے]

پھر فرمایا ابی اللہ والمومنون ان یختلف علیک یا ابابکر [٣٣]

[اللہ تعالیٰ اور مومنین ابوبکر کی خلافت پر اختلاف سے انکاری ہیں]

مگر بوجوہ اس وصیت مبارک کو تحریری صورت میں نافذ نہ فرمایا، تاکہ خلافت منصوص ہو کر نبوت ہی کی طرح واجب الاتباع نہ ہو جائے، نیز شورائی اور ملوکیت سے پاک نظامِ حکومت کے لئے دروازہ کھول دیا۔ اس کے علاوہ صدیق کی وجیہہ شخصیت عمر وتجربہ اور ہمہ گیر مقبولیت سے آپ کو یقین تھا کہ خلافت کے لئے ان ہی کا انتخاب ہو گا۔ خاص کر جب کہ آپ نے واضح اشارات سے اہل الرائے اور زیرک حضرات کو یہ بات سمجھا دی تھی۔

حال ہی کی بات تھی کہ ایک عورت آئی۔ آپ نے اسے پھر کسی دن آنے کا حکم دیا۔ چونکہ حالت نازک تھی اس لئے بوڑھی خاتون نے پوچھا

ارأت ان جئت ولم اجدک

" اگر آؤں، اور آپ نہ ہوں، تو پھر کس کی خدمت میں حاضری دوں؟ "

فرمایا ان لم تجدینی فاتی ابا بکر [٣٤]

اگر مجھے نہ پاؤ، تو ابوبکر کے پاس آجانا۔

چنانچہ حضرت عباس جیسے دانا وفہیم سمجھ گئے تھے کہ حضور علیہ السلام اور عوام کا رجحانِ طبع جناب صدیق کی طرف ہے اس لئے آپ نے حضرت علی سے کہا۔ چند روز بعد آپ کسی کی رعایا بن جائیں گے۔ اذھب بنا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلنسالہ فیمن ھذا الامر ان کان فینا علمنا ذالک و

---

٣٢ ؎ ایضاً - ٣٣ ؎ ایضاً ٣٤ ؎ البدایہ والنہایہ، ٢٢٨-

وان کان فی غیرنا علمناہُ [۳۵]

[میرے ساتھ حضور کے دربار میں چلئے، تاکہ خلافت کے بارے میں پوچھ لیں ہمیں ملنی ہے تو بھی پوچھ لیں اور اگر کسی اور کو ملنی ہے، تو بھی آگاہ ہو جائیں]

حضرت علی تیس پینتیس سال کے نوجوان تھے۔ انہیں بھی اندازہ ہو چکا تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دیگر حضرات، صدیق اکبر جیسے جہاندیدہ، سن رسیدہ باوقار اور سنجیدہ آدمی کے مقابلے میں ان کو ترجیح نہیں دیں گے، صدیق اکبر کی موجودگی میں تو منتخب ہونے کا امکان ہی نہیں، بعد میں انتخاب ہو سکتا ہے۔ اس لئے اگر صدیق کی موجودگی کا لحاظ فرما کر حضور علیہ السلام الصلوٰۃ نے خلافت دینے سے انکار فرما دیا تو پھر بعد میں بھی اس کا حصول ناممکن ہو جائے گا، اس خیال کے پیشِ نظر آپ نے حضرت عباس کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔



حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

جمعرات کے روز آپ نے زندگی کی آخری نماز پڑھائی۔ یہ مغرب کی نماز تھی جس میں آپ نے سورہ والمرسلات کی تلاوت فرمائی [۳۶]

اس کے بعد پیر کے دن تک آپ نماز پڑھانے کے لئے تشریف نہ لا سکے صرف ہفتہ کے روز حضرت عباس اور علی کے ہمراہ مسجد میں گئے اور جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔

جمعرات ہی کے دن جب عشاء کی نماز کا وقت ہوا تو مرض کافی شدت اختیار کر چکا تھا بخار سے جسم مبارک گرم تھا۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے بدن مبارک پر ہاتھ رکھا تو محسوس ہوا بخار بہت تیز ہے۔

[۳۵] بخاری، ۶۳۹ - [۳۶] بخاری، ۶۳۷

میں نے عرض کی، "حضور! شدید حرارت ہے۔ ہاتھ نہیں لگ رہا۔"

فرمایا، "انبیاء کو جس طرح اجر زیادہ دیا جاتا ہے اُسی طرح ان پر تکالیف بھی زیادہ نازل ہوتی ہیں" [۳۷]

رات بھیگ گئی، لوگ مسجد میں نماز کے لئے انتظار کرتے رہے، مگر آپ تشریف نہ لائے، جب قدرے سکون محسوس ہوا تو دریافت فرمایا۔

"کیا لوگ نماز پڑھ چکے ہیں؟"

جواب دیا گیا، "حضور کے منتظر ہیں۔"

فرمایا، "پانی تیار کرو!"

پانی حاضر کیا گیا تو آپ نے غسل فرمایا۔ مگر پھر طبیعت متغیر ہو گئی۔ اسی طرح تین بار ہوا۔ آخر آپ نے حکم دیا، "ابو بکر سے کہو نماز پڑھا دیں" [۳۸]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی:

"یا رسول اللہ! ابو بکر بڑے رقیق القلب، حساس اور نرم مزاج کے آدمی ہیں خالی مصلیٰ دیکھ کر طبیعت پر قابو نہ رکھ سکیں گے۔ اس لئے کسی اور کو حکم دیں کہ یہ خدمت بجا لائے"

آپ نے حضرت عائشہ کی مداخلت نظر انداز کر کے پھر وہی حکم دیا

مروا ابابکر فلیصل بالناس

حضرت عائشہ نے جناب حفصہ سے کہا، آپ بھی میری سفارش اور تائید کریں، "تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جناب ابو بکر کے علاوہ کسی اور کو امامت کی اس خدمت عظمیٰ کے لئے مامور فرمائیں"

حضرت حفصہ نے جناب عائشہ کے کہنے کے مطابق آپ کی خدمت میں یہ بات پیش کر دی، سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ناراض ہو کر فرمایا!

تم صواحبات یوسف کا کردار ادا کر رہی ہو، جو ہم نے کہا ہے، وہی کرنا پڑے گا، اس میں ترمیم و تبدیلی نہیں ہو سکتی، ابو بکر ہی سے کہو وہ نماز پڑھائیں" [۳۹]

[۳۷] البدایہ والنہایہ ۵ : ۲۳۷ - [۳۸] بخاری، ۶۵۰

عرض معروض کی تمام راہیں مسدود ہوگئیں۔ انہیں پتہ چل گیا یہ حتمی اور معنی خیز فیصلہ ہے۔ چنانچہ جناب صدیق کو اس حکم اور فیصلے سے مطلع کر دیا، ارشاد کے مطابق جب وہ خالی مصلے کی طرف بڑھے تو چیخیں نکل گئیں۔ یارائے ضبط نہ رہا، جناب عمر سے کہا۔

" آپ امامت کے فرائض انجام دیں "

مگر جناب عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے معذرت کی اور کہا:

" اس فضل و شرف کے آپ ہی زیادہ مستحق ہیں۔

چنانچہ جناب صدیق ہی نے نماز پڑھائی۔

انہی ایام کی بات ہے، حضرت عبداللہ بن زمعہ کہتے ہیں۔

ہم لوگ دربارِ رسالت میں حاضر تھے کہ حضرت بلال نے آکر عرض کی،

" نماز کا وقت ہوگیا ہے۔ "

حکم دیا " ابوبکر سے کہو نماز پڑھا دیں! "

ابن زمعہ اطلاع دینے کے لئے باہر آئے دیکھا جناب ابوبکر موجود نہیں تھے،

انھوں نے جناب فاروق اعظم سے کہا، " آپ نماز پڑھائیں! "

جناب فاروق اعظم نے سمجھا، یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔

چنانچہ وہ آگے بڑھے، اور نماز کی نیت باندھ لی۔ جب اللہ اکبر کہا، تو ان کی بھاری اور بلند آواز سے مسجد کی فضا گونج گئی۔

آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب یہ آواز سنی تو بہت مضطرب ہوئے خفگی کے عالم میں فرمایا۔

این ابوبکر یابی اللہ والمسلمون

" ابوبکر کہاں ہیں، اللہ تعالیٰ اور اس کے فرمانبردار بندے اس وقت یہ منصب عظیم اس کے سوا کسی اور کو دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ "[۳۹]

ایک روایت میں ہے۔ آپ نے فرمایا:

لا، لا، لا یصلی للناس الا ابن ابی قحافۃ [۴۰]

[۳۹] البدایہ والنہایہ، ۵: ۲۲۳

نہیں، نہیں، نہیں ابن ابی قحافہ ابوبکر صدیق کے سوا کوئی نماز نہیں پڑھا سکتا۔

یہ حکم آپ نے بڑی جلالت اور رعب کے ساتھ دیا

جب صدیق اکبر آئے تو جماعت ہو چکی تھی، حکم کے مطابق آپ نے دوبارہ نماز پڑھائی، ان کی امامت کے لئے یہ خصوصی اہتمام، یہ نکتہ واضح کرنے کے لئے کافی تھا، کہ جانشینی اور خلافت و نیابت کے لئے منتخب کر لیا گیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جناب ابن زمعہ پر برس پڑے، " میں نے تو سمجھا تھا حضور نے نماز پڑھانے کے لئے کہا ہے، وگرنہ کبھی بھی جرأت نہ کرتا، "

ابن زمعہ بولے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم نہیں دیا تھا۔ البتہ میں نے جب صدیق کو موجود نہ پایا، تو آپ سے کہہ دیا۔[۴۲]

ہفتہ کے روز کچھ افاقہ ہوا۔ اہل بیت گرد و پیش بیٹھے ہوئے تھے کہ جناب سیدہ بتول فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا اس انداز سے تشریف لائیں کہ آپ کی باوقار اور شاہانہ چال بالکل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چال اور رفتار کے مشابہ تھی۔

والد بزرگوار نے لاڈلی دختر بلند اختر کو اپنے پاس بٹھالیا، پھر فرمایا،

جبرئیل امین نے اس بار دو دفعہ قرآن پاک کا دور کیا ہے جس کا مطلب ہے کہ اب یہاں سے رخصت اور وصال ربانی کا وقت قریب ہے، تم غم نہ کرنا، میرے بعد سب سے پہلے تمہارا ہی وصال ہوگا، میں تمہارے لئے نافع، مددگار، ناظم و مدبر ہوں۔ " نعم السلف انا لک "، پہلے جاکر تمہاری بہتری اور آسائش و فلاح کا سامان کروں گا " سیدہ کے ٹپ ٹپ آنسو بہنا شروع ہوگئے بیٹی کو آبدیدہ دیکھا تو خوشخبری دی۔

اما ترضین ان تکونی سیدۃ نساء اهل الجنتہ

" کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ خواتین جنت کی سیدہ ہونے کا اعزاز حاصل ہو؟ "

یہ بشارت عظمیٰ پاکر سیدہ کے ہونٹوں پر خوشی سے مسکراہٹ پھیل گئی۔[۴۳]

[۴۰] ابن ہشام، ۴: ۲۳۰ - [۴۱] البدایہ والنہایہ ۵: ۲۳۲ - [۴۲] ابن ہشام ۴: ۲۳۰

ظہر کی نماز کا وقت ہوا تو آپ نے مسجد میں جا کر نماز ادا فرمانے کا خیال ظاہر کیا حضرت عباس نے سہارا دے کر اٹھایا۔ دوسری طرف مولیٰ علی ہو گئے۔ کچھ دور جا کر جناب علی کی جگہ حضور کے غلام حضرت ثوبان نے بھی سہارا دیا۔[4] پھر کچھ دیر کے لئے حضرت اسامہ بھی اس خدمت میں شریک ہوئے۔ چنانچہ حضرت عباس گھر سے لے کر مسجد تک ایک طرف رہے۔ اور دوسری طرف مختلف حضرات آتے جاتے رہے اس طرح آپ مسجد میں داخل ہوئے۔ اس وقت ظہر کی جماعت کھڑی تھی جناب صدیق بڑے انہماک و خشوع کے ساتھ نماز پڑھا رہے تھے۔

حضرت عباس نے حضور کو مصلے پر بٹھا دیا۔ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ادب سے کچھ پیچھے ہٹ گئے، باوجودیکہ آپ امام تھے مگر اس انداز سے ارکان نماز ادا کئے کہ پہلے حضور رکوع و سجود فرماتے، اس کے بعد آپ حضور کی تقلید و اتباع فرماتے، اس شان ادب و نیاز کے ساتھ آپ نے نماز پڑھائی،[4] اور کائنات کے سرور و جہاندار اور محبوب رب کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی، یہ حضرت ابوبکر صدیق کی وہ منفرد و قابل فخر فضیلت ہے، جو تمام امت میں آپ کو سب سے نمایاں اور ممتاز کرتی ہے۔[5]

آخری ایام میں وقت کے اولوالعزم اور عظیم پیغمبر کا کسی نیک بخت کے پیچھے نماز ادا کرنا اتنا بڑا اعزاز ہے جس سے بڑھ کر کسی اعزاز کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔[6]

---

[3] بخاری ۱۲۰،۵ ۔ [4] بخاری، ۳۹۶ حجۃ اللہ علی العالمین، ۷۰۰

[5] البدایہ والنہایہ، ۲۳۴:۲۳۶۔ بخاری ۵۹۵ ۔ [6] البدایہ والنہایہ ۵ : ۲۳۶۔

ان ایام میں کبھی مرض میں تخفیف ہو جاتی، اور کبھی اچانک تکلیف بڑھ جاتی، اس حالت میں بھی آپ نے ازدواجی عدل و انصاف کو نظر انداز نہ فرمایا، چنانچہ ازواج پاک کی جو باریاں مقرر تھیں، اس کے مطابق سب کے گھروں میں جاتے رہے، حالانکہ آپ کی خواہش تھی کہ حضرت عائشہ ہی کے گھر میں رہیں مگر آپ نے حق تلفی گوارا نہ کی، صرف یہی پوچھتے رہے، "میں کل کہاں ہوں گا؟" آخر ازواج نے آپ کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے خود ہی اجازت دے دی، کہ آپ مستقل طور پر اب عائشہ ہی کے ہاں قیام فرمالیں۔[7]

پیر کے روز طبیعت مبارک میں کافی سکون تھا، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حسب دستور نماز فجر پڑھا رہے تھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حجرۂ مبارک کا پردہ اٹھا دیا، نمازیوں کی صفیں ترتیب وار قائم تھیں، اللہ کے بندے آپ کی تبلیغ و ہدایت کے مطابق بحضور رب العالمین نہایت عجز و خضوع کے ساتھ کھڑے تھے، اور اپنے خالق و مالک حقیقی کی بندگی بجا لا رہے تھے۔ محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی کامیاب تعلیمات کے یہ اثرات اور حسین نتائج دیکھ کر مسرت سے مسکرا دیئے، بس تبسم نے سرمستان بادۂ عشق کو مسرور و بے خود کر دیا، انہیں ایسا محسوس ہوا کہ صحیفۂ قرآن کھل گیا ہے، یا حسن کامل مجسم صورت میں بے حجاب سامنے آ گیا ہے۔ قریب تھا کہ وہ سب کچھ بھول کر نماز ہی توڑ دیں اور اس جان پرور منظر سے مسحور ہو کر جلوہ گاہ حسن کی تجلیات میں کھو جائیں۔ کہ محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ گرا دیا۔[8]

صحابہ کرام کی جان میں جان آئی، اور وہ خوش ہو گئے کہ اب ان کے آقا رو بصحت ہیں اور مرض کا غلبہ جاتا رہا ہے، چند روز سے وہ جو کاروبار چھوڑ چھاڑ کر بیٹھے ہوئے تھے اپنے اپنے کام کاج کی طرف نکل گئے، خود صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی قریبی گاؤں سنح چلے گئے، جہاں ان کا گھر بار تھا۔[9]

---

[7] بخاری ۶۵۰ [8] بخاری، ۱۶۰، البدایہ والنہایہ ۵: ۲۳۵

[9] البدایہ والنہایہ، ۵: ۲۴۴

وصالِ مبارک کی تفصیلات

اپنے محبوب و مہربان اور محسن آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو مسرور و پرسکون اور ہشاش بشاش دیکھ کر کاشانۂ نبوی کی منور فضا میں مسرت کی جو دلنواز بہار آگئی تھی، وہ تھوڑی دیر بعد اچانک غم و کرب کے شدید اور اذیت ناک احساسات میں بدل گئی، افسردگی اور درد و اضطراب کے جانکاہ اثرات نے سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، چند لمحے پہلے چہروں پر چھا جانے والی بشاشت یکدم کافور ہو گئی، اور متقبل کے پرہول تصورات نے ماحول کو حد درجہ غمگین اور سوگوار بنا دیا۔

محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طبیعت شریف یکایک بدل گئی، جاں نثار رفیقۂ حیات، محبوب ترین غمگسار جناب طاہرہ و صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس نازک اور آخری وقت میں اپنی اس متاعِ بے بہا کو بے قرار ہو کر سینے کے ساتھ چمٹا لیا۔

اپنے بخت رسا پر نازاں اور عطائے الٰہی پر شاداں اس عظیم و جلیل اور بیش قدر و بے مثل دولت کونین کو اشکبار آنکھوں اور دھڑکتے دل کے ساتھ، بانہوں میں سمیٹ کر اور ساری دنیا سے چھپا کر خاموش بیٹھ گئیں۔

محبوبِ برحق ہادی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب بھی طبیعت ناساز ہوتی۔ تو قرآن پاک کی آخری دو سورتیں معوذتین پڑھ کر اپنے جسم پاک پر پھونک مارا کرتے تھے، اور ہاتھوں پہ دم کر کے سارے بدن پر پھیرا کرتے تھے۔ اس آخری وقت میں یہ سعادت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حصے میں آئی۔ انہوں نے معوذتین پڑھ کر حضور پاک کو دم کرنا شروع کر دیا۔[۵۰]

اس عالم میں محبوب اکرم نے آنکھیں کھولیں۔ کونین کے خزائن و دفائن کی روحانی ملکیت رکھنے والے سرور معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ اس حالت میں جو سوال کیا:

[۵۰] بخاری، ۶۳۹

وہ فقر و استغنا اور زہد و ریاضت کی زریں تاریخ کا ایک مثالی و نورانی باب ہے جس سے طبع بے نیاز، اور وصالِ مقربین کے قدسی آداب کا پتہ چلتا ہے،

استفسار فرمایا:

"گھر میں سات دینار موجود تھے وہ کہاں ہیں؟ انہیں صدقہ کر دو"

حکم دے کر پھر آنکھیں بند کر لیں، اہل بیت بے چین و مضطرب ہو گئے، وہ آپ ہی کی طرف متوجہ رہے، اور سات دیناروں کو کوئی اہمیت نہ دی، کہ اتنی حقیر رقم کسی وقت بھی کسی کی جھولی میں ڈالی جا سکتی ہے۔ اس وقت تو سب سے اہم اور بنیادی مسئلہ حضور کی دیکھ بھال اور نگہداشت کا تھا۔

آپ نے پھر آنکھیں کھولیں، اور فرمایا:

"وہ سات دینار صدقہ نہیں کئے، علی سے کہو، انہیں تقسیم کر آئے"

اس دفعہ بھی مسئلہ کی سنگینی کی طرف کسی کی توجہ نہ گئی، مگر جب تھوڑی دیر بعد تیسری دفعہ بھی یہی حکم سنایا، تو حضرت عائشہ سمجھ گئیں۔ فقر غیور اور طبع سخا پیشہ کو منظور اور گوارا نہیں ہے کہ گھر میں سات دیناروں کے ہوتے ہوئے بھی اپنے ذو الجلال والاکرام رب سے ملے، چنانچہ وہ دینار جناب علی رضی اللہ کو دیئے، انہوں نے باہر جا کر خیرات کئے، تب حضور علیہ السلام کو چین اور سکون آیا۔[۵۱]

حرم نبوت کے حظیرۂ قدس میں شانِ استغنائے رسالت کی بدولت، ایام گذشتہ کی طرح اس روز بھی، علائق دنیوی سے بے نیازی بلکہ بیزاری اور نفرت و کراہت سے حالت یہ تھی کہ پیر کی شب جناب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پڑوسن سے ادھار تیل لیکر دیا روشن کیا تھا۔[۵۲]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے قادر و قیوم رب کے مکرم و برگزیدہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی چاہت اور وارفتگی کے ساتھ، اسی طرح لے کر بیٹھی ہوئی تھیں، کہ ان کے بھائی جناب عبدالرحمان اندر داخل ہوئے، ان کے ہاتھ میں تازہ مسواک تھا، حضور اکرم نے عبدالرحمان

[۵۱] حجۃ اللہ علی العالمین ۷۰۶ - [۵۲] ایضاً

کے ہاتھ پر نگاہیں گاڑ دیں، رازدار حیات اور مزاج شناس رسول حضرت عائشہ کو علم تھا آپ مسواک کے بڑے شوقین اور طہارت و صفائی کے بے حد پابند ہیں، سمجھ گئیں مسواک فرمانا چاہتے ہیں، پوچھا تو اثبات میں سر ہلا دیا انہوں نے دانتوں میں چبا کر مسواک کا صوف بنایا، ریشے نکل آئے تو دھوئے بغیر حضور نے لے لیا اور بڑی لگن کے ساتھ دانتوں پہ پھیرنا شروع کر دیا، حضرت عائشہ فرماتی ہیں آپ نے اسی اہتمام اور حسین انداز کے ساتھ مسواک فرمایا، جیسے پہلے فرمایا کرتے تھے ۵۳ے

یہ نادر و نایاب اور قابل فخر اعزاز حضرت عائشہ کے حصے میں آیا کہ حضور نے ان کا چبایا ہوا مسواک دھوئے بغیر استعمال کیا، اور آخری وقت میں ان کا تھوک حضور اکرم کے کوثر آگیں تھوک مبارک کے ساتھ ملا۔ اس بے حد و بے نہایت شرف و اکرم کا احساس آپکو بھی تھا، جس کا اظہار بعض اوقات فرما بھی دیتی تھیں جس کا انداز یہ ہوتا تھا۔ ان من نعمة الله علی ان رسول الله صلی الله علیه وسلم توفی فی یومی وفی بیتی وبین سحری ونحری و ان الله جمع بین ریقی وریقه ۵۴ے

[یہ اللہ پاک کی مجھ پر نعمت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال اس روز ہوا جب میری باری تھی، اور آپ میرے گھر میں میری باہنوں میں تھے، پھر یہ کہ میرا اور آپ کا تھوک آخری وقت میں اللہ پاک نے جمع کر دیا]

پاس ہی پانی کا پیالہ پڑا ہوا تھا، آپ بار بار اس میں ہاتھ مبارک ڈال کر روئے زیبا پر پھیرتے تھے اور زبان مبارک پہ یہ کلمات تھے لا الہ الا اللہ ان للموت سکرات ۵۵ے

جب طبیعت مبارک گھبرائی تو چہرۂ انور پر پڑی ہوئی چادر ہٹا دیتے، اور امت کو یہود و نصاریٰ کے نقش قدم پر چلنے سے روکنے اور انکی ضلالت و

۵۳ے بخاری، ۶۴۰ - ۵۴ے البدایہ ۲۳۹ - ۵۵ے بخاری ۶۴۰

گمراہی اور غلط روی کے انداز پر متنبہ کرنے کے لئے بار بار فرماتے۔

لعن الله الیهود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیاءهم مساجد ۵۶ے

[اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے، جنہوں نے قبور انبیاء کو مسجدوں میں تبدیل کر ڈالا]

ان ہی حالات و حرکات میں آواز مبارک گلوگیر ہو گئی، حضرت عائشہ نے دیکھا کہ چشمان حق بین اوپر کی طرف اٹھی ہوئی ہیں۔ اور زبان پر یہ آیت ہے۔

مع الذین انعم الله علیهم من النبیین والصدیقین ۵۷ے

حضرت عائشہ نے اندازہ لگا لیا کہ اب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیں اختیار نہیں فرمائیں گے، اور وہ وقت آگیا ہے جب اللہ کے نبی کو دنیا و آخرت میں سے کہیں بھی رہنے کا اختیار دیا جاتا ہے، مگر وہ آخرت ہی کو قبول و اختیار کرتے ہیں اور وصال الہٰی کو ترجیح دیتے ہیں۔ ۵۸ے

ان کے کان باقاعدہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز پر لگے ہوئے تھے۔ نگاہیں چہرۂ اقدس پر گڑی ہوئی، لب لعلیں کی ہر جنبش اور زیر و بم کا، بڑی بے قراری سے مطالعہ کر رہی تھیں۔ انہوں نے سنا ذوق و شوق کی فراوانی، اور محبت الہٰی کی شدت نے اب ان کلمات کی صورت اختیار کر لی تھی۔

اللهم اغفرلی وارحمنی والحقنی بالرفیق الاعلی ۵۹ے

تمنائے وصل اور شوق فراواں نے در اجابت و قبول پہ دستک دی اور جبریل امین علیہ السلام بڑے ادب و نیاز اور احتیاط کے ساتھ ملک الموت کے ہمراہ تشریف لے آئے وہ تین دن سے اسی طرح تشریف لا رہے تھے، ہفتے کے روز آکر انہوں نے پوچھا تھا،

یا رسول اللہ! اللہ پاک نے تمام تر اعزاز و اکرام کے ساتھ مجھے حضور کی خدمت میں بھیجا ہے اور اس علام و خبیر نے پوچھا ہے کہ اے حبیب! اب کیا حال ہے؟

۵۶ے بخاری، ۶۳۹ - ۵۷ے بخاری ۶۳۸ - ۵۸ے البدایہ ۲۴۰، ج ۵ : ابن اثیر ۲/۳۲۱
۵۹ے ” ”

اتوار کے روز بھی وہ اسی طرح اللہ الکریم کی طرف سے عیادت و مزاج پرسی کے لئے تشریف لائے آج پھر ملک الموت کے ہمراہ حاضر ہوگئے اور حرف مدعا یوں بیان کیا:

یا احمد، یا رسول اللہ! یہ ملک الموت دربارِ عالی میں حاضر ہے اور باریابی کی اجازت چاہتا ہے۔

ملک الموت آگے بڑھے اور عرض کی، آقا! فرستادہ رب کریم ہوں، ارشادِ خداوندی ہے ہر معاملہ میں میرے حبیب کی اطاعت و پیروی کر، اور جو حکم دیں بجالا اب آپ ارشاد فرمائیں یا رسول اللہ! یہاں قیام فرمانے کا ارادہ ہے۔ یا عالم قدس کی طرف مراجعت فرما ہونے کے لئے تیار ہیں۔

حضور پاک سرورِ اطہر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے محرم خاص جبریل امین علیہ السلام کی طرف دیکھا، گویا اس آسمانی وزیر سے مشورہ درکار ہو۔ وہ بولے۔

میرے محبوب کریم! رب کریم آپ کا مشتاق ہے۔

یہ سن کر شوقِ وصل کئی گنا ہوگیا، اس محبت کے بے کنار سمندر میں تموج اور زبردست تلاطم پیدا ہوگیا، جو سینے کی اتھاہ گہرائیوں میں موجود تھی۔ اسی وقت بغیر توقف کے فرمایا

فامض یا ملک الموت ۔ اے فرشتے اپنا کام کر۔ [۶۰]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بدستور سینے کے ساتھ چمٹائے بیٹھی تھیں، حضرت ام سلمہ کا ہاتھ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدرِ انور پر تھا، کہ زبان مبارک سے الرفیق الاعلیٰ کی صدائے دلنواز بلند ہوئی، اور روح مبارک حسبِ قانونِ الٰہی ایک لمحہ کے لئے جدا ہوکر ملاءِ اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی اور بحضور رب الانام حاضر ہوگئی۔

انبیاء کو بھی موت آئی ہے، مگر ایسی کہ فقط آئی ہے۔

کل نفس ذائقۃ الموت

ہر چہار طرف ایسی پاکیزہ اور لطیف خوشبو پھیل گئی جس سے کسی کے مشامِ جان آشنا نہیں تھے [۶۱] روحانی نکہتیں اور غیبی برکتیں، اس طرح ہم آغوش ہوئیں کہ فضا کی کیفیتیں ہی بدل گئیں۔

---

۶۰ یوسف نبہانی حجۃ اللہ علی العالمین، ۸۰۰ بحوالہ طبقات ابن سعد ۔ ۶۱ البدایہ والنہایہ، ۵: ۲۴۱

تیسرا باب

روضۂ اقدس میں

① اصحابِ عشق کو صدمہ

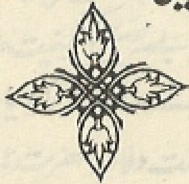
② بیعت خلافت

ا۔ غسل و تکفین کے وقت صدیق و فاروق سقیفہ کیوں پہنچے؟

ب۔ مسئلہ خلافت کو اہمیت دینے کی وجہ

ج۔ فوری انتخاب کا سبب

③ غسل و تدفین



اصحابِ عشق کو صدمہ

جب مدینہ منورہ کے کوچہ و بازار میں یہ روح فرسا اور ہراس آگیں خبر پھیلی کہ راحتِ جان، جانِ ایمان، قرارِ روح، شہِ خوباں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوگیا ہے تو سننے والوں پر سکتہ طاری ہوگیا محبوب کی رس گھولنے والی مترنم اور شیریں آواز سے آشنا کانوں نے اس خبر کو سننے اور اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ عشق سے بریز دل اس ہوشربا خبر کے معاملے میں بے یقینی، تذبذب اور ناقابلِ برداشت درد و اضطراب کا شکار ہوگئے۔ اور حسن بے حجاب کا بے محابا اور باادب دیدار کرنے والی مقدس آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا[1] غمِ دل اور سوزشِ درون سے سینے پھٹ گئے اور ہر کوئی دیوانوں کی طرح جگر تھام کے رہ گیا۔

عشق کے جس مقام پر یہ یارانِ وفا کیش اور اخلاص پیشہ احباب و اصحاب پہنچے ہوئے تھے وہاں محبوب کی موت اور جدائی کا تصور تک حریفِ محبت و وفا بن چکا تھا بوئے الفت جسد خیال میں اس طرح رچ بس گئی تھی کہ غیبت و عدمِ حضور اور لاتعلقی کے مظہر تمام منفی خیالات، جنسِ ناآشنا بن گئے تھے اور لافانی محبت نے عظمتوں کی معراج کو چھو لیا تھا چنانچہ جب ہجر و فراق کی یہ اندوہناک خبر کوہِ الم بن کر انکے خرمنِ عشق و محبت پر گری تو سب پر بے یقینی کی کیفیت طاری ہوگئی، اور انکی یاد وفا محبت نے اس خبر کی صحت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ کوہِ وقار و حلم اور دنیائے عرب کے شہرت یافتہ جواں ہمت دلاور حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ذوقِ حضور و مستی کی اس غیر اختیاری کیفیت کی تند و تیز رو میں بڑی تیزی سے بہہ گئے اور عشقِ جنوں ساماں کے ہاتھوں مجبور ہو کر تیغ براں تھام لی اور اسے منبر پر لہرا کر کہا "جس کی زبان سے یہ سنا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فوت ہوگئے ہیں

---

[1] البدایہ والنہایہ : ۵ : ۲۷۴

اس آختہ تلوار سے اسکی گردن اتار دوں گا''۔ ۲؎

اس جانکاہ واردہ کی نوعیت ہی ایسی تھی کہ اتنا شدید اور بھرپور ردعمل ناگزیر تھا جس سانحہ کیلئے وہ ذہنی وجذباتی طور پر تیار نہ تھے وہ اچانک رونما ہوا نتیجہ یہ نکلا کہ فکر و فہم کی قوتیں معطل ہوگئیں دماغ صدمے کے ناقابلِ برداشت جھٹکوں سے مفلوج اور جگر پارہ پارہ ہوگیا، حواس پر دیوانگی وبیگانگی سی چھاگئی جیسے متاعِ ہوش وخرد لٹا بیٹھے ہوں۔ خودرفتگی کا ایسا عالم طاری ہوا کہ خود اپنی ذات کا بھی ہوش نہ رہا اور سب کچھ فراموش کر بیٹھے مدینہ منورہ میں قیامت آگئی ہر طرف محشر کا سماں بپا ہوگیا۔ کسی کو تن بدن کا ہوش نہ رہا ناگہاں ٹوٹنے والی اس قیامت خیز خبر نے دلوں کی دنیا زیروزبر کر ڈالی اور سینے اندوہ غم سے سلگ اٹھے۔

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے مردِ جلیل کے خطاب وبیان نے، اہلِ عشق ومحبت کے اس تاثر کو اور گہرا کر دیا، کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فوت نہیں ہوئے ہیں

''جناب فاروقِ اعظم نے بڑے جوش وجذبے کے عالم میں حاضرین سے خطاب کیا، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فوت ہو گئے ہیں وہ جھوٹے ہیں عنقریب ہمارے آقا تشریف لائیں گے اور ان منافقوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیں گے موسیٰ علیہ السلام بھی تو کوہِ طور پر تشریف لے جاکر واپس آ گئے تھے۔ اسی طرح ہمارے نبی اکرم بھی آئیں گے اور اہل نفاق کو سزا دیں گے''۔ ۳؎

چونکہ یہ خیالات تمام سامعین کے جذبات واحساسات کے عکاس اور ان کے عشق کے تقاضوں کے مطابق تھے اس لئے سب متاثر ہوئے۔ اور ان ہی کے گرد جمع ہو گئے۔

اس وقت تک کانِ بصیرت ومعدنِ فراست اور کاروانِ ذوق ومستی کے سالارِ اعظم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گاؤں سنخ سے واپس نہیں آئے تھے آپ وہیں تھے کہ پیچھے یہ قیامت ٹوٹ پڑی۔

۲؎ شمائل ترمذی، ۲۹۔ ۳؎ بخاری ۵۱۷

سالم بن عبید بھاگم بھاگ سنخ پہنچے ۴؎ اور جناب صدیق کو وحشت آثار حالات سے آگاہ کیا۔ آپ بلاتوقف مسجد نبوی میں پہنچے، فاروقِ اعظم بدستور اپنے حال میں مست وہی خطبات دہرا رہے تھے۔ جناب صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معاملہ کی نزاکت اور سنگینی کو ایک ہی نظر میں بھانپ لیا۔

گھوڑے سے اتر کر سب سے پہلے اپنی صاحبزادی حضرت عائشہ کے اس منور اور تاریخی حجرے میں پہنچے جہاں محبوبِ دوجہاں علیہ الطیب التحیۃ والثنا نے وصال فرمایا تھا آپکے چہرہ انور سے چادر ہٹائی، سیمائے نور پر بوسہ دیا ۵؎ اور اشکبار آنکھوں سے اپنے محبوب کو دیکھ کر کہا۔

وانبیاہ ! واصفیاہ ! واخلیلاہ !

''میرے ماں باپ قربان! آپ ہر حالت میں کتنے پاکیزہ اور حسین وطیب ہیں ۶؎''

پھر آپ باہر تشریف لائے، فاروق اعظم سے کہا ''بازبیں بند کرو''، مگر وہاں اپنے ہوش میں کون تھا جو ان کی بات سنتا۔

جناب صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود رفتہ اور زبردست صدمے سے نڈھال ان عشاق کی یہ بدلی ہوئی کیفیت اور دگرگوں حالت دیکھ کر سمجھ گئے، انہیں ہوش میں لانے کیلئے کاسگر اور موثر تدبیر کی ضرورت ہے، جس بحرِ بےخودی میں غوطہ زن ہیں وہاں سے انہیں کسی حقیقتِ کبریٰ اور اصلیتِ ثابتہ کا ادراک ہی واپس لا سکتا ہے چنانچہ زرخیز ذہن نے چارہ گری کی، حکمت ربانی نے ایک بلیغ نکتہ دل حزیں میں القا فرمایا اور آپ یوں گویا ہوئے۔

''تم ایک معبودِ برحق کے پرستار ہو، جبین سجدہ وعبادت اسی کے حضور جھکاتے ہو، وہ حی وقیوم ہے خالق ومعبود ہے اس کیلئے فنا اور موت نہیں، وہ کبھی نہیں مرے گا، جب تم اس حقیقت سے آگاہ ہو اس انقلابی اور صادق نظریے کے قائل ہو، پھر آج تمہیں یہ بات کیوں بھول گئی ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۴؎ البدایہ والنہایہ: ۵: ۲۴۴۔ ۵؎ بخاری ۶۴۰: ۲؛ البدایہ والنہایہ، ۵: ۲۴۲۔ ۲۰۰۔
۶؎ زینی دحلان'' در منثور ۱: ۲۳۔

اللہ کے رسول ہیں اسکے بندے اور مخلوق ہیں، معبود اور الٰہ نہیں، جب وہ الٰہ اور معبود نہیں عبادت کے لائق نہیں تو پھر آپ کے وصال و انتقال کے بارے میں شک کی کیا گنجائش ہے۔ کیا تم حضورؐ کی عبادت کرتے ہو۔ جب یہ بات نہیں تو جان لو موت کے ذائقے سے محفوظ ہونا صرف اللہ کی شان ہے باقی مخلوق کو یہ ذائقہ چکھنا ہے اور ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے یہ ذائقہ چکھ لیا ہے آپ کی حیاتِ ظاہری اور آپکے دیدارِ عمومی کا دور ختم ہوگیا ہے آج کے بعد یہ نعمت خاصانِ امت اور برگزیدہ احوال سے بہرہ یافتہ حضرات ہی کو ارزانی ہوگی۔

کچھ لوگ کہہ رہے ہیں، آپ دوبارہ تشریف لاکر منافقین کے دست و بازو کاٹیں گے یہ خیال صحیح نہیں ہے اور نہ ہی اسلامی تصورات سے ہم آہنگ ہے، بلکہ جوشِ جنوں کی پیداوار اور جذبۂ بے خودی کے اثر کا نتیجہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شانِ قدسی اس بات سے بلند ہے کہ آپ دوبارہ موت کا ذائقہ چکھیں، ایسا کبھی نہیں ہوگا، آپ اسی شان اور اپنی کیفیات کے ساتھ ہمارے سامنے کبھی تشریف نہیں لائیں گے جن کیفیات وحالات کے ساتھ آپ ہم میں اب تک موجود تھے

پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔

وَمَا محمدٌ الا رسُول قد خلت من قبله الرسل

محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلم اللہ کریم کے رسول مقبول ہیں آپ سے پہلے بھی رسولانِ کرام گزر چکے ہیں۔

جناب صدیقؓ نے اپنے اس خطبہ میں بڑے زوردار الفاظ استعمال کیے۔

من كان يعبد محمداً فان محمداً قد مات
ومن كان يعبد الله فان الله حيّ لايموت

[جو نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت کرتا تھا، وہ جان لے کہ آپ کا وصال ہوگیا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ حیّ ولا یموت ہے۔]

۷ے بخاری ۲: ۵۱۷ : ۶۴۰ : ابن ہشام ۴: ۳۳۵ : کامل ابن اثیر ۲: ۳۲۴

یہ زبردست اور انوکھا اندازِ بیاں یہ نکتہ ذہن نشین کرانے کیلئے تھا کہ حضور پاک اطہر و اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم معبود نہیں ہیں تاکہ امت میں یہ غلط عقیدہ راہ نہ پاجائے کہ آپ دوبارہ واپس تشریف لائیں گے۔ معبود کا تصور اجاگر کرکے آپنے بے خود عشاق کو بہت بڑے فتنے سے بچالیا چنانچہ وہ پرستارانِ حق، میکدۂ وحدت کے سرمست بادہ خوار، ہوش میں آگئے۔ شرعی ضابطے سوچ کے زاویوں میں آئے تو حقیقت کا اعتراف کرنا پڑا مگر یہ صورتِ ہجر و فراق اتنی حوصلہ شکن، ہوشربا اور ناقابل برداشت تھی کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے مردِ جلیل نڈھال ہوکر گر پڑے۔ ۸ے

حضرتِ سیدہ زہرہ خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا درد و کرب اظہار و بیاں سے باہر ہے، رسُول کی حیثیت ہی نہیں، رشتۂ ابوت کی نسبت سے بھی آپ کو صدمہ تھا چنانچہ دہرے غم اور دہرے صدمے نے آپ کا درد سوا کردیا جسے آپ نے الفاظ میں یوں بیان کیا۔

صبت علیّ مصائب لو انها
صبت على الايّام صرن لياليا

"جو مصائب و آلام مجھ پر ڈالے گئے ہیں، اگر روشن اور منور دنوں پر ڈالے جاتے تو وہ سیاہ راتوں میں تبدیل ہوجاتے"۔ حضورؐ کی پھوپھی جان حضرت صفیہ کا غم اس شعر سے نمایاں ہے۔

الا یا رسول الله كنت رجاءنا
وكنت بنا برا ولم تك جافيا

"یا رسُول اللہ! آپ ہماری تمناؤں اور امیدوں کا مرکز تھے آپ خوئے جفا سے ناآشنا بڑے ہی مہربان تھے"۔ حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اظہارِ غم میں دل چیر کے رکھ دیا انکے ایک ایک شعر میں وہ سوز و کرب ہے۔ جسے ایک وارفتہ دل ہی محسوس کرسکتا ہے۔

بطيبة رسم للرسول ومعهد
منير وقد تعفو الرسوم وتهمد

۸ے بخاری ۱: ۶۴۱ - ۹ے شرح جامی

مدینہ طیبہ ہی میں حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا کاشانہ اقدس اور آپ کی کچھ نشانیاں ہیں اور نشانیاں بعض اوقات مٹ بھی جاتی ہیں۔

ولا تمتحی الآیات من دار حرمة
بها منبر الهادی الذی کان یصعد

لیکن حرم نبوی کی نشانیاں کبھی نہیں مٹ سکتیں وہاں ہادی اکرم کا منبر شریف بھی موجود ہے جس پر آپ چڑھا کرتے تھے۔

بها حجرات کان ینزل وسطها
من الله نور یستضاء ویوقد

وہاں حجرے بھی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوا "نور" رہتا تھا اس نور سے تابانی اور روشنی حاصل کی جاتی تھی۔

نورا اضاء علی البریة کلها
من یهد للنور المبارک یهتدی

اس نور نے سارے جہان کو روشن کر دیا تھا، اس مبارک نور تک جسے رسائی نصیب ہو جائے۔ وہ ہدایت پا لیتا ہے

کان الضیاء وکان النور نتبعه
بعد الاله وکان السمع والبصرا

وہ سراپا ضیا اور "نور" تھے خدا تعالیٰ کے بعد ہم ان ہی کی پیروی کرتے تھے وہ ہمارے چشم و گوش تھے۔

لم یترک الله منا بعده ابدا
ولم یعش بعده انثیٰ ولا ذکرا

خدا کرے، اب آپ کے بعد ہم میں سے کوئی مرد، عورت زندہ نہ رہے

تالله ما حملت انثیٰ ولا وضعت
مثل الرسول نبی الامة الهادی

١٠؎ ابن ہشام ۴: ۳۴۴

اللہ کی قسم! اس امت کے رسول ہادی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی مثل کسی ماں نے کوئی بچہ نہیں جنا ہے نہ اٹھایا ہے۔

ولا بری الله خلقا من بریته
اوفی بذمة جار او بمیعاد

من الذی کان فینا یستضاء به
مبارک الامر ذا عدل وارشاد

اس مبارک، عادل، رہنما اور "مظہر لغیرہ" نور سے زیادہ پڑوسیوں کے حقوق ادا کرنے اور وعدہ وفا کرنے والا اللہ پاک نے اپنی مخلوق میں پیدا ہی نہیں کیا۔

بیعتِ خلافت

مدینہ منورہ کے افق پر غم و اضطراب کے

بادل بدستور سایہ فگن تھے، تمام مسلمان اندوہِ فراق سے گھائل دل پہلو میں دبائے اور پژمردہ اداس چہرے لٹکائے آجا رہے تھے، "قلب و روح کی پُر سکون کائنات پر ناگہاں ٹوٹنے والے اس ناقابلِ برداشت ذہنی صدمے نے انہیں جس کرب و بلا سے دوچار کر دیا تھا، اس کی شدت اگرچہ کم ہونے والی نہ تھی تاہم حقوق و فرائض اور شرعی ضابطوں سے آشنا قدسی حضرات نے خود کو سنبھال لیا اور درد کی ٹیس پہلو میں دبائے خاموشی سے غسل و تدفین کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔

جب اہلِ محبت اپنی زندگی کے سب سے نازک دور سے گزر رہے تھے، اور انہیں گرد و پیش کا کچھ ہوش نہ تھا۔ اس وقت انتہائی نازک لمحات میں اہلِ نفاق کو مسلمانوں کی عظمت و معراج اور شانِ قدسی سے انتقام لینے کا موقعہ ہاتھ آگیا انہیں اپنی ریشہ دوانیوں اور وسیہ کاریوں کیلئے اس سے زیادہ موزوں اور مناسب وقت پھر نہیں مل سکتا تھا۔ چنانچہ وہ اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کیلئے تیار ہو گئے۔

انہوں نے انصار کے کان میں جاکر پھونک دیا۔

"تم اسلام کے محسن و مددگار ہو، تم سے زیادہ اس کی نیابت و قیادت کا حقدار اور کوئی نہیں، اگر اس وقت خلافت کیلئے کوشش کر لو تو آسانی سے حاصل ہو سکتی ہے۔"

سادہ مزاج انصار وقتی طور پر اس خوش رنگ نعرہ کے فریب میں آگئے چونکہ واقعی اسلام کی درخشاں خدمات کے اعزاز سے بہرہ ور تھے اس لئے سمجھ بیٹھے کہ خلافت کیلئے دعویٰ کرنا غیر مناسب نہیں۔ عویم اور معن بن عدی اسی وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سر اٹھانے والے اس نئے فتنے کے حدود خال سے آگاہ کیا [11] منافقین اور مخالفین اسلام کی نیتوں سے آپ بخوبی واقف تھے، سمجھ گئے دشمن نے موقعہ کی نزاکت کو بھانپ لیا ہے۔ مگر اس وقت سستی کرنا، اور سب کچھ حالات کے سپرد کر کے بیٹھے رہنا، قومی خودکشی اور اس کی مکمل تباہی کے مترادف ہے۔ چنانچہ بلا توقف اٹھے حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیا۔ انصار کی چوپال سقیفہ بنو ساعدہ میں پہنچے وہاں حضرت سعد بن عبادہ بیمار ہونے کی وجہ سے چادر اوڑھے لیٹے ہوئے تھے، جناب زید بن ثابت اور حباب بن منذر جیسے ذی عزت اور مقتدر حضرات بھی موجود تھے۔

حباب بن منذر نے جب مہاجرین کے عظیم نمائندوں کو دیکھا تو بلند آواز سے کہا،

"مہاجرین کا امیر اپنا ہوگا ہم اپنا امیر انصار سے چن لیں گے"، [12]

ابھی ان کی آواز فضا میں گونج ہی رہی تھی کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ میں حباب کی تائید کی۔

انا جذيلها المحكك و عذيقها المرجب [13]

میں خلافت کی اہلیت رکھنے والا، اور اسکی ذمہ داریوں کو سنبھالنے والا دانا و توانا شخص ہوں۔ ع

جناب صدیقِ اکبر نے جب ان دو سرداروں کی گفتگو سنی تو سمجھ گئے معاملہ نازک صورت

حاشیہ

۱۳ے عربی زبان میں جذیل محکک لکڑی کے اس مضبوط تنے کو کہا جاتا ہے جسے خارش زدہ اونٹوں کیلئے زمین میں نصب کر دیتے ہیں، اور اونٹ اس کے ساتھ اپنا جسم رگڑ کر راحت پاتے ہیں۔

عذیق مرجب وہ شاخ ہوتی ہے، جسے میوہ دار ٹہنی کے نیچے سہارا دینے کیلئے کھڑا کر دیا جاتا ہے، تاکہ شاخ پُر میوہ جھکنے نہ پائے۔

یہ بلیغ محاورہ استعمال کرنے سے جناب سعد کا مقصد یہ تھا کہ وہ اس منصب جلیل کیلئے ہر لحاظ سے موزوں اور اہل ہیں۔

۱۱ے البدایہ، ۵: ۲۴۶ - ۱۲ے ایضاً، ۵: ۲۴۴ ۱۳ے البدایہ، ۵: ۲۴۶

اختیار کر گیا ہے۔ اور اسلام کے دشمن، مسلمانوں میں نفاق و انتشار کا بیج بونے کیلئے ان مقدس لوگوں کو اپنا آلہ کار بنانے میں کامیاب ہو گئے ہیں، اب یہاں ایسے حقائق سے پردہ اٹھانے کی ضرورت ہے جو انہیں تسلیم ہوں، اور اپنی فطری سلامت روی کے باعث یہ انہیں قبول کر لیں۔

چنانچہ آپ نے فرمایا:

اکابرین انصار! آپ اتنی جلدی اتنا اہم فیصلہ نہ کریں۔ یہاں صرف انصار ہی کا نہیں بلکہ سارے عرب، عالم اسلام اور اس کے مستقبل کا سوال ہے۔ اس منصب کیلئے ایسی ہر دلعزیز شخصیت کی ضرورت ہے جو سب کیلئے یکساں قابلِ قبول ہو، اور یہ تو آپ بھی جانتے ہیں کہ مہاجرین اپنے گوناگوں فضائل کی وجہ سے آپکی قیادت تسلیم نہیں کریں گے اس طرح فتنہ فساد برپا ہوگا۔ آپ اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کریں اور اسلام کیلئے خلفشار کا بیج نہ بوئیں جسے اپنے خونِ جگر سے سینچا ہے۔

حاشیہ

غسل و تکفین کے وقت صدیق و فاروق، سقیفہ کیوں پہنچے؟

انصار مدینہ نے اسلام اور مہاجرین کی، جس خلوص اور بے مثال قربانی کے ساتھ خدمت کی تھی۔ اور اس کے ساتھ وہ قبائلی سیاست اور انتظامی شعور سے بھی بہرہ ور تھے، ان نمایاں خدمات اور صلاحیتوں کے ہوتے ہوئے، ان کے دل میں حصول خلافت و نیابت کا خیال پیدا ہو جانا ایک فطری بات تھی، لیکن ان کی حکومت کے قیام کے ساتھ جو مفاسد رونما ہوتے ملکی امن و امان تباہ ہوتا۔ اور ملک کو ہر طرف سے خطرات و تصادم کے شعلے اپنی لپیٹ میں لے لیتے، اور کوئی طریقہ کارگر نہ ہوتا اس کا جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور جناب عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو پورا احساس تھا، کیونکہ وہ جانتے تھے عرب قریش کے سوا کسی کی بالادستی اور حکمرانی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہونگے۔ اس لئے جب معلوم ہوا کہ انصار جمع ہو رہے ہیں تو دونوں حضرات لپک کر وہاں

انصار ایک لمحہ کیلئے ورطۂ حیرت و تفکر میں ڈوب گئے، یہ رخ ان کی نظر وں سے اوجھل ہی ہو گیا تھا۔ وہ اس اسلام کیلئے ابتلاء و آزمائش کا سبب بننا کسی طرح گوارا نہ کر سکتے تھے جسے انہوں نے جان و جگر کی بازی لگا کر پروان چڑھایا تھا۔ چنانچہ بر وقت ہوش میں آگئے، سب سے پہلے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ گویا ہوئے جو اس نکتے کی گہرائی تک پہنچ چکے تھے۔

حاشیہ

پہنچے اور انہیں بڑی دانشمندی و تدبر سے تمام نشیب و فراز اور ضد کی صورت میں اس پر مرتب ہونے والے نتائج سے آگاہ کیا، اللہ کا کرم ہوا حضرات انصار کے ذہن میں یہ بات آگئی، وہ حقیقت کی تہہ تک پہنچ گئے اور اپنی خلافت کا خیال دل سے نکال کر بڑی فراخ دلی اور جوشِ ایمانی سے اپنے مہاجرین و قریشی بھائیوں کی اطاعت کے آگے سر خم کرنے کیلئے آمادہ ہو گئے۔

حضرت صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا یہ کارنامہ، ان کے تدبر و شعور، گہری فراست اور حکمت عملی کا زندہ اور جاندار ثبوت ہے اور ان کی معاملہ فہمی و باریک بینی اور دقت نظر پر دلالت کرتا ہے مگر حیرت ہے کچھ ذہن اس عظیم تاریخی کارنامہ کی اہمیت گھٹانے اور عزم کرنے والی ان کی موثر و فعال شخصیت کا تصور دھندلانے اور ان کا امیج خراب کرنے کیلئے، اسے غلط، مکروہ اور منفی رنگ میں اس طرح پیش کرتے ہیں کہ

جب جسدِ اطہر غسل و تکفین کیلئے رکھا ہوا تھا، اور تدفین کی رسومات کی تیاریاں ہو رہی تھیں، اس نازک وقت میں وہ سب کچھ چھوڑ کر سقیفہ بنو ساعدہ میں کیوں پہنچے اور غسل و تکفین میں کیوں حصہ نہ لیا؟"

اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر بات میں رنگ بھر کر واقعہ کو توڑ مروڑ کر پیش کیا جائے تو نہ صرف اس کی حیثیت ختم ہو جاتی اور صداقت و واقفیت کی روح مجروح ہو جاتی ہے بلکہ یہ ان مخلص اور بے غرض محسنوں کی سیمیں پیشانی پر ایک بدنما دھبہ اور نہ مٹنے والا داغ بھی بن جاتی ہے۔

باقی حاشیہ آگے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، مہاجرین کے ساتھ نسبی تعلق رکھتے ہیں، اس لئے ہمیں ان کی سیادت تسلیم ہے، ہم جس طرح پہلے دین کے انصار تھے، اب بھی دین کے انصار اور خادم بن کر ہی رہیں گے، ہمیں خلافت و امارت کی کوئی طلب نہیں۔

نحن انصار اللہ کما کنا انصار اللہ ۱۴ے

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جناب سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو قائل کرنے کے لئے فرمایا:

آپ کو یاد ہوگا ایک مرتبہ آپ کی موجودگی میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ قریش ولاۃ ھذا الامر ۱۵ے

خلافت کی ذمہ داری قریش ہی کو سونپی جا سکتی ہے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: مجھے یہ ارشاد اچھی طرح یاد ہے۔

حاشیہ

لیکن اصل بات یہ ہے کہ اس اعتراض کی آب و تاب صرف سخن سازی اور مغالطہ آمیزی ہی کی مرہونِ منت ہے، جسے ایک حقیقت شناس، حالات پر گہری نظر رکھنے اور حقائق و واقعات کا تجزیہ کرنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ذہن کیلئے حل کر لینا کچھ مشکل نہیں۔

کیونکہ یہ بڑی سادہ سی بات ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل و کفن کا انتظام کرنا بہر حال بنو ہاشم اور اہل بیت نبوی کی ذمہ داری اور انہی کا کام تھا، ان کے سوا کوئی اس فرض میں شریک نہیں ہو سکتا تھا۔ اسی لئے غسل کے وقت باقی تمام حضرات باہر بیٹھے ہوئے تھے، اس غمناک و دلگیر ماحول میں پتہ چلا کہ انصار سقیفہ میں جمع ہو رہے ہیں۔ اور اپنی بے پناہ خدمات کے زیر اثر ان میں حصولِ خلافت کا خیال پیدا ہو گیا ہے۔ تو جناب صدیق و عمر یہ سن کر موہوم و متوقع خطرات کے تصور سے بے قرار ہو گئے، امت کی راہ میں پیدا ہونے والی ایک ہولناک مشکل کے خیال نے پریشان کر دیا، کسی توقف اور سستی کے بغیر اٹھے سقیفہ میں پہنچے۔

۱۴ے بخاری، ۵۱۸، ص فتح الباری۔ ۱۵ے فتح الباری، بخاری، ۵۱۸، البدایہ والنہایہ ۵: ۲۴۷

حضرت صدیق اکبر نے فرمایا: جب یہ تمام حقائق آپ کے علم میں ہیں، تو پھر آپ اس نہج سے ہٹ کر کیوں سوچ رہے ہیں، اب ہوش میں آئیں، دیکھیں ابو عبیدہ اور عمر فاروق جیسے مدبر و جہاندیدہ قریشی بزرگ آپ کے سامنے موجود ہیں، ان کی بیعت کر لیں۔

جناب فاروق اعظم نے جواب دیا، جس قوم میں ابوبکر موجود ہوں، اس کا سربراہ بنتے ہوئے مجھے تو شرم آتی ہے، میری کیا مجال ہے ایسے قابل و فائق شخص کے ہوتے ہوئے خلافت کی ذمہ داریاں سنبھال لوں، البتہ آپ سے بڑھ کر اس منصب جلیل کا کوئی اہل نہیں، اس لئے میں سب سے پہلے شرفِ بیعت حاصل کرنے کیلئے آگے بڑھتا ہوں۔

صفحہ گذشتہ کا حاشیہ

اور انصار کرام کو سمجھا بجھا کر صحیح موقف کا قائل کر لیا اور اپنی ہوشمندی، بیدار مغزی اور دوراندیشی سے ان تمام خطرات کا راستہ بند کر دیا، جو افتراق و انتشار، نفاق و حسد اور فتنہ و فساد کا در مفتوح بن سکتے تھے اگر یہ حضرات کرام سستی کرتے اور مغموم و دلگرفتہ دیگر صحابہ کرام کے ساتھ بیٹھے رہتے، اور دوسری طرف اکابر انصار اپنا امیر منتخب کر لیتے، یا بالفرض بعد میں حق خلافت سے دستبردار نہ ہوتے، تو ملکی اور انتظامی امور میں جتنی دشواریاں اور الجھنیں پیش آتیں آسانی سے ان کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا، اس مفسدہ اور مصیبت پر قابو پانے اور سر ابھارنے سے پہلے اس کا سر کچلنے کا سہرا بہر حال حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی فطانت و مآل اندیشی اور حکمتِ عملی کے سر ہے، کہ انہوں نے شر و فساد کے بھیانک عفریت کو بوتل سے نکلنے ہی نہ دیا، اور اعلائے کلمۃ اللہ، خدمت اسلام اور فلاح امت کے خالص دینی جذبے کے تحت، بڑی بالغ نظری سے کام لیتے ہوئے، وقت ضائع کئے بغیر مجمع انصار میں پہنچ کر حالات پر قابو پا لیا۔

باقی حاشیہ آگے

جناب عمر رضی اللہ عنہ کے بعد اکابرین انصار بیعت کیلئے ٹوٹ پڑے اور دیکھتے ہی دیکھتے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا انتخاب عمل میں آگیا۔ سارے شہر میں آپکے انتخاب کی دھوم مچ گئی، لوگ مطمئن اور پُر سکون ہو گئے کیونکہ یہ انتخاب توقعات کے عین مطابق اور ہر لحاظ سے موزوں ترین تھا۔ چنانچہ دوسرے روز جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ عمومی بیعت لینے کیلئے ممبر پر جلوہ فرما ہوئے تو لوگ پروانہ وار لپک پڑے۔

✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱

حاشیہ

مسئلہ خلافت کو اہمیت دینے کی وجہ

خلافت کے مسئلہ کو اہمیت دینے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال مبارک تک اسلام ایک نظام اور دستور حیات کی حیثیت سے ملک میں نافذ ہو چکا تھا۔ اور ایک ریاست کی داغ بیل پڑ چکی تھی۔ چونکہ اس اسلامی، فلاحی اور ربانی مملکت کے قیام سے کئی طاغوتوں اور فرعون سرشت لوگوں کی امیدیں اور حسرتیں تشنۂ تکمیل رہ گئی تھیں۔ ان کی آرزوؤں کے پھول مرجھا کر ان کی نامرادی کے گلے کا ہار بن گئے تھے۔ اور وہ اس ملک پر اپنی حکومت و اقتدار کے جو حسین خواب دیکھا کرتے تھے وہ پریشان ہو گئے تھے۔ اس لئے یہ ریاست اپنی قائم و دائم صورت میں انہیں بالکل نہیں بھاتی تھی۔ وہ اسکی تخریب و تباہی کے درپے رہتے تھے۔ جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بصیرت سے ان کے منصوبے پوشیدہ نہیں تھے۔ چونکہ ایسے منافقین کو ریشہ دوانیوں کیلئے اس سے زیادہ زریں موقعہ میسر نہیں آسکتا تھا۔ اس لئے متوقع خرابیوں کے وجود میں آنے سے پہلے ہی جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ موقعہ واردات پر پہنچ گئے۔ اور انصار کو سمجھایا اور غلط عناصر کا آلۂ کار بننے سے روکا اس طرح ان لوگوں کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ جو ان کی عدم موجودگی میں انصار یا کسی اور کے جذبات بھڑکا کر اسلام کی ترقی اور وسعت سے انتقام لے سکتے تھے۔

(باقی حاشیہ آگے

اس موقعہ پر ان حضرات سے سب سے پہلے جناب عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے خطاب فرمایا۔

اے اکابرین قریش و انصار!

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا ہے۔ اب آپ کے جانشین و نائب کی حیثیت سے حضرت ابوبکر کو چن لیا گیا ہے۔ آپ نماز کے بھی نائب اور مصاحب خاص ہیں انکے فضل و کمال کے تعارف کی ضرورت نہیں اس لئے آگے بڑھو، اور بیعت کرو[16]

حاشیہ

❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦

ایسے حضرات سے بھی خطرہ تھا جو حال ہی میں اسلام لائے تھے۔ اور جن کے مزاج سے قبائلی عصبیت اور خاندانی نخوت نہیں گئی تھی۔ وہ اپنے مزاج کی افتاد اور جبلت کے ردّ عمل سے مجبور ہو کر کوئی غلط فیصلہ کر کے نئے فتنوں کا پہاڑ کھڑا کر سکتے تھے۔ اس کی ایک مثال حضرت ابو سفیان کی وہ تجویز بھی ہے۔ جو آپ نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے پیش کی تھی کہ اگر آپ حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے خلافت حاصل کرنے کیلئے قوت کے طلبگار ہوں تو میں جنگ آزما سواروں سے یہ وادی بھر سکتا ہوں۔

مگر جناب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جھڑک دیا۔ کہ تمہاری یہ بات اسلام اور اہل اسلام کے مفاد میں نہیں ہے، میں اس قسم کی فوجی قوت کا خواہش مند نہیں ہوں تمام مسلمان ایک دوسرے کے خیرخواہ اور ہمدرد ہیں۔ چاہے ان کے اجسام اور دیار دور، دور ہوں مسلمانوں کے سر کاٹنا تو منافقین کا شیوہ ہے ہمارے نزدیک جناب ابوبکر اس منصب عظیم کے بخوبی اہل ہیں۔ اگر وہ اہل نہ ہوتے تو ہم ان کو کبھی یہ منصب نہ سونپتے (الاستیعاب ۲۴۹)

انہی پیش آمدہ خطرات کا احساس کرتے ہوئے جناب ابوبکر نے قطعی تساہل سے کام نہ لیا۔ اور سقیفہ بنو ساعدہ میں اجتماع کی خبر سن کر اس خطرہ سے امت

[16] البدایہ والنہایہ ۵: ۲۴۸

(باقی حاشیہ آگے)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ آئے تو پوچھا۔

اے نبی اکرم کے حواری اور پھوپھی زاد بھائی!

کیا آپ بیعت نہیں فرمائیں گے۔ کیا مسلمانوں میں تفرقہ و اختلاف پیدا کرنے کا ارادہ ہے۔

حاشیہ

کو بچانے کے لئے وہاں پہنچنا اپنا فرض سمجھا، تاریخ اسلام شاھد ہے کہ، حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی وہاں حاضری بڑی مبارک ثابت ہوئی اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو اچانک انتخاب عمل میں آیا۔ وہ بے مثال انتخاب ثابت ہوا جس نے امت کو ایک نئے دور میں داخل کر دیا۔

فوری انتخاب کا سبب

اس فوری انتخاب کی وجہ یہ تھی کہ جناب صدیق اکبر کی مقناطیسی اور ہر دلعزیز شخصیت پہلے ہی سب کے دلوں میں گھر کئے ہوئی تھی۔ وہ آپ کی ذاتی خوبیوں سے آگاہ تھے۔ پھر آپ کے فضائل و خصائل بھی ان سے پوشیدہ نہ تھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بڑی تاکید کے ساتھ امامت کیلئے آپ کو مصلے پر کھڑا کیا تھا۔ ابی اللہ والمومنون کہہ کر اہل فہم کو کتنا بتا دیا تھا۔ کہ نیابت انہی کا حق ہے۔ پھر اسلام میں اولیت و سبقت کی سعادت بھی آپکو حاصل تھی اس لئے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے میں کسی کو تردد نہ ہوا بلکہ اس انتخاب پر وہ بے حد خوش ہوئے۔

جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں خلافت کی خواہش نہ تھی۔ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق صرف قریش سے خلیفہ کا انتخاب چاہتے تھے۔ سقیفہ بنو ساعدہ میں بھی وہ اسی جذبے کے ساتھ آئے تھے کہ کہیں غیر قریشی کا انتخاب عمل میں نہ آجائے۔ جس کے باعث بعد میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ مگر آپ کے تقویٰ و طہارت اور شخصیت و فضیلت کے سامنے کسی کی ہستی جچتی ہی نہیں تھی۔ جسکی وجہ سے نگاہ انتخاب آپ ہی کی طرف اٹھ گئی۔ آپ نے بھی یہ بوجھ

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔

یا خلیفہ رسول اللہ! ایسی کوئی بات نہیں۔ پھر حضرت زبیر نے بیعت فرمائی۔

اسی طرح جناب شیر خدا مولا علی رضی اللہ عنہ نے بھی کسی جبر و تکدر، بدمزگی اور کراہت کے بغیر، بدل و رغبت بیعت فرمائی۔ [1]

حاشیہ

اسی لئے اٹھایا تاکہ شور و شر کا دروازہ بند ہو جائے۔ اور کچھ دیر پہلے جو حادثات متوقع ہو گئے تھے۔ ان کا امکان نہ رہے۔

انه رضي الله عنه انما قبل الامامة تخوفا ان يقع فتنة اربي من تركه قبولها (البداية ۵: ۲۴۸)

سیدنا مولا علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اسی ڈر سے خلافت قبول کی تھی آپ فرماتے ہیں۔

والله ما كانت لى فى الخلافة رغبة ولا فى الولاية اربة ولكنكم دعوتمونى اليها وحملتمونى عليها (نهج البلاغة ۳۴۷، ۵۱۹)

(خدا کی قسم مجھے خلافت کی کوئی رغبت اور حکومت کی خواہش نہ تھی البتہ تم نے مجھے اسکی دعوت دی اور یہ بوجھ مجھ پر لاد دیا۔)

جب حالات ایسے ہوں کہ عہدہ امارت قبول نہ کرنے سے شر و فساد کا اندیشہ ہو تو ایسے موقعہ پر امارت قبول کرنا اہل اللہ کی سنت ہے۔

حضرت یوسف صدیق علیہ السلام نے ایسے موقعہ پر خود کہہ کر منصب لیا تھا۔

اجعلنى على خزائن الارض انى حفيظ عليم

(اے عزیز مصر! مجھے زمینی خزانوں کا مالک بنا دے۔ میں دیانت دار اور دانا (علیم مدبر) ہوں۔)

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لا تسئال الامارة فانك اذا اوتيتها عن مسئلة وكلت اليها

---

[1] البداية والنهاية ۵: ۲۴۹

(باقی حاشیہ آگے)

غسل وتدفین

اہل بیت کرام کیلئے فرمانِ نبوی یہ تھا کہ بذاتِ خود غسل دیں۔ اس کام میں فرشتوں کی معاونت بھی شامل ہوگی۔ تین سفید کپڑوں میں تکفین کا انتظام کریں۔ جہاں وصال ہو

(صفحہ گذشتہ کا حاشیہ)

وان اوتیتھا عن غیر مسئلۃ اعنت علیھا : بخاری ۲، ۱۰۵۸

{حکومت کی طلب نہ کر، کیونکہ جب طلب کے ساتھ ملے گی تو تجھے اس کے سپرد کر دیا جائے گا یعنی خدا کی طرف سے اعانت شاملِ حال نہ ہوگی۔ اور جب تجھے بے طلب ملے گی تو خدا کی طرف سے تجھے اس کی ذمہ داریاں نباہنے کی طاقت بھی نصیب ہوگی۔}

چونکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بے طلب و خواہش خلافت کی ذمہ داری ارزانی ہوئی۔ فرمودۂ نبوت کے مطابق قدرتِ خداوندی نے ہر قدم پر ان کی دستگیری فرمائی اور عنایات و توفیقات سے اس طرح نوازا کہ ڈھائی سالہ عہدِ خلافت برکات و سعادات کی علامتِ کبریٰ بن گیا۔

ضروری نوٹ ۱۷

شیعہ ذہن اس ناقابلِ تردید، روشن حقیقت کے قبول و تسلیم سے انکاری ہے اسے مطمئن اور مسلمہ دلائل سے قائل و آگاہ کرنے کیلئے "قصۂ فدک اور بیعت حضرت علیؓ" میں اس موضوع پر مفصل بحث کی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمومی بیعت میں شرکت کی تھی جو سقیفہ بنو ساعدہ کے بعد لی گئی، پھر آپ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عیادت میں مصروف ہو گئے اور چھ ماہ اسی طرح بیت گئے جس سے بعض ذہنوں میں یہ غلط فہمی پیدا ہو گئی کہ آپ نے بیعت نہیں کی، چنانچہ آپ نے تجدیدِ بیعت کے ساتھ یہ غلط فہمی دور کر دی

اسی جگہ دفن کریں۔ جسد اطہر قبر کے پاس رکھ کر کچھ دیر کیلئے وہاں سے ہٹ جائیں، یہاں فرشتے نماز و درود کا ہدیہ پیش کریں گے۔ پھر اہل بیت کے بعد تمام لوگوں کو اجازت ہوگی۔ کہ گروہوں کی صورت میں الگ الگ ہو کر صلوٰۃ و سلام کا نذرانہ پیش کریں۔ اس کے بعد خواتین یہ سعادت حاصل کریں گی۔ اور آخر میں بچے داخل ہونگے ۱۸

ارشادِ نبوی کے مطابق مولا علی جناب عباس اور ان کے دونوں صاحبزادے جناب قثم اور فضل اور حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے چہیتے صحابی حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک غلام صالح کمرے میں داخل ہوئے۔ اور دروازہ بند کر لیا۔ ایک انصاری حضرت اوس نے دیوار کے پیچھے سے رقت بھرے لہجے میں التجاء کی، "اے حضرات والا تبار!! کچھ ہماری خدمت کو بھی ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ حضور نبی کریم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو غسل دینے کی سعادت میں ہمارا بھی حصہ ہونا چاہیے۔۔ جناب علی المرتضےٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے ان کو بھی اندر بلا لیا۔ ۱۹

عرس نامی کنویں سے پانی لایا گیا۔ بیری کے پتے ڈال کر اسے ابالا گیا، اب وہ نازک مرحلہ آیا جس کے لئے قدم قدم پر رہنمائی کی ضرورت تھی۔ ان کے سامنے کوئی عام جسد پاک نہیں تھا۔ جس کے کپڑے اتار کر عام دستور کے مطابق غسل کی رسم ادا کر دیتے۔ ان کے سامنے بے مثل نبی اکرم، نورِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا جسمِ اقدس پڑا تھا جس کی شانِ جلالت و منفرد شوکت و حشمت اور ہر لحاظ سے بلند و بالا حیثیت سے بخوبی آگاہ تھے۔ اس لئے بحرِ تفکر میں غوطہ زن ہو گئے۔ لیکن غیبی معاونت نے مسئلہ حل کر دیا۔ فرمودۂ نبوی کے مطابق یقیناً فرشتے عقیدت و احترام کے تمام تقاضوں کے ساتھ وہاں موجود تھے۔

آواز آئی! لا تجردوا عن رسول اللہ قمیصہ ۲۰

(حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قمیص اتارنے کی جرأت و کوشش مت کرو)

اس واضح ہدایت و اشارہ کے بعد حضرت عباس نے چادر تان لی حضرت اسامہ

۱۸ البدایہ والنہایہ، ۵: ۲۵۳۔ ۱۹ البدایہ والنہایہ، ۵: ۲۶۰
۲۰ ایضاً

اور صالح جن کو شقران بھی کہتے ہیں۔ جسم اطہر پر پانی ڈالنے لگے۔ مولا علی نے قمیص کے نیچے ہاتھ ڈال کر ملنا شروع کر دیا۔ جناب عباس، فضل اور قثم جسم اقدس کو منقلب کرنے میں ان کا ساتھ دیتے رہے۔ بڑے ادب، انتہائی احتیاط و احترام اور محبت و پیار کی انتھاہ گہرائیوں کے ساتھ ان یاران سعادت مند نے غیرت مہر و ماہ اور رشک بہار و نکہت پیکر نور کو غسل دیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جمال و کمال کی تمام تر اداؤں کے ساتھ طہارت و نظافت کی بے مثال و بے نظیر شان دیکھ کر دنگ رہ گئے۔

آخر ان کی زبان انور سے نکل ہی گیا۔ بابی ما اطیبک حیا و میتا [۲۱]

(میرے ماں باپ نثار! آپ عالم دنیا اور عالم برزخ کی دونوں زندگیوں میں کس قدر پاکیزہ و لطیف اور طیب و طاہر ہیں۔)

پھر جسم اطہر کو خشک کر کے تین سفید کپڑوں کا کفن پہنایا گیا۔ اس اہم فرض سے فراغت پہ سوال پیدا ہوا کہ تدفین کہاں عمل میں آئے؟ بعض احباب کی رائے یہ تھی جنت البقیع موزوں ترین جگہ ہے۔ جہاں آپ کے رشتے دار پہلے ہی مدفون ہیں۔ مگر یہاں منفرد انفرادی شان کا تھا۔ آخر یہ مسئلہ حل نبی اکرم علیہ الطیب الثناء کا ارشاد گرامی ہے۔

لا یقبض النبی الا فی احب الا مکنۃ الیہ [۲۲]

"جو مقام اللہ کے نبی کو بہت محبوب ہو اس کا وصال وہیں ہوتا ہے۔"

اس اصول خاص کے مطابق حجرہ عائشہ ہی میں قبر تیار کرنے کا فیصلہ ہوا۔ اب پھر یہ سوال اٹھا کہ قبر کس شکل کی تیار کی جائے؟ کیونکہ وہاں دو قسم کی قبور بنانے کا رواج تھا۔ حضرت ابو طلحہ لحد والی قبر تیار کیا کرتے تھے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ضریح بنایا کرتے تھے۔ حضرت عباس نے دونوں کی طرف آدمی روانہ کر دیئے اور دعا کی یا اللہ! تجھے اپنے محبوب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کیلئے جس قسم کی قبر محبوب ہو، اسی قسم کی قبر تیار کرنے والا آدمی ملا دے۔

چنانچہ حضرت طلحہ ملے اور انہوں نے حجرہ پاک میں ملحود قبر تیار کی جسم پاک قبر کے

[۲۱] ایضاً ۵: ۲۶۱ - [۲۲] البدایہ والنہایہ، ۵: ۲۶۶

کنارے رکھ دیا گیا۔ پھر ہدایت کے مطابق ملائکہ رحمت کو درود و سلام کے مہکتے گلدستے پیش کرنے کی مہلت دی گئی۔ اس کے بعد اہل بیت کی باری آئی۔ عام مومنین کے بعد خواتین و صبیان نے سلام عقیدت کے نذرانے گزارے۔

یہی درود و سلام نماز جنازہ کے قائم مقام تھا۔ یہ نماز اس معروف صورت میں ادا نہ کی گئی جیسی کہ مروج ہے اور نہ ہی کسی کو امامت کی خدمت سونپی گئی۔ بلکہ نیاز مند حجرے کے ایک دروازے سے اندر آتے اور صلوٰۃ و سلام پیش کر کے دوسرے دروازے سے نکل جاتے۔

اس تصور و عقیدے کے ساتھ کہ ہمارے عظیم نبی زندہ و باحیات ہیں، سلام محبت اور خراج عقیدت پیش کرنے والے کثرت سے آتے رہے۔ چونکہ ہجوم مشتاقاں کثیر تھا۔ اس لئے صلوٰۃ و سلام کا یہ سلسلہ پیر کی دوپہر سے لیکر منگل کی شام تک کسی توقف اور رکاوٹ کے بغیر جاری رہا۔ آخر منگل کی شام بھی ڈھل گئی۔ اور تدفین کی تیاری کرتے کرتے آدھی رات گزر گئی۔

نصف شب کے بعد وہی حضرات قبر میں اترے جنہوں نے غسل دینے کی سعادت عظمیٰ حاصل کی تھی۔ دستور شریعت اور قانون الٰہی کے مطابق مسنون طریقے سے بکمال احترام و عظمت کے ساتھ تدفین کی تمام اسلامی رسوم بجالائے۔ ایک انصاری نے دھڑکتے دل اور جذبات سے چھلکتی آنکھوں کے ساتھ لحد کے اوپر نو اینٹیں نصب کیں۔ اور پھر باہر آ گئے۔ درد و غم سے پھٹ جانے والے سینوں میں آہیں دبا کر، دیدۂ اشکبار کے ساتھ مٹی ڈالی۔ کوہان کی صورت میں قبر بنائی اور دوار فتہ عشق نبوی جناب بلال موذن و مقرب نے پانی کا چھڑکاؤ کیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

ما علمنا بدفن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی سمعنا صوت المساحی من جوف اللیل من لیلۃ الاربعاء [۲۳]

[۲۳] البدایہ والنہایہ، ۵: ۲۷۰

(ہمیں تدفین کا علم اس وقت ہوا جب ہم نے منگل کے بعد بدھ کی رات کو نصف شب بیتنے کے بعد بیلچے چلنے کی آواز سنی۔)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

سحری کے وقت حضرت بلال نے جب فجر کی اذان کہی تو غم سے کلیجے پھٹ گئے۔ مسجد سے ہر طرف سے آہ و فغاں اور گریہ وزاری کی آوازیں آنے لگیں سارا مدینہ ہل گیا، اور لوگ اس طرح روئے گویا صبر و ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر سے میں واپس آئے تو حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اس سوال نے ان کا جگر پارہ پارہ کر دیا کہ۔

"اے انس! اپنی محبت کی متاع گراں بہا دفن کر کے تم واپس کیسے آ گئے؟"

ایک روائت میں ہے۔ آپ نے درد نہاں کا اظہار اس طرح فرمایا۔[25]

تمہارے دلوں نے مجسم رعنائی و زیبائی نورانی ذات پر مٹی ڈالنا کیسے گوارا کیا؟[26]

پھر غم و اندوہ کے کوہ گراں تلے دبا ہوا دل لئے آپ تربت شریف پر حاضر ہوئیں قبر شریف کی مٹی لیکر آنکھوں سے لگائی، اور بے تحاشا رونا شروع کر دیا۔ اسی عالم میں درد و سوز میں ڈوبے ہوئے یہ اشعار زبان مبارک پر جاری ہو گئے۔

ماذا علی من شم تربۃ احمد
ان لا یشم مدی الزمان غوالیا

جس نے احمد پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تربت اطہر کی مٹی سونگھ لی ہے اب اگر زندگی بھر وہ کوئی خوشبو نہ سونگھے تو کوئی حرج اور ضرورت نہیں۔

صبت علیّ مصائب لو انھا
صبت علی الایام صرن لیالیا

مجھ پر اتنی کٹھن مصیبتیں ٹوٹی ہیں، جو اگر روشن دنوں پر ٹوٹتیں تو وہ تاریک راتوں میں تبدیل ہو جاتے۔

۲۵ے بخاری ص ۶۴۱ ـ ۲۶ے شواہد الحق ص ۹۴: الانوار المحمدیہ ص ۵۹۳

چوتھا باب

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

آپ کا وصال اور تدفین

ا:۔ سوانح و فضائل
ب:۔ مقام صدیق
ج:۔ سیاسی اور دینی بصیرت
د:۔ صدیق و علی رضی اللہ عنہما کے باہمی روابط

(۱) قصہ فدک

(۲) فدک کا پس منظر

ا:۔ قومی آمدن
ب۔ صداقت نبوت ایک علامت
ج:۔ اسلام سے خوفناک انتقام
د:۔ رائی کا پربت
ھ:۔ مسئلہ فدک کا بگاڑ
و:۔ صداقت و عصمت نبوت پر حملہ
ز:۔ تحریک اسلامی پر ناکامی کا الزام
ح:۔ اہل بیت کی توہین
ط:۔ عنکبوتی دلائل کا جواب
ی:۔ آیت قرابت کا جواب
ک:۔ آیت وراثت کا جواب
ل:۔ آیت وصیت کا جواب

(۳) وصال سیدہ کائنات رضی اللہ عنہا

(۴) بیعت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

۱۔ بیعت کے حق میں حقائق و شواہد
۲۔ اقرار بیعت
۳۔ تجدید بیعت
۴۔ اعتراف فضل و کمال
۵۔ بیعت سے بے رغبتی
۶۔ بیعت میں اکراہ کا فسانہ اور واقعات کی روشنی میں اس کا تجزیہ

(۵) وصال و تدفین

سوانح و فضائل

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصالِ حق کے بعد امت کی متفقہ رائے عامہ نے منشائے الٰہی اور ارادۂ نبوی کے عین مطابق، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا خلیفۂ رسول اور نائبِ حق کی حیثیت سے انتخاب کیا۔

ارشادِ نبوی ہے۔

لا ینبغی لقوم فیھم ابوبکر ان یؤمھم غیرہ [1]

"کسی قوم کے لئے جائز نہیں ہے، ان میں ابوبکر ہوں اور کوئی دوسرا امام بنے" حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب چند پشتوں کے بعد حضور نبی کریم کے مبارک سلسلۂ نسب کے ساتھ مل جاتا ہے، آپ حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں دو ڈھائی سال چھوٹے تھے، اور اسی محلے میں سکونت و رہائش رکھتے تھے جس میں کاشانۂ نبوی تھا، ہمسائیگی اور رشتہ داری کے باعث بچپن ہی سے جان پہچان اور دوستی ہو گئی تھی جس نے زمانۂ شباب میں باہمی محبت اور پائدار الفت کی صورت اختیار کر لی فکری سلامت روی، کردار و عمل کی یکسانی تلاشِ حق، جستجوئے یار، کفر آلود ماحول سے نفرت اور ایک صحت مند انقلاب لانے کی تڑپ، اور ایسی ہی دیگر مشترک اقدار نے اس محبت کو نقطۂ عروج پر پہنچا دیا تھا۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایثار اور پرخلوص رفاقت کے ساتھ، دمِ واپسین تک اس عہدِ وفا کو نبھایا، جس کا اعتراف خود حضور محبوبِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا۔

مالاحد عندنا ید الا وقد کافیناہ ما خلا ابابکر فان لہ عندنا ید یکافئہ اللہ یوم القیامہ [2]

"ہم نے صدیقِ اکبر کے سوا سب کے احسانات کا بدلہ چکا دیا ہے اس کا احسان

---

[1] ترمذی، ابواب المناقب۔ [2] ترمذی، ۲: ۲۰۷

باقی ہے، قیامت کے دن اللہ کریم اس کی جزا دیں گے۔"

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس محبت کا جواب، ویسی ہی محبت اور اپنائیت کے ساتھ دیا، چنانچہ کوئی دن نہ گزرتا تھا کہ صبح و شام اپنے اس حبیب لبیب کے گھر رونق افروز نہ ہوتے ہوں ۳

الفت صدیق کی معراج یہ ہے کہ

ایک روز محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت مبارک ناساز دیکھ کر خود بیمار ہو گئے پھر جب قدسی مسیحا تیمارداری کیلئے ان کی بالیں پہ تشریف لائے تو روئے زیبا دیکھ کر صحت یاب ہو گئے۔ اور وارفتگی میں شعر پڑھنے لگے۔

مرض الحبیب فزرتہ فمرضت من اسفی علیہ
شفی الحبیب فزارنی، فشفیت من نظری الیہ

"دوست بیمار ہوا تو میں گیا، اس کی حالت دیکھ کر، غم سے خود بستر پر گر گیا وہ شفایاب ہو کر میری تیمارداری کیلئے آیا۔ تو اسے دیکھ کر میں بھی تندرست ہو گیا"، ان کے عہد محبت و وفا کی داستان ساری زندگی پر محیط، اور رفاقت و صداقت کی تاریخ بہت طویل، درخشاں اور قابل رشک ہے، جس کی اولین خصوصیت یہ ہے کہ نص قطعی میں اسکی شہادت اور بھاری گواہی موجود ہے یعنی

اذھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا ۴

دونوں غار ثور میں تھے اور نبی اپنے صحابی اور ساتھی سے کہہ رہے تھے، دل گیر نہ ہو بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

یہ صدیقی رفاقت ہی کی شان ہے، کہ جو اس کا انکار کرے، وہ ایمان و ایقان سے اپنا حصہ کھو بیٹھتا ہے۔ امت کے اہل فقہ و علم کا فیصلہ ہے۔

من انکر صحبۃ ابی بکر فقد کفر لانکارہ۔ کلام اللہ ۵

جس نے صدیق اکبر کی صحابیت کا انکار کیا وہ کافر ہے، کیونکہ اس نے کلام اللہ کا انکار کیا۔

---

۴ سورہ التوبہ، آیت ۴۰ ۵ عمدۃ القاری، ۱۶: ۱۷۳ ۳ بخاری، ۶۸

اجمع المفسرون علی ان المراد بصاحبہ فی الآیۃ ھو ابو بکر وقد قالوا من انکر صحبۃ ابی بکر کفر لانہ انکر النص الجلی۔

"مفسرین کا اجماع ہے کہ آیت میں "صاحبہ" سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ انکی صحابیت کا منکر کافر ہے، کیونکہ اس سے قرآن پاک کی نص صریح کا انکار لازم آتا ہے"۔ جناب صدیق رضی اللہ عنہ کے پایۂ بلند، مقام خاص، قرب حضور اور بارگاہ نبی میں آپکی عزت و منزلت کا اندازہ اس ارشاد سے لگایا جا سکتا ہے

لو کنت متخذا خلیلا لاتخذت ابا بکر ولکن صاحبکم خلیل اللہ ۶

" اگر کسی کو اپنا خلیل خاص بنانا ہوتا تو اس اعزاز بخشی کیلئے صدیق اکبر کو منتخب کرتا لیکن تمہارے صاحب تو اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں"

عمدۃ القاری میں ہے

خلیل، اس دائم الحضور، اور تصور و ادراک سے غائب نہ ہونے والے دوست کو کہتے ہیں جس کے سوا دل میں کسی کی گنجائش نہ ہو من لا یتسع قلبہ لسواہ نبوت کی شان رفیع کے پیش نظر، اس مفہوم و معنی کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیل بن سکتے ہیں۔

لیکن خلیل کا ایک اور مفہوم بھی ہے جو ہمراز اور واقف اسرار ساتھی کا مترادف ہے اس مفہوم کے اعتبار سے جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیل ہیں چنانچہ عمدۃ القاری میں ابوالحسن سے ایک حدیث مروی ہے

انہ لم یکن نبی الا وقد اتخذ من امتہ خلیلا، وان خلیلی ابوبکر الا وان اللہ اتخذنی خلیلا۔ کما اتخذ ابراھیم خلیلا

ہر نبی اپنی امت میں سے ایک خلیل بناتا تھا، اور میرے خلیل ابوبکر ہیں۔ نیز اللہ پاک نے مجھے اپنا خلیل بنایا ہے۔ جس طرح جناب ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا تھا۔

---

۶ ترمذی ۲: ۲۰۷

مقامِ صدیق

حضورِ مربیِ اعظم، معلمِ انسانیت، نبی کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نگاہ خاص، خلت و معیت، طویل رفاقت، اور گہری مثالی دوستی ہی کا اثر تھا کہ حضرت صدیق اکبر کے ظاہر و باطن، فہم و بصیرت اور نقطۂ نظر میں انقلاب پیدا ہو گیا تھا، جس کے مظاہر و شواہد اکثر دیکھنے میں آتے رہتے تھے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں کچھ ہدایا و تحائف پیش کئے، لیکن اس انداز سے کہ کسی کو پتہ نہ چلے اور ساتھ ہی عرض کی

للہ عزوجل عندی معاد

میں رضائے الٰہی کیلئے پھر بھی کچھ نہ کچھ پیش کروں گا

اتنے میں حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ بھی نذرانۂ عقیدت لے کر حاضر ہوئے لیکن اسے پوشیدہ پیش کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی، اور ساتھ ہی عرض کی

یا رسول اللہ! ھذہ صدقتی ولی عند اللہ معاد

یہ میرا مال حاضر ہے، اور اس کا اجر میں اللہ تعالیٰ سے لوں گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی پیشکش کے اس نمایاں فرق پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا۔ مابین صدقتیکما کما بین کلمتیکما۔

تم دونوں کے صدقات میں (قبولیت و پذیرائی اور اجر و ثواب کے لحاظ سے) اتنا ہی فرق ہے جتنا دونوں کے طریقۂ پیشکش اور اندازِ گفتگو میں ہے۔

غزوہ تبوک کی تیاری کیلئے فنڈ کی فراہمی کے موقعہ پر اپنا کل اثاثہ، سارا متاع و منال پیش کر کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ جواب دیا۔

ابقیت لھم اللہ و رسولہ ؎

اہل خانہ کیلئے خدا اور رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔

؎ ترمذی ، بخاری : ۱۸۸

یہ صدیقی شان کا عکاس حسین جواب، آپ کی فراست و بصیرت کے زاویۂ خاص اور حکمت و بینش کے چشمۂ آبِ حیواں سے خاص طور پر فیض یاب ہونے کا مظہر نمایاں ہے۔ اسی طرح یہ زندگی آموز، حکمت سے لبریز ارشاد بھی آپ کے قربِ حق و دوامِ حضور، اور مقام صدیقیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

یا معشر المسلمین! استحیوا من اللہ عزوجل، فوالذی نفسی بیدہ انی لاظل حین اذھب الی الغائط فی الفضاء متقنعا بثوبی استحیاء من اللہ تعالیٰ ؏

اے اسلامی رفقاء و برادران!

اللہ تعالیٰ سے حیا کیا کرو، بخدا جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، میں جنگل میں حوائج سے فراغت کیلئے جاتا ہوں تو شرم و حیا کی وجہ سے چہرہ ڈھانپے رکھتا ہوں۔

سیاسی اور دینی بصیرت

نبوی تربیت نے دین کے معاملہ میں آپ کو بڑا حساس، جرأت مند اور مداہنت ناپذیر بنا دیا تھا، بنیادی معاملہ فہمی اور سیاسی شعور و تدبر کے ساتھ دینی بصیرت میں اس مقام پر پہنچ چکے تھے کہ اوّل وہلہ میں اس نتیجے تک پہنچ جاتے جہاں اکابر کی نگاہیں دیر بعد پہنچتی تھیں۔

آپ کی ذات میں پوشیدہ اس جوہرِ فرد اور وصف خاص کا مظاہرہ اس وقت ہوا، جب آپ زیب اورنگ خلافت ہوئے۔

شر پسند، جاہ طلب، اور فتنہ طراز ہر جگہ اور ہر معاشرے میں ہوتے ہیں، عہدِ نبوی ہی میں مسیلمہ کذاب، طلیحہ اسدی اور اسود عنسی جیسے کذاب پر پرزے نکالنے لگے تھے، وصالِ حبیب کے بعد، موقعہ غنیمت جان کر دعوائے نبوت کے ساتھ میدان میں آگئے، کچھ لوگوں نے ادائیگی زکات سے معذوری ظاہر کی، اور کچھ آزاد طبع یا عصبیت زدہ، قانون کی بالادستی اور اصول کی حکمرانی سے بچنے کیلئے، فتنہ و فساد پر آمادہ ہو گئے، غرض شورش پسند اور ہنگامہ پرست بے قید عناصر نے مل کر قیامت

صغریٰ برپا کردی۔

یہ وقت اتنا نازک اور حوصلہ شکن تھا کہ بڑے بڑے اکابر اور آہنی عزم و ارادہ رکھنے والوں کے پتے بھی پانی ہوگئے، اور انہوں نے فتنہ و فساد کی آگ فرو کرنے کیلئے وقتی طور پر ان لوگوں کے مطالبات ماننے اور انہیں بعض رعایات دینے کا مشورہ بھی دے دیا۔ مگر جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس رائے سے متفق نہ ہوئے اور اس شدید ردّ عمل کے ساتھ اس مشورے کی مزاحمت کی کہ

"منکرین زکات اگر ایک رسی بھی روک لیں گے، جسے عہدِ رسالت میں ادا کیا کرتے تھے، تب بھی ان کے ساتھ قتال و جہاد کروں گا" ۷؎

کیونکہ آپکے نزدیک اسلام کے ایک اہم اور بنیادی رکن کا انکار سارے دین، سارے نظام اور اس کی ساری تعلیمات کے انکار کے مترادف تھا۔

چنانچہ آپ نے منکرین کے خلاف فوجی کارروائی کی، نبوت کے جھوٹے دعویداروں کی طرف جرار لشکر روانہ کئے اور اعدائے دین کی سرکوبی کیلئے بے شمار دستے بڑی سرگرمی و مستعدی کے ساتھ ترتیب دئے، جن کی کامیابی نے آپکے موقف کی صحت پر مہر تصدیق ثبت کردی۔

صدیق و علی کے قلبی روابط

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مقام ختم نبوت اور ارکانِ دین کے تحفظ کی اہمیت کا اس درجہ احساس تھا کہ نبوت و دین کے منکرین کے خلاف عساکر و افواج کی تیاری کے سلسلے میں بذاتِ خود مدینہ طیبہ سے باہر نکلے تاکہ انکی قیادت کرکے مخالفینِ اسلام کا استیصال کریں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس موقعہ پر گھوڑے کی لگام تھام کر بڑے پیار سے آپکے جلو میں چلنے لگے اس ہمرہی و اندازِ رفاقت اور ہم رکابی نے محبت و خلوص کی ان کہی داستانوں کو جنم دیا، جو دوستی کی معراج اور وفا شعاری

۷؎ ترمذی، بخاری، ۱۸۸

کی حسین روایت ہیں، جب آپ کو معلوم ہوا کہ لشکر کی قیادت کرکے خود دشمن کے مقابل جانا چاہتے ہیں تو اس فیصلے کو سیاسی حکمتِ عملی کے خلاف سمجھتے ہوئے یہ مشورہ دیا اور پھر اس پر اصرار کیا کہ

ان یرجع الی المدینۃ وان یبعث لقتال الاعراب غیرہ ۸؎

"مدینہ لوٹ چلیں اور دشمن کی سرکوبی کیلئے کسی اور موزوں شخص کو بھیج دیں"

ابن کثیر نے دار قطنی کے حوالے سے لکھا ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی لگام تھام لی اور کہا۔

الی این یا خلیفۃ رسول اللہ؟ شم سیفک ولا تفجعنا بنفسک وارجع الی المدینۃ فواللہ لئن فجعنا بک لا یکون للاسلام نظام ابدا ۹؎

اے خلیفہ رسول! آپ کدھر جا رہے ہیں؟ تلوار نیام میں ڈال لیں، اور مدینہ واپس لوٹ چلیں، خدا کی قسم اگر آپ کی ذات مبارک کو کچھ ہوگیا تو پھر اسلام ایک نظامِ حیات کی حیثیت سے کبھی نہ ابھر سکے گا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مخلص یارِ وفا شعار کی بات مان لی، اور واپس تشریف لے آئے

مسیلمہ کذاب کے مقابلے میں جو لشکر ترتیب دیا گیا، اس کے جرنیل حضرت خالد رضی اللہ عنہ تھے آپ نے اس کے گھر پہنچ کر اس عظیم و خطرناک فتنے کا سر کچلا اور میدان جنگ سے مال غنیمت کے ساتھ کچھ لونڈیاں مدینہ طیبہ روانہ کیں، ان میں سے ایک کنیز حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے حبیب لبیب ہم مشرب رفیق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھی مرحمت فرمائی، جسے حضرت شیر خدا کے نامور فرزند حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ کی ماں بننے کا شرف حاصل ہوا، ان کی یہ حسین داستانیں مسلسل جنم لیتی ہیں جن کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوا۔ درد و دیوار، محبت کی یہ پرخلوص اور نہ مٹنے والی روایتیں قائم ہوتی، اور الفت و یگانگت

۸؎ البدایہ والنہایہ، ۶: ۳۱۵ ۹؎ کامل ابن اثیر، ۲۲۲/۲

کوچہ و بازار اور مساجد و مساکن اس کی جان نواز و لطیف خوشبو سے برابر مہکتے رہتے

ایک دن عصر کی نماز سے فراغت کے بعد حضرت امیر المومنین خلیفہ اول ، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ، گلی سے گزر رہے تھے کہ امام حسن رضی اللہ عنہ نظر آ گئے، جو بچوں کے ہمراہ کھیل میں مصروف تھے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے والہانہ انداز سے لپک کر اس پیکر حسن و جمال کو اپنی گود میں اٹھالیا، سر منہ کے بوسے لئے اور کہا۔

اے سراپا جمال! تم علی پر تو بالکل نہیں ہو، ساری شکل ہمارے محبوب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی جلتی ہے [1]

اس اظہار محبت و اخلاص کے دوران، جناب علی رضی اللہ عنہ کے مقدس ہونٹوں پر برق تبسم رقصاں رہی۔

ایک ایسا ہی روز سعید تھا۔

جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ رفیق و ہمساز حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر مسکرائے، کوئی وجہ تبسم نہ پاکر، جناب علی رضی اللہ عنہ پہلے متعجب اور پھر گویا ہوئے

" اے صدیق! آپ کے ہونٹ ہمیشہ متبسم رہیں، بتائیں تو سہی اس وقت مسکرانے کا کیا سبب ہے؟ "

" ایک بات یاد آ گئی تھی، جس نے روئیں روئیں میں مسرت بھر دی، آپ کو یاد ہوگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، جنت میں وہی جائے گا جسے علی اجازت اور ٹکٹ دیں گے " اس شان جلیل کے تصور سے جھوم گیا ہوں، کیا سہانا اور باوقار منظر ہوگا جب آپ جنت کے ٹکٹ تقسیم کر رہے ہوں گے "

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مسکرا کر کہا،

آپ کا فرمان بالکل بجا ہے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی تو فرمایا تھا کہ علی انہی سعادتمند کو ٹکٹ دیں گے، جس کے دل میں صدیق کی محبت ہوگی "

[1] بخاری ۱: ۵۰۱ - ۵۳۰ - [2] البدایہ والنہایہ، ۶: ۳۲۵

شیعی روایات میں بھی اس محبت اور دوستی کی جھلکیاں ملتی ہیں۔

ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سامنے کسی نامعلوم شخص کے کچھ اوصاف بیان فرمائے، جس سے حضرت صدیق اکبر کے دل میں اس مرد جری کو دیکھنے کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ اچانک حضرت علی رضی اللہ عنہ اس محفل نور میں آ گئے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "یہی وہ باکمال و عالی مرتبہ شخص ہے، جس کی عظمت سے ہم نے ابھی پردہ اٹھایا تھا" یہ سن کر حضرت صدیق نے بڑی ہی مسرت اور بے انتہا چاہت کا مظاہرہ کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان الفاظ میں مبارک دی۔ (کشف الغمہ ۱: ۱۵۴)

بخ، بخ، یا ابا الحسن! واین مثلک یا ابا الحسن

واہ! مرحبا! اے ابوالحسن! آپ کی مثل کون ہے

یہی محبت تھی جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی ان کا گرویدہ بنایا ہوا تھا، جس کا اظہار مختلف صورتوں میں ہوتا رہتا تھا۔

ایک دفعہ اپنے رفیق خاص اور جگری دوست حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بے پناہ انس اور تعلق خاطر کا مظاہرہ اس طرح فرمایا، کہ اپنے نومولود فرزند ارجمند کا نام ابوبکر رکھ دیا۔ [کشف الغمہ ۱: ۵۹۰

یہی وہ صاحبزادے تھے، جو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ کربلا کے دشت ریگ زار میں پہنچے، اور حق و باطل کے اس تاریخی و ناقابل فراموش معرکہ میں لاتعداد یزیدیوں کو موت کے گھاٹ اتار کر واصل بحق ہوئے۔

خلاصہ یہ کہ

جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے باہمی تعلقات اور رشتہ ہائے الفت ایک اٹل حقیقت اور تاریخی فیصلہ ہیں، جنہیں غلط رنگ دے کر بدلنا یا مسخ کرنا ممکن نہیں، لازوال محبت کے ان حسین رشتوں کو مشکوک بنانے کی کوشش یا سازش بالکل ایسی ہی ہے۔ جیسے کوئی درخشاں آفتاب کی روشنی کو چھپانے کی بے کار کوشش یا احمقانہ سازش کرے۔

قصۂ فدک

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی دیانت و فرض شناسی، احساس ذمہ داری، تجربہ کاری اور فراست و بصیرت کے آسمان رحمت نے ساری امت کو ابر رحمت کی طرح ڈھانپ لیا، اور ہر طرف محبت کی فراوانی اور اخوت کی جہانگیری قائم کر دی، چند ہی روز بعد پیروانِ اسلام محسوس کرنے لگ گئے کہ زمامِ خلافت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں دے کر انہوں نے برکات کے خزانوں کے دہانے کھول لئے ہیں اور زندگی کی عظیم ترین سعادت حاصل کر لی ہے۔

ان ایام میں جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، کار دربار خلافت اور انتظامی امور میں بہت زیادہ مصروف و منہمک رہے کسی طرف توجہ دینے یا کسی سے ملنے کی فرصت ہی نہ ملی، حضرت سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کی علالت اور ناسازیٔ طبع کی خبر اپنی زوجہ محترمہ حضرت اسماء کے ذریعہ، برابر آپ تک پہنچتی رہی، جو حضور نبی کریم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال شریف کے بعد تصویر غم بن گئی تھیں، اور ہر کسی سے ملنا جلنا اور دنیاوی معاملات میں حصہ لینا ترک کر دیا تھا، مگر آپ مصروفیات کی وجہ سے وہاں بھی نہ جا سکے، لشکر اسامہ کی روانگی، منکرین دین کا استیصال، جھوٹے نبیوں کا مقابلہ، بے دین و بد چلن عناصر کے ساتھ نمٹنا، پھر داخلی اور خارجی انتظامات یہ سب مسائل اپنی اپنی جگہ مکمل توجہ اور منصوبہ بندی چاہتے تھے جن میں مشغولیت نے فرصت نہ دی، مگر جناب سیدہ رضی اللہ عنہا کی علالت بھی ایسا مسئلہ نہ تھا، جسے نظر انداز کیا جا سکتا۔ چنانچہ اپنی زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی ڈیوٹی لگا دی، کہ تمام وقت حضرت فاطمہ زہراء بتول رضی اللہ عنہا کی خدمت اقدس میں رہیں اور ان کی خدمات بجا لائیں [1]

ایک روز حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا فرستادہ آپ کے دربار خلافت میں حاضر ہوا کہ سیدہ فرماتی ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فدک، خیبر اور بنو نضیر کے جو باغات چھوڑے ہیں وہ حضور علیہ السلام کی میراث ہیں۔ مجھے ان میں سے حصہ دیا جائے۔ ان فاطمة ارسلت الى ابى بكر تسأله ميراثها من النبى صلى الله عليه وسلم مما افاء الله على رسوله تطلب صدقة النبى صلى الله عليه وسلم التى بالمدينة وفدك وما بقى من خمس خيبر [2]

یہ ایک غیر متوقع اور اچانک مطالبہ تھا، کیونکہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جانتے تھے، نبی کی حیثیت سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کوئی میراث درا ہم و دنانیر کی صورت میں ہے ہی نہیں، آپ جو کچھ چھوڑ گئے ہیں، وہ آپکے فرمان و ارشاد کی رو سے صدقہ ہے جس میں میراث جاری نہیں ہو سکتی آپ نے سمجھ لیا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کا علم نہیں، یا آپ نے اس کا کوئی اور مطلب لیا ہے چنانچہ ان پر حقیقت منکشف اور واضح کرنے کیلئے کہا آپکی ذات پاک سے زیادہ مجھے کوئی عزیز نہیں، میری جائداد حاضر ہے آپ اس میں بلا تکلف تصرف فرما سکتی ہیں ؏ مگر جہاں تک خیبر اور فدک کے باغات کا تعلق ہے ان میں میراث جاری نہیں ہو سکتی کیونکہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد اقدس ہے۔

لا نورث ما ترکنا فهو صدقة

حاشیہ ؏

روایات شیعہ میں بھی اس کی تصدیق موجود ہے۔

واموال واحوال خود را از تو مضائقہ نمی کنم، آنچہ خواہی بگیر تو سیدۂ امت پدر خودی انکار فضل تو کسے نمی تواند کرد، و حکم تو نافذ است در اموال من اما در اموال مسلماناں مخالفت گفتہ پدر تو نمی توانم کرد۔ حق الیقین، ملا باقر مجلسی ۲۲۱

میں اپنا مال پیش کرنے میں کسی تکلف یا بخل سے کام نہیں لوں گا، جو چاہے لے لیں، اپنے باپ کی امت کی سیدہ ہیں، میں آپکے فضل و کمال کا انکار نہیں کر سکتا آپ کا حکم میرے مال و دولت میں بلا تکلف نافذ ہو سکتا ہے لیکن مسلمانوں کے مال میں آپکے ابا جان کے حکم کی مخالفت نہیں کروں گا

---

[1] جلاء العیون: ۱۵۵

[2] بخاری، ۵۲۶

ہم وارث نہیں بنائے جاتے، جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔

انما یاکل آل محمد من ھذا المال ..... ولیس لھم ان یزیدوا علی الماکل [3]

(آل محمد اس مال سے کھا تو سکتی ہے مگر کھانے سے زیادہ کا مطالبہ نہیں کر سکتی)

میں اس فرمان نبوی کی روشنی میں ان باغات کی پیداوار سے اسی طرح حصے ادا کرتا رہوں گا، جس طرح آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کیا کرتے تھے لیکن میراث کی صورت میں انہیں تقسیم کرنے کی جرأت نہیں کروں گا، کیونکہ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ کے ارشاد اور سنت کے خلاف ہے اور میں سنت کی مخالفت کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

انی واللہ لا اغیر شیئا من صدقات النبی صلی اللہ علیہ وسلم التی کانت علیھا فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا عملن فیھا بما عمل فیھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [4] یہ بات چونکہ معقول اور مستند تھی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف کرنے یا کسی سے فرمان نبوی کے خلاف فیصلہ کرانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں اس لئے خاموش ہو گئیں، پہلے کونسی دنیاوی دولت اور زخارف آرائش کی دلدادہ تھیں، یا شاہانہ ٹھاٹ باٹ کے ساتھ رہتی تھیں کہ افسردہ خاطر ہوتیں، اللہ پاک نے دل بے نیاز کو ہر طرح کے لالچ اور دولت دنیا کی محبت سے خالی کر دیا ہوا تھا۔ اس لئے بعد میں جو چار پانچ مہینے زندہ رہیں، اس مطالبے کا اعادہ نہ کیا بلکہ نام تک نہ لیا۔

فھجرت ابا بکر فلم تزل مہاجرتہ حتی توفیت [5]

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے اس مال کے سلسلے میں کوئی گفتگو نہ کی اور تا وفات اس مطالبے کو چھوڑے رکھا۔

"فھجرت ابا بکر" اور بعد والے الفاظ کا حاصل مفہوم یہی ہے کہ سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا نے دوبارہ اس سلسلہ میں حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کوئی گفتگو نہ فرمائی یہ مطلب نہیں کہ آپ نے حضرت صدیق اکبر سے ملنا جلنا

---

[3] بخاری ص ٥٢٦ - [4] بخاری ٥٢٦ - [4] ایضاً

[5] بخاری ٤٣٥، کشف الغمہ ٢: ٣٣

چھوڑ دیا، کیونکہ آپ پردہ دار خاتون تھیں، کاشانہ اقدس کی چہار دیواری میں رہتی تھیں آزادانہ غیر مردوں کے ساتھ ملنے یا کہیں آنے جانے یا بے روک ٹوک وہاں کسی کے آنے کا کوئی تصور ہی نہیں تھا، پھر کسی کو چھوڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے ان الفاظ کا یہی مطلب ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سوال اور مطالبہ چھوڑ دیا۔

اہل شیعہ کی اپنی وقیع کتب میں اسی مفہوم کی صراحت ہے۔

کشف الغمہ میں ہے۔

ھجرتہ فاطمۃ فلم تکلمہ فی ذالک حتی ماتت [٢: ٣٣]

"حضرت سیدہ نے ان کو چھوڑ دیا اور پھر اس مال کے بارے میں کوئی کلام نہ فرمایا۔ یہاں تک کہ فوت ہو گئیں" آپ کو اس سلسلہ میں کوئی ناراضگی بھی نہیں رہی تھی، جیسا کہ بے بنیاد افسانہ تراشا جاتا ہے۔ بلکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے موقف کے ساتھ کلی اتفاق ہو گیا تھا۔ اور حقیقت کی گہرائی تک پہنچنے کے بعد راضی ہو گئی تھیں چنانچہ ایک دفعہ کا واقعہ ہے،

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، حضرت سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کے کاشانہ اقدس پر تشریف لائے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ کی اجازت سے آپ کو اندر بلا لیا، آپ نے احوال دریافت کرنے کے علاوہ سیدہ رضی اللہ عنہا کے دل کی مزید تسلی اور انکی خوشنودی کیلئے فدک کے باغات کا بھی ذکر فرمایا اور اطمینان دلایا کہ میرے اس اقدام میں ذاتی منفعت یا غرض کو کوئی دخل نہیں جیسا کہ سب کچھ آپ کے سامنے ہے میرے پیش نظر صرف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اور فرمان ہے اور خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی رضا ملحوظ ہے۔ میری آج تک کی زندگی پر نگاہ ڈال لیجیے

واللہ ما ترکت الدار والمال والاھل والعشیرۃ الا ابتغاء مرضاۃ اللہ ومرضاۃ رسولہ ومرضاتکم اھل البیت ...... ثم ترضاھا حتی رضیت [6]

---

[6] البدایہ والنہایہ ٥: ٢٨٩، ابن سعد ٨: ١٨

خدا کی قسم، گھر بار، مال و دولت، اہل و عیال اور خاندان، اللہ اور رسول کی رضا اور اے اہل بیت! تمہاری خوشنودی کیلئے چھوڑا ہے۔ پھر آپ نے حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کو راضی کیا اور آپ راضی ہو گئیں۔

حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی رضامندی کی تائید و تصدیق، شیعی مرویات سے بھی ہوتی ہے شرح بحرانی میں ہے۔

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: انا معاشر الانبیاء لا نورث ذھبا ولا فضۃ ولا ارضا ولا عقارا ولکنا نورث الایمان والحکمۃ والعلم والسنۃ وعملت بما امرنی ونصحت

میں نے حضور سے سنا ہے ہم انبیاء کسی کو زر و سیم اور زمین و جاگیر کا وارث نہیں بناتے علم و ایمان اور حکمت و سنت کا وارث بناتے ہیں، مجھے حضور نے جو حکم دیا ہے خلوص نیت کے ساتھ اس پر عمل کروں گا۔

کان رسول اللہ یاخذ من فدک قوتکم ویقسم الباقی ویحمل منہ فی سبیل اللہ ولک ان اصنع بہا کما کان یصنع "فرضیت"۔

حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فدک کی پیداوار سے آپ کو خوراک مہیا فرمایا کرتے تھے، باقی رقم بانٹ دیتے یا مجاہدوں کو گھوڑے خرید دیتے تھے، میں آپ کے ساتھ وعدہ کرتا ہوں، جو حضور کرتے تھے ویسا ہی کروں گا۔ یہ سن کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا راضی ہو گئیں۔

شرح نہج البلاغۃ ابن میثم بحرانی ۵: ۱۰۷

حجاج السالکین کی روایت کا ملخص بھی یہی ہے

ان ابابکر لما رأی ..... انقبضت عنہ ..... اتاھا فقال لہا: صدقت یا ابنۃ رسول اللہ فیما ادعیت ولکنی رأیت رسول اللہ یقسمہا فیعطی الفقراء والمساکین بعد ان یوتی منہا قوتکم ... فقالت: افعل فیہا کما کان رسول اللہ یفعل فیہا قال: اشہد اللہ علی ان افعل فیہا ما کان یفعل ابوک۔ فقالت واللہ لتفعلن؟ فقال واللہ لافعلن فقالت اللہم اشہد! فرضیت بذالک

لے البدایہ والنہایہ ۵: ۲۸۹-۱۰، ابن سعد ۸: ۱۷

فدک کا پس منظر

اور اس کی حقیقت پر ڈالے گئے دبیز پردوں کے مصنوعی تار و پود کی اصلیت

یہ باغ کیا تھا؟ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دربار خلافت میں جس کا مطالبہ کیا اس کا پس منظر اور تمام تفصیلات جاننا ضروری ہیں۔

کیونکہ اس حقیقت سے ہر کوئی آگاہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری زندگی نبی عبد کی حیثیت سے گزاری، آپ کو شاہانہ زندگی کی پیشکش بھی کی گئی، قیصر و کسریٰ کی عیش پرستی اور ترفہ و آسودگی کے افسانے بھی سنائے گئے مگر آپ نے فقر و مسکنت اور صبر و قناعت پر شاہانہ تمکنت اور ملوکانہ رعب داب کو کبھی ترجیح نہ دی۔

جس کی مثال تاریخ میں اس حیرت افزا صورت کے ساتھ موجود ہے کہ وصال کی شب دیئے میں تیل بھی نہیں تھا جو ہمسایہ سے قرض لے کر جلایا گیا [۱] اور آپ کی زرہ اس وقت ایک یہودی کے پاس چند سیر جو کے عوض مرہون تھی [۲]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے، گھر میں سات دینار موجود تھے، جو وصال سے پہلے ہی آپ نے صدقہ کروا دیے، اور وصال شریف کے بعد کاشانۂ نبوی کی یہ حالت تھی کہ میرے طاق میں تھوڑے سے جو پڑے ہوتے تھے۔

ان حالات میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ باغ فدک کی صورت میں وہ کونسی جائداد اور جاگیر تھی، جس کا حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے مطالبہ کیا؟

اس الجھن کا حل اور سوال کا جواب، مختلف پہلوؤں سے باغ فدک کا مطالعہ کرنے اور اس کی ابتدائی کیفیت اور پس منظر جاننے میں پوشیدہ ہے، اس لئے ہر

لے حجۃ اللہ علی العالمین، النبہانی ۷۵۴ - ۲ے بخاری ۲، ۴۲۱

زاویے اور ہر پہلو سے اس پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

قومی آمدن

جب مدینہ منورہ میں ایک اسلامی ریاست کی تشکیل ہوئی، تو اپنی شان و حیثیت کے مطابق، سرکاری اخراجات اچانک کئی گنا بڑھ گئے، سفراء و ضیوف کی آمد، تحائف و ہدایا، آلاتِ حرب اور جنگی گھوڑوں کا حصول، تبلیغ و اشاعت کیلئے وفود کی روانگی اور اسی نوع کی بے شمار ہنگامی ضروریات نے جنم لے لیا، لیکن اخراجات کی اس بھرمار کے باوجود اس نو تشکیل ریاست کی کوئی مستقل قومی آمدن معرض وجود میں نہ آئی۔

غزوات و حروب کا سلسلہ شروع ہوا تو "مال غنیمت" سے یہ ضروریات پوری ہونے لگیں، زمانہ جاہلیت میں مال غنیمت کی تقسیم کا کوئی مہذب اور انصاف پر مبنی نظام نہ تھا، جسکے ہاتھ جو کچھ آتا وہ اڑا لیتا، جو بچ جاتا، وہ جرنیل کی حرص و ہوس کی نذر ہو جاتا۔

جنگ بدر میں اس دیرینہ رسم کا اعادہ ہوا۔ تو انہیں سمجھا دیا گیا کہ اب یہ زمانہ جاہلیت نہیں، بلکہ دور اسلام ہے، اب پرانی بدنظمی کی روائت نہیں دہرائی جائیگی، مال غنیمت خدا اور رسول کا ہے۔

قل الانفال للہ والرسول [9]

خدا اور رسول جس طرح حکم دیں گے، اس کے مطابق تقسیم عمل میں آئے گی۔

پھر تقسیم کا نظام مقرر فرمایا۔

واعلموا انما غنمتم من شئی فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربی والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل [10]

جان لو! غنیمت کے چار حصے تو لشکر کے لئے ہیں، لیکن پانچواں حصہ خدا اور رسول کا ہے، اللہ کے رسول اسے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کریں گے۔

[9] انفال، آیت ۱
[10] انفال، آیت ۴۰

اس پانچویں حصے سے آپ نے تمام سرکاری اور نجی اخراجات پورے فرمانا شروع کر دیئے، چونکہ اخراجات زیادہ تھے اس لئے آپ نے ایک مرتبہ حضرت سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کو بھی کنیز عطا فرمانے سے انکار کر دیا، تاکہ اس کی قیمت سے دیگر ضروریات پوری کی جا سکیں۔ پھر مالِ غنیمت کے بعد "مالِ فے" بھی قومی آمدن کے ذرائع میں داخل ہو گیا۔

مالِ فے، اس مال کو کہتے ہیں، جو کفار سے جنگ کے بغیر حاصل ہو، اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق بتایا۔ یہ بھی خدا اور رسول کا مال ہے، جو اہلِ قرابت، یتامیٰ مساکین اور مسافرین پر خرچ کیا جائے گا۔

ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القری فللہ وللرسول ولذی القربی والیتامیٰ و ابن السبیل کے لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم [11]

اور اتنے ڈھیر سارے، مختلف حیثیتوں اور ضرورتوں کے لوگوں پر خرچ کرنے کی وجہ یہ بتائی کہ اس طرح دولت چند اغنیا کے ہاتھوں میں جمع نہیں ہوگی، بلکہ گردش میں رہے گی۔

ہجرت کے پانچویں سال، بنو نضیر کے علاقے پر تسلط حاصل ہوا، ساتویں سال خیبر کا نواحی علاقہ "فدک" فتح ہوا، یہ دونوں باغات پر مشتمل تھے، چونکہ جنگ کے بغیر حاصل ہوئے اس لئے انہیں مال فے میں شمار کیا گیا۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی حکم کے مطابق مصارف کا لحاظ کرتے ہوئے انہیں وہی حیثیت دی، جو کسی ریاست میں قومی آمدن، خزانہ عامرہ، بیت المال یا فلاحی فنڈ کو دی جاتی ہے۔ ضرورت کے مطابق اہل و عیال کیلئے لے کر باقی سارا مال سرکاری کاموں اور مسلمانوں کے فلاحی منصوبوں پر خرچ فرما دیتے۔

ان مصارف پر احکام ربانی کے مطابق اخراجات کی تفصیلات یہ ہیں: فاما بنو النضیر فکان حبسا لنوائبہ واما فدک لابناء السبیل واما خیبر فجزاھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثہ اجزاء جزئین بین المسلمین وجزء نفقۃ لاھلہ [12]

[11] الحشر، آیت ۷
[12] ابوداؤد: ۱۳م

بنو نضیر کا مال ہنگامی ضروریات کیلئے تھا، فدک کی آمدن مسافروں کیلئے وقف تھی، خیبر کی پیداوار کے تین حصے کئے جاتے، ایک حصہ سے گھر کا خرچ چلایا جاتا اور دو حصے مسلمانوں میں بانٹ دیئے جاتے۔

کوئی علاقہ فتح ہو تو وہ کسی سربراہ کی ملکیت تصور نہیں کیا جاتا، یونہی قومی دولت، یا فلاحی فنڈ بھی کسی حکمران کا ذاتی مال نہیں سمجھا جاتا، بلکہ قوم کی مقدس امانت ہوتا ہے، جسے اسی توقع کے ساتھ اس کے سپرد کیا جاتا ہے کہ وہ اس میں خیانت نہیں کرے گا۔ چنانچہ جو اس میں خیانت کرے، مثلاً اہل حاجت اور مستحقین کو نظرانداز کر کے اپنوں کو نوازے یا اسے فلاحی منصوبوں پر خرچ کرنے کی بجائے اپنی ذات پر خرچ کرے تو اسے اچھی نظروں سے نہیں دیکھا جاتا۔

یہ فلاحی فنڈ کسی سربراہ کی میراث بھی نہیں ہوتا ہے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کی اولاد میں تقسیم ہو جائے، بلکہ اس کے بعد وہ اس کے جانشین اور نائب کے تصرف میں آجاتا ہے۔ یہ اس کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اسے دیانت کے تقاضوں کے مطابق انہی مدات میں صرف کرے۔

ایک دنیا دار مگر دیانت دار سربراہ سے بھی ایسی دھاندلی کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ قومی امانت اپنے عزیزوں کو ہبہ کر جائے، وراثت بنا دے، یا تمام رشتہ داروں کو نظرانداز کر کے صرف ایک منظور نظر کو دے دے، پھر اللہ کے مکرم اور عظیم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسی توقع کب ممکن ہے۔

چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس توقع اور اپنی شان کے عین مطابق فرمایا۔ لایقتسم ورثتی دینارا ولا درھما ماترکت بعد نفقۃ نسائی ومؤنۃ عاملی فھو صدقۃ [13]

میرے ورثاء ایک دینار اور درہم بھی تقسیم نہیں کر سکیں گے، ازواج کے اخراجات اور حکام کے وظائف کے بعد جو کچھ بچے گا وہ صدقہ ہوگا۔

---

[13] بخاری، ۳۸۹، ۳۲ م

عصمت و صداقت نبوّت کی ایک علامت

حضور علیہ السلام نے بڑی وضاحت کے ساتھ منصب نبوّت کی اس نرالی اور خصوصی شان سے آگاہ کر دیا، کہ نبوّت کے عظیم منصب پر فائز اللہ کا مقبول و برگزیدہ نبی دنیا میں دولت و ثروت کے انبار لگانے کیلئے نہیں آتا۔ اس کے پیش نظر مقاصد کا محور صرف رضائے الٰہی، اخروی نجات و کامیابی اور دین کی بے لوث تبلیغ و اشاعت ہوتی ہے اس سے ہٹ کر وہ اپنی زندگی میں دنیاوی مقاصد زر و سیم، عیش و نشاط اور تن آسانی و جسمانی راحت کیلئے کوئی کام نہیں کرتا، نہ خود مال جمع کرتا ہے اور نہ پیروکاروں کو ترغیب دیتا ہے نہ اولاد کے لئے دولت کے ڈھیر چھوڑتا ہے، اس حقیقت سے آگاہ کرنے کے لئے فرمایا۔

نحن معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکنا فھو صدقۃ (بخاری، ۵۲۶)

(ہم انبیاء کرام کا گروہ اس خصوصی اعزاز سے بہرہ ور ہے، کہ ہماری وراثت تقسیم نہیں کی جاتی، جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے)

اس مفہوم کے بے شمار ارشادات ہیں، ان کے تنوع اور ان میں پائی جانے والی تاکید سے پتہ چلتا ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس چیز کو بڑا زور دے کر بیان فرمایا ہے اور وقتاً فوقتاً اس حقیقت کبریٰ کے رخ زیبا سے نقاب کشائی کی ہے تاکہ اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے، اور بعد میں کسی قسم کا اختلاف پیدا نہ ہو۔ خود شیعہ کتب میں بھی اس حدیث اور مفہوم و معنی کی تائیدات موجود ہیں۔ مثلاً

ان العلماء ورثۃ الانبیاء۔ ان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درھما ولکن اورثوا العلم فمن اخذ منہ اخذ بحظ وافر [14]

[علماء ہی انبیاء کرام کے وارث ہیں، انبیاء کرام درہم اور دینار کا وارث نہیں بناتے، بلکہ علم کا وارث بناتے ہیں، جس نے یہ پالیا اس نے وافر حصہ حاصل کر لیا]

---

[14] اصول کافی، باب العالم والمتعلم

ان العلماء ورثۃ الانبیاء وذاک ان الانبیاء لم یورثوا درھما ولا دینارا وانما اورثوا احادیث من احادیثھم فمن اخذ بشئ منہ فقد اخذ حظا وافرا [15]

> اہل علم ہی انبیاء کرام کے وارث ہیں، وجہ یہ ہے کہ انبیاء کرام درہم و دینار کا وارث نہیں بناتے بلکہ اپنی احادیث و ارشادات کا وارث بناتے ہیں جس نے اس میں سے کچھ حاصل کر لیا، اس نے بہرۂ وافر پالیا

اس نکتہ پر زیادہ زور اسی لئے دیا، تاکہ ماننے والوں کو مقام نبوت کے استغنا کا شعور حاصل ہو جائے۔ سب جان لیں کہ دعوائے نبوت ذاتی آسائش یا اعزہ و اقارب اور اولاد کی آسودگی و خوش حالی کیلئے نہیں کیا گیا۔ بلکہ مقصود نظر ایک ہی ہے۔ جو دنیا و آخرت کی قدروں کو نظر انداز کر کے، دنیا کے زخارف پر مرتکز نہیں ہوتا۔

اس میں یہ اشارہ بھی پنہاں تھا کہ دنیا اندوزی سے بے نیازی، صداقت نبوت کی ایک نمایاں اور واضح علامت ہے سچا نبی اولاد و اقارب اور اپنی ذات کیلئے کچھ دولت اور چندے جمع نہیں کرتا، بلکہ کہتا ہے

لا اسئلکم علیہ من اجر۔ میں اپنی تبلیغی کوششوں کی تم سے جزا طلب نہیں کرتا۔

جو شخص اپنے ماننے والوں کو جائداد سے کمائی اور پیداوار سے حصہ دینے پر مجبور کرے، یا ان پر ذاتی اغراض کیلئے ٹیکس لگائے اور ان سے فنڈ کا مطالبہ کرے یا دنیا میں جائداد بنا کے اور پسماندگان کو امیر کبیر بنا کے جائے۔ اس کے بارے میں جان لو وہ دنیا پرست، پیشہ ور، خود غرض اور مکار ہے شریف اور قابل تکریم انسان بھی نہیں، خواہ ظلی بروزی نبی ہونے ہی کا دعویٰ کرتا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پاک کا ہر دور، اس حقیقت کی گواہی دیتا ہے کہ آپ نے کسی لمحے بھی دولت دنیا کو نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ سونا، چاندی مال و متاع کے ڈھیر بھی لگ جاتے، تو شام ہونے سے پہلے پہلے تقسیم فرما دیتے۔

[15] اصول کافی، باب صفۃ العلم و فضلہ

آپ کا یہ گرامی قدر ارشاد ان حقائق اور آپ کے قلب انور میں موجود پاکیزہ بے مثال اور مستغنی و بے نیاز جذبات کا آئینہ دار ہے۔

ما احب ان لی مثل احد ذھبا انفقہ کلہ الا ثلثۃ دنانیر [16]

> احد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو سارا خرچ کر دوں گا، اور تین دیناروں کے سوا کچھ بھی رکھنا گوارا نہیں کروں گا۔

ایک دفعہ یوں ہوا کہ نماز عصر کیلئے صفیں آراستہ تھیں، آپ عجلت سے نکلے اور تھوڑی دیر بعد واپس تشریف لائے، حیرت و تعجب کے آثار صحابہ کرام کے چہروں سے ہویدا تھے آپ نے ان کا تعجب اور تردد زائل کرنے کیلئے فرمایا۔

کنت خلفت فی البیت تبرا من الصدقۃ فکرھت ان ابیتہ فقسمتہ [17]

> گھر میں صدقہ کا سونا پڑا ہوا تھا، گوارا نہ ہوا کہ رات گھر میں رہے اس لئے تقسیم کر کے آیا ہوں۔

یہ سادگی، بے تکلفی، دنیائے دوں سے نفرت و بے نیازی ہر دور میں اسی جذبہ و جلال کے ساتھ قائم رہی، عیش و عشرت کو خود پسند فرمایا نہ اپنے احباب و اقارب کی توجہ اس کی طرف مبذول ہونے دی یہاں تک کہ عزیز ترین بیٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو گھریلو کام کاج کیلئے ایک کنیز تک نہ دی، تاکہ محنت مشقت کی عادت میں کمی اور فرق نہ آ جائے۔

محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت پاک، سیرت عالیہ اور عظیم اخلاق کا یہ پہلو ہے جس کی عظمت کی درخشانی کے آگے اسلام کے بد اندیش اور بد خواہ کی آنکھیں بھی چندھیائی ہوئی ہیں اور وہ حیران ہیں کہ اس سیرت و کردار اور زہد و ریاضت کے کس پہلو کو تنقید و اعتراض کا نشانہ بنائیں، ہزار ٹکریں مارنے کے باوجود انہیں سر پھوڑنے کے سوا کچھ نہیں ملتا۔

نبوی زندگی کی حیرت افزا سادگی پر نظر ڈال کر انہیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اسی پہلو سے آپ کی صداقت آشکار ہوتی ہے۔ اگر صادق نہ ہوتے تو ضرور محلات، دولت کے انبار

[16] بخاری ۱۸۹۶، [17] بخاری ۱۱۸/۱۹۳

جاگیریں اور دنیا کی آسائش چھوڑ کر جاتے، بیٹی فاطمہؓ حسنینؓ نواسوں اور دیگر رشتہ داروں کو اتنا نوازتے کہ پشتیں سرشار اور امیر کبیر ہو جاتیں، مگر ایسا نہ کیا، کوئی دنیاوی اثاثہ اور روپے پیسے کی صورت میں کوئی ورثہ نہ چھوڑا، جو اس حقیقت کا غماز ہے کہ آپ صادق اور سچے نبی ہیں۔

اسلام سے انتقام کی سازش

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انبیاء کرام کی وراثت کے بارے میں یہ ارشاد، اہل دنیا کی میراث سے بالکل علیحدہ اور انوکھا طرز عمل، زندگی بھر عیش و آسائش سے پرہیز، اور زہد و ریاضت سے لگاؤ اس بات کی دلیل ہے کہ دنیا سے بے نیازی کی یہی شان منصب نبوت کے شایان، اور اس کی رفعتوں کے لائق ہے۔ اسی سے نبوت کی صداقت آشکار ہوتی ہے اور دنیا والے حرف گیری اور عیب چینی سے باز رہتے ہیں، اور نظریہ وجان کے دشمن بہت کچھ چاہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کر سکتے، کیونکہ ان کے پاس اعتراض اٹھانے کیلئے کوئی نکتہ ہی نہیں ہوتا جسے بنیاد بنا کر، یا جس کا کمزور سا سہارا لے کر، وہ اپنے مفروضات اور من گھڑت اعتراضات کی عمارت کھڑی کر سکیں، یہی وجہ ہے کہ اسلام کے بدخواہوں اور دشمنوں نے جب انتقام کی ٹھانی اور انہیں اعتراض کیلئے اسلام، ذات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضورؐ کے نائبین و خلفاء میں کوئی رخنہ دکھائی نہ دیا تو انہوں نے اعتراض و تنقید کی گنجائش پیدا کرنے کیلئے ذات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی کمین گاہ سے حملہ کیا کہ آپ جاگیردار تھے۔ مزروعہ اور قابل کاشت زمین خاصی بڑی مقدار میں آپ نے وراثت میں چھوڑی تھی، اس دعوے اور اعتراض سے ان کا مقصد یہ تھا کہ جب آپ کا بہت بڑا جاگیردار ہونا ثابت ہو جائے گا۔ تو وہ عظمتیں اور صداقتیں از خود دھندلا جائیں گی جو آپ کی شان فقر و زہد اور استغنا سے ثابت ہوتی ہیں مگر ستم یہ ہے کہ دشمن عیار نے اپنا یہ گھناؤنا اور مکروہ مقصد براہ راست اعتراض سے حاصل نہیں کیا بلکہ ایسی پیچ در پیچ اور پیچیدہ راہ اختیار کی جس سے

اسے اسلام، عظمت اسلام، بانیٔ اسلام اور اہل اسلام سب سے انتقام لینے کا موقعہ مل گیا، اور ایک تیر سے اس نے سب کو شکار کر ڈالا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے:۔ اسلام کا درخشاں آفتاب، فاران کی جلوہ بار چوٹی سے پوری قوت و توانائی کے ساتھ ابھرا تو ظلمت کے بادل چھٹ گئے، باطل سائے مٹ گئے، یہود و نصاریٰ اس سیلاب نور کی تاب نہ لا سکے، حسد و عداوت کی آگ میں جلنے لگ گئے۔ بئسما اشتروا بہٖ انفسھم ان یکفروا بما انزل اللہ بغیا ان ینزل اللہ من فضلہ علیٰ من یشاء من عبادہٖ فباءو بغضب علیٰ غضب وللکفرین عذاب مھین [البقرہ ۹۰]

> بد ترین صورت کے ساتھ انہوں نے اپنے نفسوں کا تبادلہ کر لیا کہ اللہ کی نازل کردہ کتاب کے ساتھ کفر کرنے لگ گئے، حسد صرف یہ ہے کہ اس نے اپنے حبیب پر فضل فرمایا ہے جس کی شان ہی یہ ہے کہ جس پر چاہتا ہے فضل فرماتا ہے اس جلن کے باعث وہ دوہرے عذاب کے مستحق ہو گئے اور ایسے کافروں کیلئے ذلت آمیز عذاب ہے۔

یہود کے ایک فتنہ پرداز سبائی ذہن نے اسلام، عظمت اسلام، بانیٔ اسلام اور اہل اسلام سے خوفناک، ہوشربا دور رس، نتیجہ خیز اور تباہی انگیز انتقام لینے کیلئے سازش، جوڑ توڑ اور منافقت کا راستہ اختیار کیا اس نے ایک ایسا گروہ تیار کرنے کا منصوبہ بنایا جو محبت اور اپنائیت کی آڑ میں اسلام کے حسین خاکے کو مضحکہ خیز بنا دے اور اعلانیہ ایسی باتوں کا پرچار کرے جو مد مقابل اور دشمن کے روپ میں کہی جائیں تو کوئی ان پر کان نہ دھرے اور دشمن سمجھ کر مرنے مارنے پر اتر آئے، مگر دعوائے محبت کے ساتھ کہی جائیں تو نہ صرف وہ مخالفانہ کارروائی سے باز رہے، بلکہ کہی گئی باتوں پر غور کرنے پر بھی مجبور ہو جائے، اس طرح مسلمانوں میں انتشار بے تعلقی اور افراتفری کا بیج بو دیا جائے۔

رائی کا پربت

باغ فدک کی صورت میں دشمن کو اپنے منصوبوں کی تکمیل اور کامیابی کی جھلک نظر آ گئی، اس نے تمام پہلوؤں پر غور کر کے دیکھ لیا کہ صرف اس ایک مسئلہ کو غلط رنگ دے کر اور رنگا رنگ کر پیش کرنے سے اسلام کی عظمتوں اور اس کی مقتدر شخصیتوں تک سے خوفناک انتقام لیا جا سکتا ہے۔

اسلامی تحریک انقلاب کو ناکام ثابت کیا جا سکتا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و صداقت اور شان رفیع پر حملہ کیا جا سکتا ہے۔ اسلام کے مخلص پاسبانوں غازیوں اور سرفروشوں کی للّٰہیت، قربانی اور خلوص پر پھبتی کسی جا سکتی ہے۔ خلافت بلافصل کے تخت زریں پر جلوہ فرما ہستیوں کے اقتدار و جلال کے خلاف ہرزہ سرائی اور بے سروپا الزامات کی بوچھاڑ کی جا سکتی ہے۔ یہاں تک کہ خاندان نبوت کے جو خاص افراد ہیں، انہیں بھی طنز و تمسخر اور مذاق کا نشانہ بنایا جا سکتا ہے۔

چنانچہ اس نے سوچی سمجھی اور گہری سکیم کے مطابق باغ فدک کو کچھ سے کچھ بنا دیا۔ حالانکہ باغ فدک کا معاملہ ایسا نہیں تھا کہ رائی کا پربت بنایا جا سکتا بات صرف اتنی تھی کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ایک دن کسی کو بھیجا کہ باغ فدک بصورت میراث آپ کو دے دیا جائے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کا ارشاد پاک ہے۔ "ہماری وراثت نہیں ہوتی جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ البتہ ہماری آل اس مال سے اپنا حصّہ لے کر ضرور کھا سکتی ہے خدا کی قسم! میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقات اور ان کے لئے قائم کردہ نظام میں کوئی تبدیلی نہیں کروں گا، اور اس مد میں وہی کروں گا جو میرے آقا کیا کرتے تھے۔

یہ جواب با صواب بڑا ہی معقول اور حقیقت پر مبنی تھا، حضرت سیدہ نے جب سنا تو غور کرنے کے بعد چپ ہو گئیں انہوں نے کوئی شور نہ مچایا کہ حق تلفی اور زیادتی ہو گئی ہے، یا ان سے جاگیر چھین لی گئی ہے کیونکہ آغوش نبوت کی تربیت یافتہ اور دنیا کی حقیقت سے آگاہ تھیں، ان اشیاء کو پرکاہ جتنی بھی حیثیت نہیں دیتی تھیں۔

بات یہیں پہ آ کے ختم ہو جاتی ہے، ردعمل کے طور پر سیدہ کی جانب سے کسی رنجش یا ناراضگی کا اظہار نہ ہوا، آپ کے غضب و جلال کے سمندر میں کوئی طوفان نہ اٹھا نہ ہی قہر و غصہ کی کوئی خوفناک بجلی کوندی، بلکہ حالات پہلے کی طرح پر سکون رہے، اور فدک کی آمدنی اہل بیت، حضور سیدہ، ازواج مطہرات و دیگر مستحقین کو بدستور ملتی رہی

[حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پیداوار حاصل کر کے سب کو ان کی ضرورت و کفایت کے مطابق عطا فرما دیتے تھے۔] کان ابوبکر یاخذ غلتھا فیدفع الیھم منھا مایکفیھم [18]

جناب مولا علی رضی اللہ عنہ اور جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے تعلقات میں بھی اس وجہ سے کوئی بدمزگی پیدا نہ ہوئی بلکہ اس تقسیم کے ناظم و مہتمم حضرت شیر خدا ہی رہے، یہ منصب آپ کو حضور علیہ السلام کی طرف سے تفویض ہوا تھا خود فرماتے ہیں۔

میں عباس، فاطمہ اور زید بن حارثہ، حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے میں نے عرض کی یا رسول اللہ! خمس تقسیم کرنے کی خدمت مجھے سونپ دیں تاکہ یہ مجھے ہی حاصل رہے، اور حضور کے وصال کے بعد بھی کوئی مجھ سے نہ چھینے آگے فرماتے ہیں چنانچہ یہ منصب ہر دور خلافت میں مجھے حاصل رہا، کسی نے نہ چھینا۔

فقسمتہ حیاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم ولانیہ ابوبکر۔ [19]

"یہ تقسیم خمس کے فرائض میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ میں بھی انجام دیئے پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مجھے اس کام پر مامور کیا۔"

ابن ابی لیلیٰ کی روایت میں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

ولانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خمس الخمس فوضعتہ مواضعہ حیاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحیاۃ ابی بکر وحیاۃ عمر [20]

---

[18] شرح نہج البلاغہ بحرانی۔ [19] ابو داؤد [20] الم ثلہ ایضاً

"حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خمس کے حصص کی تقسیم میرے سپرد فرمائی، میں نے حضور کی زندگی پاک میں یہ فرض انجام دیا، پھر صدیق اکبر کی زندگی میں، پھر عمر فاروق اعظم کی زندگی میں یہ کام کرتا رہا۔" حسن سلوک، میل ملاپ، اور محبت والفت کی یہ فضا قائم رہی، اس میں کوئی تلخی پیدا نہ ہوا۔ تعلقات کی نوعیت وہی رہی جو پہلے تھی کیونکہ آمدن کے حصص معمول کے مطابق سب کو مل جاتے تھے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر نہ ملتے تو بھی وہ اتنے سیر چشم، فیاض، قانع اور صابر تھے کہ حرف شکایت زبان پر نہ لاتے، اس لئے کہ متاع دنیا اہل بیت کرام کی پاک نظر میں بدبو دار مردار سے زیادہ حیثیت نہ رکھتی تھی۔ دنیاوی متاع کیلئے لڑنا یا اس کی خاطر ناراض ہونا ان کی خو نہ تھی، اور نہ یہ چیز ان کی شان ہی کے لائق تھی۔

مگر دشمن نے باغ فدک کی اس سادہ سی بات کے افسانے میں وہ رنگ بھرا کہ بات کا بتنگڑ اور ذرے کا پہاڑ بنا دیا، اور اپنی فکر فتنہ ساز اور سازشی ذہن کی شیطانی صلاحیتوں کے سہارے ایسے بھیانک فتنے کھڑے کئے جنکے گھناؤنے اثرات آج تک موجود ہیں، اور ملت مسلمہ کا دریدہ دامن ہزار کوششوں اور جتنوں کے باوجود رفو نہیں ہو سکا۔ قوم کا شیرازہ اس طرح بکھرا کہ شیرازہ بندی کا حسین خواب ہی پریشان ہو گیا۔

مسئلہ فدک کا بگاڑ

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دشمن نے اسے کونسا غلط رنگ دیا جس سے اتنے ہولناک نتائج پیدا ہوئے اور اس نے ملت ہی کو ایک مرکز سے جدا کر کے پارہ پارہ کر دیا۔

جواب یہ ہے کہ دشمن کسی کا سجن نہیں تھا، ملت اسلام کا ہر فرد اسے خار مغیلاں کی طرح چبھتا اور کھٹکتا تھا، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم حضرت فاطمہ اہل بیت کے دیگر افراد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہم سب اس کی نظر میں یکساں دشمنی اور انتقام کے قابل تھے، اس کی زندگی کی اولین تمنا یہ تھی کہ ان اہل اسلام کو ذلیل کرے، اور انہیں دوسروں کی نظر میں گرا ہوا دیکھ کر اپنے کلیجے میں ٹھنڈک ڈالے، مگر وہ علانیہ ٹکر لے کر اپنا مقصد حاصل نہیں کر سکتا تھا، چنانچہ اس نے اہل بیت کرام کی محبت کا مصنوعی لبادہ اوڑھا، اور اس حیثیت سے سامنے آیا کہ اسے اہل بیت نبوت سے بے انتہا عقیدت اور غائت درجہ کی محبت ہے۔

چنانچہ اسی محبت کی آڑ میں باغ فدک کے مسئلہ کو ہوا دی، حالانکہ یہ کوئی مسئلہ یا نزاعی معاملہ نہیں تھا، اس کے متعلق مشہور کیا کہ "یہ باغ نبی کریم کی ذاتی ملکیت تھا، اس لئے میراث کے طور پر حضرت فاطمہ کو ملنا چاہیئے تھا۔"

بظاہر دیکھنے میں یہ ایک ذرا سی بات تھی مگر اس کے پیچھے تخریبی کارروائی اور انتقام کا ایک طوفان چھپا تھا۔ مکار اور سازشی ذہن نے یہ شوگر کوٹڈ گولی تیار کی تھی، جسے سادہ مزاج لوگوں نے آسانی سے نگل لیا، اور کسی کو پتہ بھی نہ چلا کہ یہ نظریہ قبول کر کے وہ کتنے بڑے فریب کا شکار ہو گئے ہیں اور اسلام سے کتنے دور جا پڑے ہیں، دشمن نے انہیں ہمنوا بنا کر خدا، رسول، قرآن، ملت اور اسلام کی ہر قدر سے توڑ کر رکھ دیا ہے۔

باغ فدک کے بارے میں یہ معمولی سی بات گھڑ کر دشمن نے جو مقاصد حاصل کئے وہ یہ تھے

۱۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات اور انقلابی دین ہونے کی حیثیت سے ناکام ہو چکا ہے۔
۲۔ اسلام کے پیرو کار بے وفا، نفاق پسند، غاصب و ظالم اور ریاکار ہیں۔
۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے نبوت کی صداقت کو چیلنج کیا جا سکتا ہے، اور کہ بے انصافی کا صدور بھی آپ سے ممکن ہے۔ (نعوذ باللہ)۔
۴۔ اہل بیت کرام بڑے ہی لالچی، خود غرض، بے ضمیر اور بزدل ہیں۔ (نعوذ باللہ)۔

ان مجمل اشارات کی وضاحت کی جاتی ہے تاکہ پتہ چل سکے، اتنی چھوٹی سی بات سے دشمن نے اپنے مقاصد کس طرح حاصل کر لئے اور انتقام کا یہ انوکھا طریقہ وضع

کرکے اس نے مسلمان قوم کو کتنا بڑا نقصان پہنچایا؟

بعد کی تصریح یہ ثابت کردے گی کہ دشمن نے اہل بیت کی محبت کا جو ڈھونگ رچایا، وہ صرف مکروہ عزائم کیلئے نقاب تھا، دگرنہ اہل بیت سے بھی اسے اتنی ہی عداوت تھی جتنی باقی مسلمانوں سے! یہی وجہ ہے کہ اس نے اہل بیت کی عظمت پر بھی بڑے طریقے اور سلیقے سے بے دھڑک اور بڑے گھٹیا حملے کئے۔

صداقت و عصمتِ نبوّت پر حملہ

اسلام سے بغض و عداوت رکھنے والے متعصب عناصر، صیہونی دماغ اور سبائی ذہن نے جب نبوت کی صداقت و عصمت پر حملہ کرنے کی کوئی راہ نہ پائی اور ہزار کوشش کے باوجود ہر میدان میں ناکام رہا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت ہر معیار اور امتحان پر پوری اتری، تو اس نے سینے کی جلن مٹانے اور حسد کی آگ بجھانے کیلئے، باغ فدک کی حیثیت بگاڑ کر بڑے گہرے اور تہہ دار انداز میں صداقت نبوت کا چشمہ صافی گدلا کرنے کی کوشش جس کی صورت یہ بنائی کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرفداری میں یہ مشہور کیا کہ، باغِ فدک نبی کریم کی ملکیت تھا، اس لئے بطور میراث وہ حضرت فاطمہ کا حق تھا"

سادہ لوح ذہن اور سطح بین بھولے بھالے لوگ، اس حسین نعرہ سے متاثر ہوئے کہ کس قدر محب اہل بیت ہیں، جو حضرت فاطمہ کو بہت بڑی جاگیر دلوانا چاہتے ہیں۔

حالانکہ اس محبت آمیز نعرہ کی آڑ میں دشمن کا مقصد حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جاگیردار ثابت کرنا تھا کہ آپ نے مزروعہ اور قیمتی زمین کا خاصا بڑا رقبہ اپنے تصرف میں لیا ہوا تھا جو ایک نبی کی شان سے بعید ہے، چونکہ انہوں نے یہ ملکیت نہیں لیا تھا اس لئے دعوائے نبوت کی صداقت دھندلا جاتی ہے، کیونکہ سچا نبی اپنی اولاد یا بیٹے کیلئے دنیا میں ثروت و آسائش کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا تھا۔

اسلام کے غیور، باریک بین اور دوراندیش علمی حلقوں نے دشمن کی اس مکروہ سازش اور باریک چال کو بھانپ لیا چنانچہ اس بہتان طرازی کا بروقت جائزہ لیا اور اس افترا پردازی کے حقائق و دلائل کی روشنی میں بخئے ادھیڑ کر رکھدئے اور ثابت کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ملکیت میں نہیں لیا تھا، وہ ایک وقف زمین تھی جس سے مستحقین فیض یاب ہوتے تھے، اور آپ نے تصریح کردی تھی کہ آپ کے بعد ہر چیز صدقہ ہوگی جس سے قرابت داروں کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔

دشمن کو علمی و تحقیقی انداز میں منہ توڑ جواب ملا اور وہ اس راہ سے نبوت کی صداقت کو متاثر کرنے میں ناکام رہا اور اسے پتہ چل گیا کہ وہ باغ فدک کو حضور کی میراث نہیں ثابت کرسکا ہے، تو اس نے اسی راہ سے عصمت نبوت پر دوسرا حملہ کیا اور کہا۔

"حضور علیہ السلام نے یہ باغ حضرت فاطمہ کو ہبہ کردیا تھا، اس لئے آپ کو ملنا چاہئے تھا۔ اس میں بھی حضرت سیدہ فاطمہ کیلئے کوئی جذبہ ہمدردی و محبت کارفرما نہ تھا، بلکہ درپردہ دشمن کا مقصد یہ تھا کہ حضور کو بے انصاف ثابت کرے (نعوذ باللہ) اس طرح کہ دیگر ورثاء کو محروم کرکے یہ سارا رقبہ اپنی چہیتی بیٹی کو دے دیا، اسی راہ سے حضرت سیدہ پر بھی یہ طعن کرنا مقصود تھا کہ خود غرض اور لالچی تھیں نعوذ باللہ کہ ہبہ قبول کرلیا، اور اس کے حصول کیلئے دوڑ دھوپ کرتی رہیں

غرض باغ فدک کی صورت مسخ کرکے پیش کرنے کا مقصد اہل بیت کی طرفداری و عقیدت کی آڑ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں یہ غلط "تاثر" قائم کرنا تھا کہ آپ نے دنیا میں دولت جمع کی اور سیکڑوں مربع میل اراضی پر اپنا قبضہ جمایا۔ اس راہ سے انہوں نے حضور علیہ السلام کی شان حقانیت و صداقت کو مجروح اور اس پر تنقید کیلئے گنجائش پیدا کرنے کا سامان کیا اور جب اس کوشش میں ناکام ہوئے تو ہبہ کا باطل اور من گھڑت نظریہ پیش کرکے نبوت کے دامن عصمت

کو داغدار کرنے کی جسارت و کوشش کی۔

ملکیت اور ہبہ کا نظریہ سامنے رکھ کر بآسانی سوچا جا سکتا ہے کہ اس سے صداقت و عصمت نبوّت پر حرف آتا ہے یا نہیں؟ اگر ایک غیر مسلم کے سامنے یہ بات رکھدی جائے کہ نبی کریم نے فدک اپنے ذاتی تصرف میں لے لیا یا اپنی بیٹی کو ہبہ کر دیا تھا تو اسکے دل میں کس قسم کے تاثرات پیدا ہونگے، اسی کی روشنی میں سمجھا جا سکتا ہے کہ دشمن کے سوا کوئی سجن بھی ایسی باتیں گھڑ سکتا ہے اس سوچ بچار سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ ایک سچے نبی کی حیثیت سے آپ نے فدک کی دولت کو در خور اعتنا نہ سمجھا، نہ صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کیا، اس لئے نہ آپکی صداقت پر حرف آتا ہے نہ عصمت پر۔

تحریکِ اسلامی پر ناکامی کا الزام

باغ فدک کی ملکیت و ہبہ کے اختراعی مسئلہ کی راہ سے دشمن اسلام سازشی ذہن نے تحریک اسلامی کے سر ناکامی کا الزام تھوپنے کا مقصد حاصل کرنے کی بھی کوشش کی سرزمین عرب میں ذہنی، نظریاتی، سماجی اور روحانی انقلاب آیا تو باطل نظریات و مذاہب کی چولیں ہل گئیں، اوہام و اباطیل کے پاؤں ڈگمگا گئے اور پختہ ایمانی اعتقادات نے دلوں کو نور بصیرت و دولت یقین سے بھر دیا جس کا یہ اثر ہوا کہ لوگ گروہوں کی صورت میں اس ربانی دین کے حلقہ ارادت میں داخل ہونا شروع ہو گئے۔ اذا جاء نصر اللہ والفتح ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا [۲۱]

> جب اللہ کی طرف سے نصرت و ظفر آگئی، اور تو نے دیکھ لیا کہ لوگ اللہ کے دین میں گروہ در گروہ داخل ہو رہے ہیں۔

اس دین کی فطری تعلیمات اور روحانی برکات و اثرات نے لوگوں کے ظاہر و باطن میں انقلاب پیدا کر دیا چنانچہ جفا پیشہ، تند خو اور اکھڑ مزاج لوگ اللہ تعالیٰ

کے فضل و کرم سے دادگر، مہربان، ہمدرد اور متحمل بن گئے حسد، عداوت نفرت و عدوان کی جگہ، ایثار و قربانی، محبت و شفقت اور خلوص و وفا نے لے لی اور وہ ہدایت کے درخشاں ستارے، قوموں کے مقتدا اور جہانوں کے معلم و مربی بن گئے۔

اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا [۲۲]

> تم ایک دوسرے کے بدخواہ تھے، خدا پاک نے تمہارے دلوں میں الفت بھر دی، اور تم اسکی نعمت سے رشتۂ اخوت میں منسلک ہو گئے

ان خوش بخت مبارک طلعت اور قدسی نہاد لوگوں نے جب دین کے اسرار و رموز اور حقائق و معارف کو سمجھ لیا، اس انقلاب کی غرض و غایت اور اسلام کے مزاج سے واقف ہو گئے تو انہیں بشارت دے دی گئی۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا [۲۳]

> آج تمہارے لئے دین مکمل کر دیا ہے، اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے دین اسلام پسند کر لیا ہے۔

ان آیات نے اس حقیقت پر مہر تصدیق ثبت کر دی کہ یہ اسلامی انقلاب کامیاب رہا، لوگ بدل و رغبت اس میں داخل ہو گئے، زمانہ جاہلیت کے تمام اثرات مٹ گئے دلوں کی کدورتیں، خاندانی عصبیتیں اور نفسانی رنجشیں ختم ہو گئیں اور دلوں میں اخوت و محبت کے ایسے گہرے جذبات پیدا ہو گئے جنھوں نے انکو یکجان دو قالب بنا دیا۔ فرشتہ خصلت، ایثار پسند، خوش اطوار، باکردار اور عظیم و باکمال لوگ پیدا ہو گئے جن کے دین و تقوی، امانت و خلوص، وفاداری و نیک نفسی کی دھوم مچ گئی۔ لیکن اسلام کے دشمنوں کو یہ شوکت و کامیابی، ارتقاء و بالا دستی تبلیغ و اشاعت اور صولت و توانائی بالکل پسند نہ آئی، یہ اصول دنیا ہے کہ دشمن کو خوبیاں کبھی نظر نہیں آتیں اور نہ اچھی لگتی ہیں، وہ آفتاب کی درخشانی دیکھتے ہوئے بھی اس کی جلالت و تابانی کے انکار کے درپے رہتا ہے۔

[۲۱] النصر، ۱۱۰ - [۲۲] آل عمران، ۳: ۱۰۳ [۲۳] المائدہ ۵: ۳

اسلام کے ازلی دشمنوں نے بھی یہ چاہا کہ اسلام کے عروج و اقتدار کو دیکھتے ہوئے بھی اس کا انکار کریں مگر اس کیلئے کوئی معقول بہانہ نہ ملا اور نہ کوئی راستہ نظر آیا۔

باغ فدک کے من گھڑت قصے نے ان کی یہ مشکل بھی حل کر دی۔ وہ اس طرح کہ مشہور کر دیا "حضرت فاطمہؑ نے صدیق اکبر سے اپنا حق مانگا، مگر انہوں نے نہیں دیا۔"

ان کی اتنی سی بات نے پوری تحریک اسلامی کا مضحکہ اڑا کر رکھ دیا۔ وہ اس طرح کہ جو شخص اتنی سی بات مان لے اسے یہ بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ حق نہ دینے والے غاصب و ظالم تھے، انکے دل میں اپنے نبی کی صاحبزادی تک کیلئے کوئی ہمدردی و محبت نہیں تھی، چنانچہ ظلم و جفا پر اتر آئے، اور دین ہی کو ہاتھ سے دے دیا۔

چنانچہ دشمن نے یہ بات کہہ کر اس سے یہی نتیجہ اخذ کیا۔ اور ان پہ کفر و ارتداد کا فتویٰ جڑ دیا۔ جب یہ موقف اختیار کر لیا جائے تو یہ بات خود بخود پیدا ہو جاتی ہے کہ اسلامی انقلاب قطعی ناکام رہا، لوگوں کی کوئی اصلاح نہ ہوئی اور انہوں نے اس دین سے قطعی عمدہ اثرات قبول نہ کئے بلکہ حضور کے وصال کے ساتھ ہی پہلی روش پر آ گئے اور ظلم و جور پر کمر باندھ لی۔

اور جب اس برآمد شدہ نتیجہ کو مان لیا جائے، تو قرآنی ارشادات کا انکار ہو جاتا ہے، اور ان پر ایمان نہیں رہتا، دشمن یہی ایمان چھیننا چاہتا ہے، اور اسی مقصد کی خاطر اس نے فدک کا یہ حلیہ بگاڑا ہے اور یہ افسانہ تراشا ہے کہ حضرت فاطمہ کو فدک نہ ملا تھا جو ظلم ہے۔

اب ارباب فکر و نظر کی اپنی صواب دید پر ہے کہ دشمن اسلام نظریہ قبول کر کے اسلامی تحریک کی ناکامی کا اقرار کریں جو خالص دشمن کا منشا ہے یا قرآنی آیات پر ایمان لا کر یہ کہیں کہ فدک کے بارے میں یہ وضع کیا ہوا خیال

باطل ہے۔ انہوں نے کوئی فدک غصب کیا، کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے جائداد کی حیثیت سے چھوڑا ہی نہ تھا، بلکہ وہ صدقہ تھا، اس لئے جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو پتہ چل گیا کہ نبی کی میراث نہیں ہوتی تو پھر انہوں نے اس کا نام تک نہ لیا۔

یہ سیدھا سادہ حقیقت پر مبنی نظریہ قبول کرنے سے قرآن پاک پر بھی ایمان قائم رہتا ہے۔ اور تحریک اسلامی کے بارے میں شکوک و شبہات بھی پیدا نہیں ہوتے اور ان ہستیوں کا احترام بھی دل میں موجود رہتا ہے جنھوں نے اس تحریک کی کامیابی میں دل و جاں سے حصہ لیا۔ جن کا احترام دشمن دلوں سے نکالنا چاہتا ہے صرف اس لئے کہ انہوں نے کفر کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو کر اس تحریک کو کامیاب بنانے میں جان و جگر کی بازی لگا دی

اہلِ بیت کی توہین

باغ فدک کی حیثیت بگاڑنے سے دشمن ایمان و دین غلیظ منصوبے کا مقصد اہل بیت کرام کی عزت و حشمت کو پامال کرنا بھی ہے، کیونکہ وہ اسلام کی ہر قدیر اور محترم شخصیت کا یکساں بیری اور بدخواہ ہے، صرف اپنے مقاصد و عزائم کی تکمیل کیلئے گہری منصوبہ بندی اور حکمت عملی کے تحت بعض اسلامی شخصیتوں سے محبت اور بعض سے عداوت و نفرت کا لبادہ اوڑھا ہے، اور یہ ایک گہری نفسیاتی چال ہے جسے آپ کی سیاست کی روشنی میں بخوبی سمجھا جا سکتا ہے تفصیل یوں ہے۔

"نیشنلزم"، وہ انداز جہاں بانی ہے، جس میں عوام کے جذبۂ قوم پرستی اور ان کے جوش تعصب کو کسی دوسری قوم کے خلاف ابھار کر کسی خاص مقصد کیلئے تیار کیا جاتا ہے، اور جوش جنوں میں ان سے وہ کام کرائے جاتے ہیں، جنہیں وہ معتدل اور مصالحانہ حالات میں کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتے۔ مگر کسی سے انتقام و نفرت کے جوش میں وہ اتنے بے خود اور پر غضب ہو جاتے ہیں کہ انکی قوت

فیصلہ اور قوت ارادی بے وزن تنکے کی طرح بہہ جاتی ہے اور انہیں کچھ ہوش نہیں رہتا کہ کیا کر رہے اور کیا کہہ رہے ہیں۔ دشمن نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، صحابہ کرام، خلفاء راشدین اہل بیت رضی اللہ عنہم اجمعین سب کے خلاف سازش انہی خطوط پر تیار کی، بدنام مطعون اور رسوا سب کو کرنا تھا، اسے کسی کے ساتھ لگاؤ اور پیار نہیں تھا، مگر نہایت مکاری، ہوشیاری اور حکمت عملی سے اہل بیت کی محبت کا لبادہ اوڑھ لیا، تاکہ ان کی محبت کا پرچار کر کے اس موثر ذریعہ سے خلفاء راشدین اور صحابہ کرام کے خلاف نفرت و حقارت کے جذبات کو ابھارا جا سکے اور انہوں نے جان لڑا کر اسلام کی اشاعت و تبلیغ اور دنیا کے کونے کونے میں اسکی آواز پہنچانے کا جو "ناقابل معافی جرم" کیا ہے اس کا انتقام لیا جا سکے۔

چنانچہ انہوں نے اس کمین گاہ سے اللہ کے ان جانباز اور مخلص شیروں کی عزت و عظمت کا جس ڈھٹائی اور بے خوفی سے شکار کیا ہے، وہ اہل دل سے مخفی نہیں، اگر باشعور انسان غور کرے تو اسے اسی نتیجہ پر پہنچنے میں دیر نہیں لگتی کہ واقعی یہ دشمن اسلام دماغ کی سازش ہے، اور اس نے اسی راہ سے اپنے مٹانے والوں سے خوفناک انتقام لیا ہے۔

چونکہ دشمن کی نظر میں اہل بیت کرام کے معزز و محترم افراد بھی اسی سلسلہ میں کچھ کم مجرم نہ تھے، ان کی محبت کا جھوٹا لباس تو اس نے صرف سیاسی مصلحت کے تحت زیب تن کیا تھا اس لئے اس کی سازش کی کمان سے طعن و تذلیل اور اعتراض و تحقیر کے جو تیر نکلے، ان سے اہل بیت بھی محفوظ نہیں ہیں اگر اس کے دل میں حضرات اہل بیت کرام کی سچی محبت و عقیدت ہوتی، اور اسی وجہ سے اس نے دوسروں کو ہدف طعن بنایا ہوتا تو کم از کم ان کا تو لحاظ کرتا مگر معاملہ اس کے برعکس ہے جو اس حقیقت کی کھلی دلیل ہے کہ دشمن کا مقصود ساری اسلامی برادری کو ذلیل و رسوا کرنا ہے

اس میں صحابہ کرام یا اہل بیت کرام کی کوئی تخصیص نہیں، چنانچہ یہاں دلیل کے طور پر کچھ باتیں پیش کی جاتی ہیں، جن سے اندازہ ہو جائے گا کہ جن کے دل میں اہل بیت کی محبت و نیازمندی ہو وہ اس انداز کی باتیں نہیں کہہ سکتے، وہی ایسی بے سروپا، حقیقت سے عاری اور احمقانہ باتیں کر سکتے ہیں، جنھوں نے کسی کا مذاق اڑانا ہو اور اس کو نظروں سے گرانا ہو۔

یہ وضاحت پہلے ہی کر دیں، کہ ان لغویات پر اہل سنت و جماعت کا بالکل ایمان نہیں ہے، انکے نزدیک اہل بیت کرام کی عزت کو بدنام اور پامال کرنے کے یہ اوچھے ہتھکنڈے اور من گھڑت افسانے ہیں اللہ کریم کے محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والے مکرم و محترم اور عظمتوں والے اہل بیت کرام ان چھچھوری حرکتوں، دنی و ذلیل باتوں اور گھٹیا عادتوں سے قطعی پاک ہیں، ان کی شان کمال اس سے بلند ہے کہ ان کی ذات سے ایسی حرکات کا صدور ہو۔

اس ضروری وضاحت کے بعد "مشتے نمونہ از خروارے" صرف ایک ہی واقعہ نقل کیا جاتا ہے جسے پڑھ کر رگوں میں غیرت کے باعث خون کی بجائے بجلیاں دوڑنے لگ جاتی ہیں، دماغ کی ایک ایک نس جھنجھنا اٹھتی ہے اور جگر صدمے کی شدت سے چھلنی ہو جاتا ہے۔

کلیجہ تھام لیں اور پڑھیں پھر یہ بتائیں یہ سب دشمن کی ریشہ دوانیاں اور مہربانیاں ہیں یا نہیں؟ یا اب بھی یہ حقیقتیں ہی ہیں!

حضرت عمر نے دو آدمی بھیجے "تاکہ سیدہ فاطمہ کا حجرہ منہدم کر دیں، اندر شیر خدا بیٹھے تھے، ان کی ہیبت سے وہ یہ کام نہ کر سکے عمر خود آئے، اور شیر خدا کو آواز دی کہ باہر آؤ حضرت فاطمہ سر پر پٹی باندھے خود باہر آئیں، جسم نحیف و لاغر ہو چکا تھا، عمر کو ان کی بے چارگی پر رحم نہ آیا۔ کہا "دروازہ کھولو! ورنہ گھر جلا دوں گا" دروازہ نہ کھولا گیا۔ عمر نے حجرے کو آگ لگا دی، تب شیر خدا علی باہر نکلے، عمر نے حضرت فاطمہ کے شکم مبارک پر تلوار کا نیام اور ہاتھ پر کوڑا مارا، علی پر ساری

کارروائی دیکھتے رہے۔ کچھ کہا تو صرف اتنا کہ،

"مجھے نبی پاک نے وصیت فرمائی ہوئی ہے، ورنہ دیکھتا تم کس طرح میرا گھر جلاتے ہو"

یہ سن کر خالد نے تلوار لے کر حملہ کر دیا، مگر آن کی آن میں شیرِ خدا بپھر گئے اور خالد کو زمین پر پٹخ دیا۔ اور قتل کرنے کا ارادہ کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ سب واسطہ دینے لگ گئے کہ نبی کی طفیل اسے چھوڑ دو علی نے چھوڑ دیا۔

پھر انہوں نے علی کے گلے میں رسی ڈال دی اور زمین پر گھسیٹنا شروع کر دیا۔ فاطمہ یہ منظر نہ دیکھ سکیں اور باہر نکل آئیں، عمر نے انکے پیٹ پر تلوار ماری، چابک بھی رسید کئے، پیٹ پھٹ گیا، بچہ ضائع ہو گیا۔ اور آپ فوت ہو گئیں۔

عمر نے علی سے کہا بیعت کرو، ورنہ قتل کر دونگا۔

علی نے کہا تم مجھے قتل کرو گے؟ اگر نبی کی وصیت کا پاس نہ ہوتا تو ابھی پتہ چل جاتا کمزور کون ہے؟

یہ زبانی دھمکی اور خفگی کا سلسلہ جاری رہا، عمر تلوار لے کر آگے بڑھے تو علی نے گریبان سے پکڑ کر جھٹکا دیا تلوار گر گئی۔ انہوں نے کہا بیعت کرو! پھر زبردستی آپ سے بیعت لے لی۔ علی فریاد کرنے لگے۔

یا ابن ام القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی [24]

اے ماں کے بیٹے! قوم نے مجھے ضعیف سمجھا ہے، اور قتل کے درپے ہے۔ [24] وغیرہ وغیرہ۔

جلاء العیون میں یہ واقعہ اسی ترتیب سے چار پانچ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ واقعات کی کڑیاں یہی ہیں جنہیں ایسے مکروہ انداز سے جوڑا اور بیان کیا گیا ہے۔ کہ صرف حضرت صدیق اکبرؓ، عمر فاروق اعظم اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہم اجمعین ہی کی شخصیت مسخ نہیں ہوتی۔ بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدہ طاہرہ زکیہ

[24] جلاء العیون، ۱۶۲

فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا کی مبارک مقدس شخصیت کے بارے میں بھی غیر شعوری طور پر عجیب سے تاثرات ذہن میں ابھر آتے ہیں۔

حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کا دو مرتبہ پردہ سے باہر نکل آنا اور اس انداز سے باتیں کرنا بالکل غیر فطری اور ان کی شان سے بعید ہے۔

اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات پر بزدلی اور بے غیرتی کا جو دھبہ لگتا ہے، اور آپ کی شجاعت کے بارے میں جو تاثر ذہن میں پیدا ہوتا ہے وہ بالکل روایتی میاں خوجی کا سا ہے۔ حضرت سیدہ کا گھر جلا دیا جاتا ہے پھر شکم چیر کر شہید کر دیا جاتا ہے، مگر آپ یہی کہتے رہتے ہیں،" اگر وصیت نہ ہوتی" تو دیکھتا تم یہ سب کیسے کرتے ہو؟ جیسے کہتے ہیں ہوں نہ ہوئی میری قرولی، ورنہ اتنی قرولیاں بھونکتا کہ چھٹی کا دودھ یاد آ جاتا

پھر عجیب بات یہ ہے کہ دھمکیاں بھی دیئے جاتے ہیں اور اسی وقت اتنے بہادر بھی بن جاتے ہیں کہ خالد کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں، دوسرے واسطہ دیتے ہیں تب چھوڑتے ہیں، عمر کا گریبان پکڑ کر جھٹکا دیتے ہیں۔ ایک طرف شجاعت و بسالت کا یہ عالم ہے لیکن اسی لمحہ اتنے مجبور و بے بس ہو جاتے ہیں کہ بیعت کرنے سے ہاتھ نہیں چھڑا سکتے اور مارے دھاڑ بھول کر فریاد پہ اتر آتے ہیں۔

یہ وہ تضادات ہیں جن کی تسلی بخش توجیہہ سے عقل قاصر ہے۔ اسکے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ صحابہ کرام کا دشمن اہل بیت کا بھی دشمن ہے، اور ان کی طرف بھی بے غیرتی، بزدلی اور بے حیائی کی باتیں منسوب کر کے بدنام کرتا اور دلوں سے ان کا احترام گھٹانا چاہتا ہے۔

یہ ساری افسانہ طرازی اسی خلط ہے۔ ورنہ حضرت امیر المومنین امام المتقین جناب عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے گھر گرایا، جلایا، نہ تلوار ماری، نہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کسی ایسی ناشدنی حرکت کے مرتکب ہوئے، اور نہ ہی

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس پیکرِ جرأت و عزیمت سے زبردستی بیعت لی۔ یہ سب یار لوگوں کے گھڑنتو افسانے ہیں جن کا نہ سر ہے نہ پیر۔ یہ حضرات باہم وہی کچھ تھے جو قرآنِ پاک نے ان کے بارے میں بیان فرمایا۔

رحماء بینھم آپس میں بڑے ہی رحمدل ہیں۔

الف بین قلوبھم خدا نے انکے دلوں میں محبت پیدا فرما دی ہے۔

اصبحتم بنعمتہٖ اخوانا یعنی اپنے ربّ کی رحمت سے بھائی بھائی بن چکے ہیں

اِن ربانی اعلانات کے ہوتے ہوئے بھی محبت و اثیار، خلوص اور پیار کے ان پیکروں کو ایک دوسرے کے خون کا پیاسا اور دشمن سمجھنے رہنا سمجھ اور قسمت کا پھیر ہے۔ اب چاہے کوئی ان افسانوں پر ایمان لائے یا قرآنِ پاک پر۔

عنکبوتی دلائل کے جوابات

کہتے ہیں ابلیس سے کسی نے کہا کائنات ھستی میں تم بڑے منحوس فسادی، شوریدہ پشت، عیار و فتنہ طراز اور انتہائی ذلیل و قابل نفرت وجود رکھنے والی مخلوق ہو تم سے بڑے شر پرور نافرجام وجود کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، فتنہ آرائی تمہاری گھٹی میں پڑی ہے اور فساد و فجور کی گھناؤنی فضا قائم کرنا تمہارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

کہتے ہیں، ابلیس نے اپنی صفائی میں کہا۔

میں تو کچھ بھی نہیں کرتا، لوگ خود ہی کٹتے مرتے اور ہنگامے کھڑے کرتے ہیں، فتنہ و فساد کا بیج بوتے اور اس کے "تلخ نتائج بھگتتے رہیں"، میں تو صرف انگلی لگاتا ہوں۔

چنانچہ ابلیس ایک حلوائی کی دکان پر لے گیا، اپنی انگلی شیرے میں ڈبو کر دیوار پر مل دی۔ اس پر مکھیاں بھنبھنانے لگیں، چھپکلی ان کی طرف بڑھی تو قصاب کی بلی اس پر جھپٹ پڑی، ایک خریدار کا کتا وہاں کھڑا تھا، اس نے دکاندار کی بلی پر حملہ کر دیا، اور چیر پھاڑ ڈالا، دکاندار کو غصہ آیا تو اس نے کتے کو چھری مار دی خریدار نے اپنے کتے کا یہ حشر دیکھا تو طیش میں آکر قصاب کے پیٹ میں چھرا گھونپ دیا، قصاب کے احباب و اقارب کو پتہ چلا تو وہ بپھرے ہوئے آئے اور خریدار کی تکا بوٹی اڑا دی، پھر اس کے خاندان کو پتہ چلا تو وہ بھی مسلح ہو کر آگیا اور دونوں خاندان ایک دوسرے کے مقابلے میں صف آرا ہو گئے

ابلیس نے بھولپن سے کہا۔

اب بتاؤ، میں نے انہیں کہا تھا، کہ ایک دوسرے کا اس بے دردی سے کشت و خون کرو، اور زمین میں خونریزی کر کے فساد پھیلاؤ، یہ سارا

ہنگامہ اور فتنہ انہوں نے خود برپا کیا ہے، میں نے تو فقط انگلی لگائی تھی یہودی ابلیس نے بھی باغ فدک کے شجرے میں انگلی ڈبو کر ذہنوں کی دیوار پر لگا دی اور باقی سارا کھیل خود شروع ہو گیا جو وہ دکھانا اور دیکھنا چاہتا تھا انسان جبلی اور طبعی طور پر کچھ ایسا واقع ہوا ہے۔ کہ جب کسی نظریہ و خیال کے زیر اثر آجائے تو اسی نہج پر سوچنا شروع کر دیتا ہے اور قوت فکر کے تمام پرزے اسی کے حق میں کام کرنے لگ جاتے ہیں، اگرچہ اسکی سوچ کے دھارے غلط سمت بہہ رہے ہوں مگر وہ انہیں بڑی اہمیت دیتا اور درست سمجھتا ہے۔

حضرات شیعہ کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا، یہودی ابلیس تو اپنا کام ختم کر کے اور انہیں ایک راہ دکھا کر الگ ہو گیا ہے مگر انکے ذہن و فکر نے باغ فدک کی مسخ کردہ صورت کے بارے میں مواد تیار کرنا اور سوچنا شروع کر دیا۔ اور اپنی ترنگ میں ایسے دلائل وضع کر ڈالے جو تحقیق و درایت کے سامنے بازیچہ اطفال سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے، اور انہیں دیکھ کر ہنسی آجاتی ہے۔ مگر یہ حضرات انہیں بڑی سنجیدگی اور شد و مد سے پیش کرتے اور اچھالتے ہیں۔

آخر میں ان بودے، تار عنکبوت سے زیادہ کمزور و بے حقیقت اور علم و دیانت سے تہی اعتراضات کا جائزہ لے کر یہ بحث ختم کی جاتی ہے۔

آیت قرابت کا جواب

حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کی طرف یہ بات منسوب کر کے شیعہ حضرات لکھتے ہیں جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ

"اور دو قرابت دار کو اس کا حق"، تو حضور کو پتہ نہ چلا "قرابت دار سے کون مراد ہے؟ جبریل کی طرف رجوع کیا تو انہوں نے رب تعالیٰ سے پوچھ کر بتایا "اس سے فاطمہ مراد ہے"، حضور نے فاطمہ کو بلا کر کہا،

خدا نے حکم دیا ہے کہ فدک تجھے دے دوں فاطمہ نے کہا میں نے خدا سے اور آپ سے قبول کیا۔

روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ فلم یدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من هم؟ فراجع فی ذالک جبریل وراجع جبریل ربه فاوحی الیه ان ادفع فدک الی فاطمة، فدعا فاطمة فقال لها ان اللہ امرنی ان ادفع الیک فقالت قد قبلت یا رسول اللہ من اللہ ومنک [۲۵]

تحقیق و درایت کے اصول کہتے ہیں حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب یہ بات قطعی فرضی اور اختراعی ہے، کیونکہ اہل بیت نبوت کے ذمہ دار افراد کوئی ایسی بات نہیں کہہ سکتے، جو قرآن کے خلاف اور عقل و بصیرت کے منافی ہو یہ روایت پڑھ کر اول وہلہ ہی میں یہ خیال ذہن میں آجاتا ہے کہ نبی پہ جو وحی نازل ہوئی اس کے سمجھ میں نہ آنے کے کیا معنی؟ کیا یہ معقول بات ہے کہ جبریل ایک آیت دے کر چلے جائیں اور نبی کو اس کا مفہوم و مدعا اور منشا جاننے کیلئے دوبارہ اسکی طرف رجوع کرنے کی ضرورت محسوس ہو؟

سب سے طرفہ بات یہ ہے کہ سورہ بنی اسرائیل مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی جس کی یہ آیت ہے۔ ان اللہ عزوجل انزل علیه فی سورة بنی اسرائیل بمکة وقضی ربک الا تعبدوا الا ایاه وبالوالدین احسانا الی قوله تعالیٰ انه کان بعباده خبیرا بصیرا [۲۶]

اس وقت فدک، خیبر کی فتوحات اور مال غنیمت و فے کا نشان و تصور نہ تھا، ایسی حالت میں یہ دعویٰ کرنا کس قدر مضحکہ خیز اور حیرت انگیز ہے کہ اس وقت رب تعالیٰ نے نبی کریم کو حکم دیا کہ فدک فاطمہ کو دے دیں۔ یہی ایک تاریخی حقیقت اس بات کے وضعی ہونے کا ثبوت فراہم کرنے کیلئے کافی ہے۔

اس دعوے کا بودا اور بے حقیقت ہونا، آیت کریمہ کے سیاق و سباق

[۲۵] اصول کافی، باب الفیئ والانفال - [۲۶] اصول کافی، ۲:۲ باب ان الاسلام قبل الایمان

سے بھی واضح ہے۔ پوری آیت یوں ہے۔ وآت ذا القربی حقہ والمسکین وابن السبیل ولا تبذر تبذیرا [27]

اور قرابت دار کو اس کا حق دو، اور مسکین اور مسافر کو بھی، اور فضول خرچی مت کرو۔ آیت کریمہ کا لہجہ، طرز بیان، انداز خطاب بتا رہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب نہیں، بلکہ امت کو خطاب ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معصوم ذات سے فضول خرچی کا تصور ہی محال ہے۔

نیز اس میں، قرابت دار کے ساتھ مسافر اور مسکین کو بھی اس کا حق دینے کا حکم ہے۔ اگر قرابت دار سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حق سے باغ فدک مراد لیا جائے، تو پھر لازم آتا ہے باغ فدک میں مسکین و مسافر کو بھی شامل کرنے کا حکم ہے حالانکہ حضرات شیعہ یہ حق صرف حضرت فاطمہ کیلئے ثابت کرنے کے قائل ہیں۔

ایک ہی مفہوم کی آیت سے ایک کیلئے فدک کا ثبوت اور دوسروں سے نفی کوئی معنی نہیں رکھتی، ثابت ہوا باغ فدک کے ساتھ اس آیت کا سرے سے تعلق ہی نہیں ہے، اور یاران تیز گام نے خواہ مخواہ محمل کو جا لینے کی تگ و دو شروع کر رکھی ہے

آیت وراثت کا جواب

جب حضرات شیعہ کو یہ نورانی حقیقت سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اللہ کا نبی قرب و حضوری کی ان بلندیوں پر فائز ہوتا ہے جہاں اس کیلئے دنیاوی دولت پر کاہ جتنی بھی حیثیت نہیں رکھتی۔ سیم و زر کے ٹکڑوں کو وہ سنگریزوں سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ اسکی اصل توجہ علم و معرفت، تزکیہ و تربیت اور تعمیر کردار و تشکیل سیرت کی طرف ہوتی ہے۔ وہ روحانیت کا سبق دیتا، اور ملکوتی حقائق و اسرار سے آگاہ کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلے ہی بتا دیا۔

لا یقتسم ورثتی دینارا ولا درھما

[27] سورہ بنی اسرائیل ۱۷: ۲۶

اور فرمایا۔

ان العلماء ورثۃ الانبیاء لا نورث ما ترکنا فھو صدقۃ

تو یہ حضرات صرف باغ فدک کو حضور کی میراث ثابت کرنے کیلئے ان ارشادات کا انکار کر دیتے ہیں، جن سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان استغنا اور عظمت کا اندازہ اظہار ہوتا ہے۔ اور وہ چیز ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو قابل فخر ہے نہ مقام نبوت کے شایان شان ہے اور خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اسے بے حقیقت قرار دیا ہے۔ لو کانت الدنیا تعدل عند اللہ من الخیر جناح بعوضۃ ما اسقی فیھا کافر شربۃ ماء [28]

"اگر دنیا، اللہ کے نزدیک مچھر کے پر جتنی بھی اہمیت رکھتی، تو کسی کافر کو پانی کا ایک گھونٹ تک نہ پلایا جاتا" فرعون، شداد، نمرود اور قارون کے پاس اسی دولت دنیا کے انبار اور ذخائر تھے۔

ان قارون کان من قوم موسی فبغی علیھم وآتیناہ من الکنوز ما ان مفاتحہ لتنوء بالعصبۃ اولی القوۃ [29]

قارون، قوم موسیٰ کا ایک فرد تھا، اس نے سرکشی اختیار کر لی، ہم نے اسے اتنے خزائن و ذخائر عطا فرمائے تھے کہ صرف انکی چابیاں اونٹوں کی طاقت ور جماعت پر لادی جاتی تھیں۔

شیعہ حضرات، میراث علم و معرفت ثابت کرنے کی بجائے، نبی کریم کیلئے یہ نمرودی و قارونی میراث ثابت کرنے کیلئے ایک آیت کریمہ کو یہ غلط مفہوم پہناتے ہیں کہ حضرت سلیمان، حضرت داؤد کی دولت کے وارث ہوئے۔ اگر پیغمبر کی میراث ممنوع ہوتی تو وہ کس طرح وارث بنتے؟

وورث سلیمان داؤد اور حضرت سلیمان، حضرت داؤد کے وارث ہوئے

[28] ترمذی، ابواب الزھد۔ [29] القصص۔

حالانکہ اس آیت کریمہ میں دنیاوی مال و دولت کی میراث پانے کا کہیں ذکر نہیں
وہی علم و نبوت کی میراث مراد ہے۔ کیونکہ شیعہ ہی کی ایک روائت ہے۔

ان سلیمان ورث داؤد وان محمدا ورث سلیمان ۳۰؎

حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے، اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سلیمان علیہ السلام کے وارث ہوئے

یہاں سے معمولی فہم و فراست کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ صرف علمی میراث مراد ہے کیونکہ حضور علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے درمیان ہزاروں سال کا فاصلہ ہے۔ جسکے باعث دنیاوی اور مالی میراث پانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ثابت ہوا سلیمان علیہ السلام کی جو میراث آپ تک پہنچی وہ نبوت و معرفت اور علم و حقائق کی میراث تھی۔ جو انبیاء کی میراث ہوتی ہے اور جو انکی شان و منزلت کے لائق ہے دنیاوی میراث نہیں تھی

آیت وصیت کا جواب

اسی سلسلہ میں ان کا ایک اور بہت بڑا، مشہور ترین اور منجھا ہوا اعتراض اور اس کا جواب سننے سے پہلے ایک بات یاد رکھ لینا بہت مفید ہے۔

قرآن پاک مجمل ہے، یعنی اسکے بیان میں تفصیلات و تشریحات نہیں، بعض مقامات پر تو صرف اشارات و کنایات ہی ہیں، یہی وجہ ہے کہ اللہ پاک نے اس کی تشریح و تفسیر کا حق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیا ہے قرآن کی کسی عبارت کی وہی مراد برحق اور منشائے الوہیت کے مطابق ہوگی، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرمائیں۔ ارشاد خداوندی ہے

ما آتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا [۷:۵۹]

حضور علیہ السلام جو دیں لے لو، جس سے روکیں، اس سے رک جاؤ۔

وما ینطق عن الھوی، ان ھو الا وحی یوحی

۳۰؎ ، اصول کافی ج ۱ : ۳۳۴ ، باب ان الائمۃ ورثو علم النبی

وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے۔ ان کا فرمودہ، وحی ربانی ہوتا ہے۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ [۲۱:۳۳]

ذات رسالت تمہارے لئے حسین ترین اور باکمال نمونہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ رسول کی حیثیت سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآنی احکام مضامین کی جو تفسیر و مراد بیان فرماتے ہیں، اسے قرآن ہی کا حکم تصور کیا جاتا ہے مثلاً قرآن پاک نے صرف نماز پڑھنے اور زکات دینے کا حکم دیا ہے۔

اقیموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ [۲:۴۳]

نماز قائم کرو اور زکات دو۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مجمل حکم کی اپنے ارشاد و عمل سے توضیح فرمائی، نماز کی رکعات کا تعین فرمایا اور زکات کی فی صد مقدار مقرر کی اور بتایا منشائے قدرت یہی ہے۔

تعین رکعات اور مقدار زکات سے آگاہ کرنے والے نبوی ارشادات کے بارے میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ ناسخ آیات ہیں، انہوں نے آیت کے مفہوم کو تبدیل کر دیا ہے۔ بلکہ کہا جائے گا۔ اسکے مفہوم کو واضح کر دیا ہے۔ اور یہ ناسخ نہیں بلکہ مفسر آیات ہیں۔

تشریح و تفسیر اور نسخ میں یہی فرق ہے۔

یہ فرق ذہن نشین کر لینے کے بعد، یہ آیت کریمہ پڑھیں

یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین [۴:۱۱]

"اللہ پاک تم کو وصیت فرماتا ہے کہ لڑکوں کو لڑکیوں سے دگنا حصہ دو"

یہ سب کیلئے ارشاد ہے، چونکہ عمومی حکم کے باعث کوئی سمجھ سکتا تھا، کہ نبی کریم بھی اس میں شامل ہیں، اس لئے آپ نے پہلے ہی وضاحت فرما دی اور بتا دیا۔ انبیائے کرام اس عمومی حکم سے مستثنیٰ ہیں

نحن معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکنا فھو صدقۃ ۳۱؎

۳۱؎ بخاری، ۵۲۶

ہم انبیاء کا گروہ وارث نہیں بنائے جاتے، جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے
آپ کا یہ ارشاد پاک اس آیت کریمہ کا ناسخ نہیں، بلکہ مفسّر و شارح ہے اور اس حقیقت کبری سے آگاہ کرنے والا ہے، کہ نبی، میراث کے معاملہ میں عوام، افرادِ امت اور لوگوں کی طرح نہیں ہوتا، بلکہ اس کے منصب کی یہ خصوصیت و انفرادیت ہوتی ہے کہ جو چھوڑ جائے وہ صدقہ ہوتا ہے۔ اور اسکی میراث عام لوگوں کی طرح تقسیم نہیں کی جاتی۔

شیعہ حضرات کے سامنے جب یہ حدیث پیش کی جاتی ہے تو وہ جھٹ یہی کہہ کر مغالطہ دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ "اس طرح یہ حدیث قرآن کی ناسخ بن جاتی ہے، حالانکہ حدیث قرآن کی ناسخ نہیں ہو سکتی"، اس مغالطے کا جواب اور حل یہی ہے کہ!

یہ حدیث پاک شارح و مفسر ہے، آیت کی ناسخ نہیں، کیونکہ اس کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خصوصی منصب سے آگاہ فرمایا ہے۔ اور یہ شرح تفسیر ہے جیسے مقدارِ زکات و رکعات کا بیان، تفسیر ہے منشاء و مرادِ الٰہی سے آگاہی ہے، نسخ نہیں۔

وصالِ سیّدہ کائنات رضی اللہ عنہا

حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد، غم فرقت اور درد جدائی نے ایک لمحہ کیلئے بھی حضرت سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کا دامن نہ چھوڑا۔ آپ ہر وقت نڈھال اور بے خود سی رہنے لگیں، اور طبیعت مبارک گرتی ہی چلی گئی، وصال نبوی کے چھ ماہ بعد ہی یہ حالت ہوگئی کہ آثارِ زیست منقطع ہو گئے۔

ایک روز آپ نے مونس و ہمدرد اور بے لوث تیمار دار حضرت اسماء سے کہا۔ ہمارے ہاں خواتین کا جنازہ جس طرح اٹھایا جاتا ہے، وہ مجھے جچتا نہیں، میں چاہتی ہوں، میرا آخری سفر اس شان سے ہو، کہ جنازہ مکمل طور پر پردے میں رہے۔

حضرت اسماء نے جواب دیا۔

میں نے حبشہ میں دیکھا تھا کہ، مرطوب کماندار لکڑیاں جنازے پر رکھ کر اوپر چادر ڈال دیتے تھے، جنازہ ہر طرف سے چھپ جاتا تھا، پردے کے تقاضے پورے کرنے کیلئے مجھے ان کی یہ اختراع بہت پسند آئی تھی۔ پھر اسماء نے مقوس لکڑیاں منگوا کر، جنازے کی شکل بنا کر دکھا دی۔ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کو یہ چیز بہت پسند آئی، چنانچہ وصیت فرمائی۔

" انکے جنازے پر ایسی ہی مقوس یعنی بصورت کمان مڑی ہوئی لکڑیاں رکھ کر پردے کا خاص خیال رکھا جائے۔ اور شب میں دفن کیا جائے" تاکہ جنازہ مستور و محجوب رہے اور شب کے اندھیرے میں کسی کی نگاہ نہ پڑے۔ عہ

عہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کے گھرانے کے باہمی میل ملاپ اور تعلق و محبت کا اندازہ اس سادہ سی حقیقت سے لگایا

حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا تو مدینہ طیبہ میں ایک بار پھر قیامت آگئی، فریاد و فغاں اور غم و اضطراب سے ہر شخص کا کلیجہ پھٹ گیا اور در و دیوار ہل گئے وہی سماں طاری ہوگیا جو چھ ماہ پہلے محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت پیدا ہوا تھا۔

جب جنازہ اٹھایا گیا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جنازے کی نرالی اور غیر رسمی حالت دیکھی تو بہت حیران ہوئے، آپکی زوجہ محترمہ نے بتایا۔ میں نے یہ تجویز پیش کی تھی جو سیدہ نے قبول فرمائی تھی۔ اب آپ کی وصیت کے مطابق پردے کی خاطر، جنازہ گہوارے کی صورت میں مرطوب لکڑیوں کے ذریعے چادر سے ڈھانپا گیا ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت خاتون جنت کی اس پسند کو بہت سراہا پھر جنازے کی نماز پڑھائی اور چار تکبیریں کہیں۔

صلی ابوبکر علی فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکبر علیھا اربعا ۳۲ے

حاشیہ

جا سکتا ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ کو اپنی خدمت و تیمارداری پہ مامور کئے رکھا یہی نہیں بلکہ ان کے جذبۂ خدمت گساری اور محبت سے متاثر ہوکر وصیت فرمائی کہ ان کے وصال کے بعد حضرت علی اور حضرت اسماء ہی انہیں غسل دیں

اسماء بنت عمیس قالت: اوصتنی فاطمۃ ان لا یغسلھا الا انا و علیؑ فغسلتھا انا و علی (احتجاج ۱: ۱۲۶، جلاء العیون ۱۵۶)

چنانچہ علی اور میں نے وصیت کے مطابق انہیں غسل دیا۔

۳۲ے ابن سعد، ۸: ۲۹

بیعت حضرت علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت سیدہ ہی کی خبر گیری اور دیکھ بھال میں لگے رہتے تھے، چھ ماہ ان ہی مصروفیات میں گزر گئے آپ کو موقعہ ہی نہیں ملتا تھا کہ کاروبار سلطنت میں حصہ لیں، اور مفید و پرخلوص مشوروں سے خلافت کے کاموں میں ہاتھ بٹائیں، کیونکہ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی منفرد اور خصوصی شان و فضیلت کی وجہ سے انکی تیمارداری اور نگہداشت میں مصروف رہنا آپ کیلئے اہم ترین فریضہ تھا۔

اس سے بعض ذہنوں میں یہ خدشات ابھر آئے کہ شاید آپ اس انتخاب سے خوش نہیں ہیں، اور دانستہ اعراض کر رہے ہیں، اسی خیال سے بعض سربرآوردہ حضرات تک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس طرز عمل سے ناخوش ہو گئے۔ پہلے تو انہیں یہ خیال رہا کہ سیدہ کی تیمارداری اور عیادت کی وجہ سے فرصت نہیں نکال سکتے مگر جب یہ عذر بھی ختم ہوگیا، تو انہیں یہ بات محسوس ہوئی، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی دوستوں کے چہروں کے نقوش سے ان کے خیالات پڑھ لئے، اور اپنی خوشنودی و رضا کا ثبوت دینے کیلئے مسجد میں پہنچے اور علانیہ برضا و رغبت خوش دلی اور محبت کے ساتھ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دست مبارک پر تجدید بیعت کی، اور بتایا!

آج تک بنت رسول کی عیادت کی وجہ سے معاملات میں حصہ لینے سے قاصر رہا ہوں ورنہ میرے دل میں کوئی بات نہیں ہے ابوبکر صدیق افضل اعلیٰ اور سابقین کے زمرے سے ہیں، میں ان کی فضیلت کا اعتراف کرتا ہوں۔

تشھد علی رضی اللہ عنہ فعظم حق ابی بکر و ذکر فضیلتہ و سابقتہ، وحدث انہ لم یحملہ علی الذی صنع، نفاستۃ علی ابی بکر، ثم قام الی ابی بکر فبایعہ ۳۳ے

توحید و رسالت کی گواہی کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

۳۳ے بخاری، ۶۰۹: البدایہ، ۵: ۲۸۲ باب بیان لا نورث

کی عظمت و فضیلت اور سابقیت کا ذکر فرمایا اور بتایا وہ کسی عداوت کی وجہ سے نہیں رکے رہے ہیں۔ پھر کھڑے ہوئے اور بیعت کرلی۔ دوست احباب کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت سے بے حد خوشی ہوئی خدشات دور ہو گئے اور پتہ چل گیا، آپ کی غیر حاضری حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس ہمہ وقت موجود رہنے کے باعث تھی۔

بیعت کے حق میں حقائق و شواہد

اہل تشیع ان حقائق و واقعات کے اظہار سے بہت کبیدہ خاطر ہوتے اور ناک بھوں چڑھاتے ہیں، حالانکہ خود ان کے اسفار و اساطیر میں اس بیعت کی تمام تفصیلات موجود ہیں۔ اور کوئی گوشہ ایسا نہیں، جسے اہل سنت و جماعت بیان کرتے ہوں اور ان کی کتب سے اس کی تائید و توثیق نہ ہوتی ہو۔

چنانچہ یہاں ان کی کتب کی روشنی میں، اپنے مبنی برحق دعوے کی حقانیت و صداقت ثابت کرنے کیلئے اس موضوع کے ہر پہلو کو تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے

(۱) اقرارِ بیعت

اس موضوع کا ایک پہلو یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس وقت بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دست مبارک پر بیعت کرلی تھی، جب سقیفہ بنو ساعدہ میں خلیفہ کا انتخاب ہوا اور اہل ایمان سے عام بیعت لی گئی، یہ تو ممکن ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ناسازیٔ طبع کے باعث غم کی شدت ان کی تیمارداری میں مکمل انہماک و مصروفیت کی وجہ سے آپ نے بیعت میں چند روز کی تاخیر کردی ہو، اور موقعہ ملتے ہی اس اہم فرض سے سبکدوش ہو گئے ہوں۔ لیکن اس بے حقیقت دعوے کا کوئی ثبوت و جواز نہیں کہ آپ نے سرے سے بیعت کی ہی نہیں تھی۔

کیونکہ خود آپکے خطبات کے سیاق و سباق اور اسلوب بیان سے مترشح ہوتا ہے کہ آپ نے بیعت کرلی تھی اور حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اندازِ جہانبانی اور رموزِ مملکت کو سمجھنے اور اعتدال و توازن کے ساتھ تمام امور انجام دینے کی صلاحیتوں کی بصمیم قلب تعریف بھی کی تھی۔

یہ معرکہ آرا خطبہ اس سلسلہ کی نادر و نایاب مثال ہے، جس کا پس منظر کچھ یوں بیان کیا گیا ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

وصال نبوی کے بعد پختہ یقین تھا کہ قرعہ فال میرے نام نکلے گا، لیکن جب حضرت ابوبکر کی خلافت پر اجماع ہوگیا تو دل کو ٹھیس سی لگی دن بیتتے گئے، جب مخالفینِ اسلام کی دین کے خلاف بغاوت اور یورش کا علم ہوا تو فیصلہ کرلیا اس وقت اہل اسلام کی امداد و اعانت کرنا سب سے زیادہ ضروری بات ہے اگر اس معاملہ میں سستی اور غفلت برتی گئی تو پھر اس نقصان کی تلافی کبھی نہ ہوسکے گی، خلافت ہاتھ نہ آنا کوئی ایسا مسئلہ نہیں جسے ذاتی وقار کا مسئلہ بنالیا جائے یا اس کا غم سینے سے لگاکر زندگی کو مسرتوں کی خوشبو سے محروم کردیا جائے، یہ عارضی اور چند روزہ چیز ہے، جو بادل کی طرح چھٹ جاتی اور سراب کی طرح مٹ جاتی ہے۔ ان تمام حقائق اور نشیب فراز پر غور کرکے

مشيت عند ذالك الى ابى بكر فبايعته ونهضت فى تلك الاحداث حتى زاغ الباطل وزهق، وكانت كلمة الله هى العليا، ولو كره الكافرون، فتولى ابوبكر تلك الامور وسدد، ويسر، وقارب واقتصد- فصحبته مناصحا

[ناسخ التواریخ، کتاب الخوارج، ۳: ۳۲۲]

میں حضرت ابوبکر کے پاس گیا، اور انکی بیعت کرلی، اور انکے ساتھ مل کر تمام فتنوں کو دبایا، یہانتک کہ باطل نابود اور ملیامیٹ ہوگیا، اور اللہ تعالیٰ کے دین کو عروج و اقتدار حاصل ہوا۔ اگرچہ کافروں کو یہ صورت حال پسند نہ تھی، چنانچہ حضرت ابوبکر نے تمام امور کو اپنی ذاتی نگرانی میں لے کر سلجھایا، درست اور آسان

کیا، متوازن راہ اختیار کی اور حدِ اعتدال میں رہے، میں نے ایک مخلص مشیر کی حیثیت سے ان کا ساتھ دیا۔" اس خطبہ کی تفصیلات اس حقیقت عظمیٰ کا ناقابلِ تردید ثبوت ہیں کہ آپ نے اس وقت بیعت کر لی تھی جس کا اظہار آپ نے بعد میں کیا، اگر آپ نے اس وقت بیعت نہ کی ہوتی اور وقت کی پکار اور حالات کی نزاکت بھانپ کر بھی خاموش رہے ہوتے تو کبھی ان ضرورتوں اور ناقابلِ فراموش باتوں کا ذکر نہ فرماتے، بیان کے تیور اور پس منظر کے حالات صاف بتا رہے ہیں کہ آپ نے بیعت کر لی تھی

(۲) تجدیدِ بیعت

دوسرا پہلو یہ ہے کہ چھ ماہ بعد آپ نے از سرِ نو بیعت کی تجدید کی۔ اس تجدید کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ اس چھ ماہ کے عرصہ میں آپ نے مشیرِ خاص، وزیر با تدبیر، اور مخلص دوست کی حیثیت سے امور سلطنت کی بجاآوری میں کوئی حصہ نہ لیا، حالانکہ عظیم تر تعلقات کی بنا پر آپ کا اولین اخلاقی فرض اور سب سے زیادہ حق تھا، اس عدمِ شرکت یا کوتاہی کی وجہ کوئی ذاتی رنجش، رقابت، جلن یا عداوت نہیں تھی، جیسا کہ یہ افسانہ خوب نمک مرچ لگا کر سنایا جاتا ہے، بلکہ اس طویل غیر حاضری، عدمِ رغبت اور بے توجہی کی وجہ، حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی علالت اور طویل بیماری تھی، جس سے آپ جاں بر نہ ہو سکیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دردِ فراق اور غمِ ہجر نے آپ کو دنیا سے مستغنی اور زندگی سے بیزار کر دیا تھا، آپ نے اس صدمہ کو اس طرح سینے سے لگایا کہ ہر چیز سے بے نیاز ہو گئیں، چونکہ عظیم المرتبت صاحبزادی اور کونین کی سیدہ تھیں، اسی لئے مولا علی رضی اللہ عنہ ان کو اس حال میں ایک لمحہ کیلئے بھی چھوڑ کر اِدھر اُدھر نہ ہو سکے، شب و روز بڑے خلوص و انہماک اور سوز و پیار کے ساتھ تیمارداری میں مصروف رہے۔

چھ ماہ کا عرصہ کچھ اتنا مختصر بھی نہیں ہوتا، چنانچہ بعض ذہنوں میں شکوک و

شبہات کی فضا قائم ہو گئی، کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ تغافل معنی خیز ہے جب حضرت سیدہ کا وصال ہو گیا اور پھر بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پہلی روش ترک فرمائی [حالانکہ امکان ہے غمِ فرقت نے زندگی کی مصروفیات میں حصہ لینے کی خواہش ہی چھین لی ہو، اور آپ کا دل ہی نہ چاہتا ہو کہ زندگی کے ہنگاموں میں دوسروں کے ساتھ شرکت کریں، کیونکہ عزیز رشتہ دار کے فوت ہو جانے کے ساتھ عام طور پر دل کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے] مگر آپ کے اس طرزِ عمل نے لوگوں کے شک کو اور پختہ کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ صورت گوارا نہیں فرما سکتے تھے، چنانچہ بہت جلد خود کو سنبھال لیا، اور اپنے احباب کی غلط فہمی دور کرنے کی ٹھان لی، آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے حجرہ انور میں آنے کی دعوت دی، جب آپ تشریف لے آئے تو بنو ہاشم کی جماعت کے سامنے حضرت علی المرتضیٰ نے حضرت امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت و عظمت بیان فرمائی، اور آپ کی اسلامی خدمات و کمالات کا اعتراف کیا۔

قام علی فحمد اللّٰہ واثنیٰ علیہ بما ھو اھلہٗ ثم قال اما بعدُ فلم یمنعنا ان نبایعک یا ابابکرؓ انکار لفضلک ولا نفاستۃ علیک بخیر ساقہ اللّٰہ الیک

حضرت علی کھڑے ہوئے، اللہ پاک کی حمد و ثنا کہی، جس کا وہ اہل ہے پھر اسکے بعد کہا! اے ابوبکر! ہمیں بیعت کرنے سے اس چیز نے نہیں روکا کہ ہم آپکی فضیلت کے منکر تھے، یا جو منصب اللہ پاک نے آپ کو عطا فرمایا۔ اسکے خلاف ہمارے دل میں کدورت تھی۔

ثم ذکر قرابتھم من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلمؐ وحقھم فلم یزل علی یذکر حتی بکی ابوبکر

پھر حضرت علی نے نبی پاک کے ساتھ اپنی قرابت داری اور حق کا ذکر کیا۔ حضرت علی بیان کرتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں

سے آنسو رواں ہو گئے، پھر حضرت ابوبکر اٹھے، حمد و ثنا کے بعد کہا:

واللہ لقرابۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احب الی ان اصل من قرابتی۔

اللہ کی قسم! مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت اور رشتہ داری اپنی قرابت داری سے زیادہ پیاری ہے۔]

محبت اور خلوص کی اس سازگار فضا میں ایک دوسرے کے حقوق و فضائل کے اعتراف اور خوشی سے بہنے والے آنسوؤں نے، اگر کچھ گلے شکوے تھے بھی تو دور کر دیئے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسی وقت اعلان کر دیا

موعدک للبیعۃ العشیۃ شام کو آپکی بیعت کر لوں گا۔

فلما صلی ابوبکر الظہر اقبل علی الناس یحذر علیہا ببعض ما اعتذر بہ ثم قام علی فعظم من حق ابی بکر، وذکر فضیلۃ، وسابقتہ، ثم قام الی ابی بکر فبایعہ فاقبل الناس علی علیؑ فقالوا: اصبت واحسنت:

[کشف الغمہ، ۲: ۴۴۔]

جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ظہر کی نماز پڑھی تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے، اور حضرت علی کی معذرت کا ذکر کیا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی عظمت کا اعتراف کیا، اور بتایا آپ سب سے پہلے اسلام لانے والے افضل ترین مسلمان ہیں، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور بیعت کر لی، لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس اقدام سے بہت خوش ہوئے اور آپ پر تحسین و آفرین کے پھول نچھاور کئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیعت کر لینے کے سلسلہ میں زہری کا قول بھی اسی جگہ موجود ہے

ولد احد من بنی ھاشم حتی بایعہ علی۔

(بنی ہاشم نے بیعت نہ کی تھی، یہاں تک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیعت کی)

یہ طویل قصہ اس حقیقت کا بین ثبوت ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ نے بیعت کر لی تھی

(الف) اعتراف فضل و کمال

یہاں ضمنی طور پر یہ بیان کر دینا بے وجہ نہیں کہ شعور و خرد کی نظر میں بیعت نہ کرنے کی کوئی وجہ جواز نہیں ہے، اس داستان سرائی کی بنیاد اس بات پر رکھی جاتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے بغض رکھتے تھے (نعوذ باللہ) حالانکہ حقیقت اس فرسودہ دعوے کے برعکس ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبات میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کیلئے محبت و خیرخواہی اور پیار سے لبریز جذبات کا اظہار کیا ہے انکے لئے دعا کی ہے، آپکے یہی احساسات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیلئے بھی ہیں۔

لعمری ان مکانھما فی الاسلام لعظیم وان المصاب بھما لجرح فی الاسلام شدید یرحمھما اللہ وجزاھما، باحسن ما عملا

"مجھے اپنی عمر کی قسم! ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما اسلام میں عظیم المرتبت ہیں اور ان کی کمی اسلام کیلئے ناقابل تلافی نقصان ہے خدا تعالیٰ ان دونوں پر رحم فرمائے اور انکے حسین و اعلیٰ اعمال کی جزائے خیر دے۔"

پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

فالصدیق من صدق بحقنا والطل باطل عدونا

"صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وہ ہیں جنہوں نے ہمارے حق کی تصدیق کی، اور ہمارے باطل دشمن کا بطلان کیا" اسی طرح آپ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کیلئے اپنے پیار بھرے جذبات کا اظہار کیا ہے۔

فالفاروق من فرق بیننا وبین اعدائنا

فاروق وہ ہیں جنہوں نے ہمارے دشمنوں کے درمیان فرق کیا۔

[ابن میثم بحرانی ۴: ۳۶۲]

للہ بلاد فلان فقد قوم الاود وداوی العمد خلف الفتنۃ واقام السنۃ ذھب نقی الثوب، قلیل العیب اصاب خیرھا

وسبق شرها' ادی الی الله حقه' واتقاه بحقه

[نہج البلاغۃ ۱: ۸۵م]

"اللہ تعالیٰ، عمر فاروق کے شہروں میں برکت دے، جنھوں نے کجی درست کی، اور امراض کا علاج کیا، فتنے کو پیچھے چھوڑا اور سنت پاک کو رواج دیا، پاک دامن بے عیب دنیا سے گئے، خیر پالی اور شر و فساد سے بچ کر آگے نکل گئے، اللہ پاک کا حق ادا کیا۔ اور اس سے ڈرے جیسا ڈرنے کا حق تھا" ان روشن صداقتوں کے ہوتے ہوئے یہ دعوی کس قدر کھوکھلا بے جان اور مضحکہ خیز ہے کہ ان قدسی نفوس کے درمیان خون ریز عداوت موجود تھی اور وہ ایک دوسرے کو دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔ اور اسی باعث حضرت علی نے بیعت نہ کی سے خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا کہئے۔

(۳) بیعت سے بے رغبتی

تیسرا پہلو جو حقیقی بھی ہے اور واقعی بھی وہ یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلافت کے شائق و طلبگار ہی نہ تھے آپکے قلب انور میں اسکے حصول کیلئے کوئی خواہش و رغبت نہیں تھی، کیونکہ اسکے تقاضوں اور ذمہ داریوں کی سنگین نوعیت سے آگاہ تھے، اور اپنی حق پسندی اور روشن ضمیری کے باعث جانتے تھے کہ خلافت و اقتدار کا منصب قبول کرکے انسان پر بھاری ذمہ داریاں عائد ہوجاتی ہیں جنھیں قبول کرنے کا وقت مقرر ہوتا ہے۔ اگر وقت سے پہلے ان کا بوجھ اٹھالیا جائے تو نتیجہ اچھا نہیں نکلتا۔ آپکے خطبات سے ان حقیقت افروز تاثرات و خیالات کے واضح نشان ملتے ہیں آپ نے فرمایا ہے۔

ایھا الناس! شقوا امواج الفتن بسفن النجاة، وعرجوا عن طریق المنافرة وضعوا عن تیجان المفاخرة، افلح من نهض بجناح' او استسلم

فاراح' هذا ماء آجن' ولقمة یغص بها آکلها ومجتنی الثمرة لغیر وقت ایناعها، کالزارع بغیر ارضه۔

[نہج البلاغۃ، ۱: ۵م]

اے لوگو! نجات کے سفینے پہ سوار ہوکر فتنہ و فساد کی ہیبتناک موجوں کا سینہ چیر دو، اور منافرت کی راہ سے کنارہ کش ہوجاؤ، اور فخر و غرور کی کلاہ سر سے اتار پھینکو، فلاح و ظفر مندی اسی کیلئے ہے جو دست اعانت بڑھاتا، یا اطاعت کا دم بھر کر راحت بخشتا ہے۔ یہ اقتدار تو کڑوا' ناخوشگوار پانی یا گلے میں اٹکنے والا لقمہ ہے، جو کھانے والے کے حلق میں پھنس جاتا ہے بے وقت پھل چننے کی کوشش کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی دوسرے شخص کی زمین میں تخم ریزی کردے۔

شیعہ ادیب و محقق ابن ابی الحدید نے حضرت علی کے ان کلمات کی اس طرح تشریح و ترجمانی کی ہے کہ آپ بتانا چاہتے ہیں۔ الامرة علی الناس وخیمة العاقبة' ذات مشقة فی العاجلة' فهی فی عاجلها کالماء الآجن یجد شاربه مشقة' وفی آجلها کاللقمة تحدث عن اکلها الغصة

امارت کا انجام بہر صورت تلخ و ناگوار ہوتا ہے، اگر جلد حاصل ہوجائے تو اس بدبودار پانی کی طرح ہوتی ہے، جسے پینے والا تکلیف محسوس کرتا ہے، اور دیر بعد ملے تو اس خشک لقمے کی طرح ہوتی ہے جو گلے میں اٹک جاتا ہے

یہی ادیب لکھتا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ان ملفوظات کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے۔ یحتمل ان یکون الامران معا للعاجلة لان الغصص فی اول البلع، کما ان شرب ماء الآجن' یحدث فی اول الشرب۔

[شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید ۱: ۲۱۴]

ورکہ یہ دونوں مثالیں جلد حاصل ہونے والے اقتدار ہی کی ہیں، اس لئے کہ ناگوار و بدبودار پانی کے پہلے گھونٹ ہی کی طرح گلے سے نہ اترنے والے کھانے

کا مجھی پہلا لقمہ ہی تکلیف و مشقت کا باعث ہوتا ہے۔ اس خطبہ کا مضمون یعنی صاف بتا رہا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس وقت خلافت کو اپنے حق میں ناپختہ پھل تصور فرماتے تھے، جبکہ طلب کوئی ذہین و معاملہ فہم انسان نہیں کرتا، آپکے اس ارشاد کی معنویت پر غور کرنے سے وہ اعتراض کرسے سے اڑ جاتا ہے کہ آپ ابتدائی خلافتوں کو ناپسند فرماتے تھے۔ کیونکہ جب آپ طالب خواستگار ہی نہیں تھے تو ان خلافتوں کو ناپسند کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اور معاملہ صاف ہو جاتا ہے کہ ساری داستان طلسم ہوشربا یار لوگوں کی اپنی ہی تراشیدہ ہے۔

بیعت میں اکراہ کا فسانہ اور واقعات کی روشنی میں اس کا تجزیہ

جب اس داستان کے موجد کوئی راہ فرار نہیں پاتے اور خود اپنی ہی کتابوں اور حضرت علی کے ارشادات میں یہ پاتے ہیں کہ تینوں خلافتیں برحق تھیں اور حضرت حیدر کرار نے برضا و رغبت انہیں تسلیم کر کے بیعت بھی کی تھی تو زیب داستان کیلئے جھٹ یہ بڑھا دیتے ہیں کہ انہوں نے مجبور ہو کر یہ بیعت کی تھی

بایع مکرها حیث لم یجد اعوانا [احتجاج ۲: ۱۷۹]

حتی جاء وانا میر المومنین مکرها فبایع [احتجاج ۲، ۸۵]

"جب کوئی مددگار نظر نہ آیا......... اور وہ لوگ حضرت علی کو لے آئے تو آپ نے مجبور ہو کر بیعت کی" طرفہ تماشا یہ ہے کہ بیعت کے معاملہ میں اس ہستی کو مجبور و ناتواں ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، جن کے بارے میں ایسی داستانیں مشہور کی جاتی ہیں، اور ان کی طرف ایسے محیر العقول واقعات منسوب کئے جاتے ہیں، جنہیں پڑھ کر ایک طرف عقل سلیم اپنا سر پیٹ لیتی

ہے تو دوسری طرف دیو مالا کی ان حیرت افزا داستانوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے جو مافوق الفطرت بھی ہیں، اور انسانی ذہن کا نادر شاہکار اور اختراعی عجوبہ بھی!

چند واقعات بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں چونکہ ان واقعات کا وہی پہلو اجاگر کرنا مقصود ہے جسمیں حضرت علی کی عجوبہ روزگار، حیرت انگیز اور ناقابل تسخیر طاقت کا ذکر ہے، یا آپکی روحانی منزلت کا پتہ چلتا ہے اس لئے ضرورت کے مطابق ان واقعات کا خلاصہ ہی پیش کیا جاتا ہے جس سے دلیل مکمل ہو سکے، زیادہ سے تعرض مقصود نہیں، کیونکہ ان واقعات کی تفصیلات اہل سنت و جماعت کے معتقدات کے خلاف اور قطعی من گھڑت ہیں یہاں اس پیشکش کا مقصد مخالفین ہی کی کتابوں سے اتمام حجت کے سوا اور کچھ نہیں،

(۱) پہلا واقعہ یہ ہے کہ

خالد کے ساتھ مل کر حضرت علی کو قتل کرنے کیلئے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے سازباز کی (نعوذ باللہ) منصوبہ کی تکمیل کیلئے فجر کی نماز کا وقت مقرر کیا گیا، کہ ابوبکر جونہی سلام پھیریں اس وقت خالد اٹھ کر حضرت علی پر حملہ کر دیں۔

حضرت اسماء یہ ساری کارروائی دیکھ رہی تھیں، انہوں نے حضرت علی کو اس سے آگاہ کر دیا۔

حضرت علی نماز کی تیاری کر کے آئے اور [صلی خلف ابی بکر] "اور حضرت ابوبکر کے پیچھے نماز ادا کی" جب حضرت ابوبکر تشہد میں بیٹھے تو اچانک ندامت دامن گیر ہوئی، حضرت علی کی قوت و طاقت کا خیال آیا، اتنے خوفزدہ ہوئے کہ سلام پھیرنے کی ہمت نہ رہی، لوگ تصور کرنے لگے کہ بھول گئے ہیں پھر خالد کی طرف توجہ دے کر فرمایا! اے خالد! جو میں نے تمہیں حکم دیا تھا اس پر عمل نہ کرنا، اور ساتھ ہی سلام پھیر دیا۔

حضرت علی اٹھ کھڑے ہوئے اور خالد سے پوچھا، تمہیں کیا حکم دیا تھا؟ خالد نے جواب دیا، "وہ آپکی گردن اڑانے کا"۔

حضرت علی نے خالد کو زمین پہ دے پٹخا، عمر چھڑانے کیلئے بڑھے تو انہیں بھی گریبان سے پکڑ لیا اور کہا اگر ممکن ہوتا تو دیکھ لیتے کون کمزور و ناتواں ہے!

[احتجاج ۱:۱۲۶، ۱۱۸]

اس واقعہ کی ایک ایک کڑی عجوبہ سے کم نہیں! عقل ان کڑیوں کو ملا کر اسے ایک واقعہ کی حیثیت سے تسلیم کرنے سے قاصر ہے۔ قتل جیسی سازش کو خفیہ رکھنے کی بجائے اتنی بے احتیاطی برتی گئی کہ اسماء نے تمام تفصیلات نہ صرف سن لیں بلکہ حضرت علی کو ان سے آگاہ بھی کر دیا، آخر انہیں اسکی کیا ضرورت تھی؟ قتل کیلئے نماز کا وقت مقرر کیا، جبکہ قاتل کیلئے فرار ہونے یا پوشیدہ رہنے کی راہ مسدود ہوتی ہے سب سے عجیب بات یہ کہ نماز میں ابوبکر کو اچانک ندامت نے آگھیرا، پھر انہیں حضرت علی کی قوت کا بھی خیال آگیا، سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ یکدم نادم ہونے کی یہ ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ نیز کیا پہلے علی کی قوت سے بے خبر تھے، جس کا اچانک نماز میں القا ہوا۔

مزید لطف یہ کہ حضرت علی کا خوف اس قدر چھایا کہ سلام پھیرنے کی بھی ہمت نہ رہی۔ تعجب ہے جو آدمی اتنا کمزور تھا اس نے ایسے جری آدمی کے قتل کا منصوبہ بنانے کی ہمت کیسے کر لی؟ کیا عملی دنیا میں اتنا کم ہمت انسان کسی پہلوان کو اس طرح سر عام پچھاڑنے اور قتل کرنے کا سوچ بھی سکتا ہے؟ اس پر مزید گل یہ کھلایا ہے کہ نماز کو بازیچۂ اطفال بنا ڈالا، حضرت ابوبکر نے نماز ہی میں خالد کو قتل سے منع کیا اور پھر سلام پھیرا۔

نماز میں گفتگو کرنے سے تو ویسے ہی نماز ٹوٹ جاتی ہے چاہیئے تھا مسجد میں ہنگامہ کھڑا ہو جاتا اور سب سے پہلے حضرت علی ہی پوچھتے، نماز میں خارجی کلام کیوں کیا ہے؟ اور پھر بعد میں اپنی ذات سے متعلق باتوں کی بازپرس کرتے اس سلسلے کی آخری کڑی یہ ہے کہ حضرت علی نے خالد کو پٹخ دیا، دیگر حضرات کو بھی گریبان سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا، سوال صرف اتنا ہے کہ ایسی مار دھاڑ

رعب داب، دھمکی اور گھونسہ بازی ایک مجہول آدمی کا کام ہے؟ نیز یہ کہ واقعہ کی یہ غیر مربوط، ناقابل یقین، متضاد اور عجیب و غریب کڑیاں۔ تعصب سے بالاتر ہو کر سوچنے سے مبنی بر صداقت دکھائی دیتی ہیں؟

(۲) دوسرا واقعہ یہ ہے کہ

حضرت علی کی تقریر و گفتگو سے متاثر ہو کر لوگوں نے کہا، اگر آپ پہلے اس موضوع پر اظہار خیال کرتے تو ہم آپ سے بیعت کر لیتے۔

حضرت عمر نے حضرت علی کو روکا۔ مگر انہوں نے سخت جواب دیا خالد تلوار لے کر آگے بڑھے "بیعت نہ کی تو گردن اڑا دوں گا"۔ حضرت علی نے خالد کو پرے پھینک دیا۔ لیکن اس قوت و طاقت کے باوجود آپ سے زبردستی بیعت لے لی گئی۔ حضرت علی نے روضہ اطہر کی طرف منہ کر کے بے بسی و بیچارگی کی شکایت کی، اچانک حضور نبی کریمؐ کا دست مبارک نمودار ہوا، اور آواز آئی جس میں تہدید تھی۔

اتنے میں حضرت فاطمہ گھر سے باہر آگئیں اور دھمکی دی، اگر تم لوگ حضرت علی پر ظلم سے باز نہ آئے تو میں سر کے بال کھول دوں گی اور تم سب مر جاؤ گے۔

اس پرجلال تقریر سے مسجد پر لرزہ طاری ہو گیا، اور اس کی دیواریں اپنی جگہ سے اکھڑ کر اتنی بلند ہو گئیں، کہ اگر کوئی جاتا تو انکے نیچے سے گزر جاتا۔

دیوار ہائے مسجد رسول خدا بلرزہ درآمد و بلند گردید،
بنحویکہ اگر کسے خواستے از زیر آں عبور میتوانست نمود،

[جلاء العیون، ۱۴۶]

سلمان نے حضرت سیدہ کی منت سماجت کی تو ان کا غصہ فرو ہوا اور گھر تشریف لے گئیں

(۳) تیسرا واقعہ یہ ہے کہ

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں حضرت صدیق کو ناراض ہوئے چنانچہ انہوں نے صبح اٹھ کر حضرت علی کو سب کچھ سونپنے کا ارادہ کر لیا، اور کہا،

مسجد میں چلیں، میں سب کے سامنے دستبردار ہو جاؤں گا (احتجاج، ۱/۱۰۴)
یہ تینوں واقعات مجموعی تاثر یہ پیدا کرتے ہیں کہ
حضرت علی رضی اللہ عنہ مرد جری، توانا، حوصلہ مند اور محیر العقول قوت و طاقت کے مالک تھے، جسمانی قوت و شجاعت کے علاوہ روحانی قوت بھی آپ کی مددگار تھی، آپکے مرتبہ و مقام کے اظہار کیلئے ہاتھ نمودار ہوا، مخالفین کو ڈانٹ ڈپٹ کی، خواب میں ڈرایا، حضرت سیدہ کے غضب سے دیوار ہی بلند ہو گئی۔ مزید یہ کہ سر کھولتیں تو سب مرجاتے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ جسکی ظاہری باطنی قوت و شوکت کا حال یہ ہو، کیا اس پر یہ تہمت لگانا جائز ہے کہ اس نے ڈر کر، یا تقیہ کر کے، یا مجبور ہو کر بیعت کر لی،

حقیقت یہ ہے کہ سوچ کا ایسا نازیبا اور مکروہ انداز حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی صریح توہین اور آپ کی شان و عظمت کے خلاف، محبت کی آڑ میں یہ قبیح سازش ہے آپ نے پہلے خلفاء کرام کی دل و جان سے بیعت کی تھی انکے ساتھ آپکے گہرے روابط، نسبی تعلقات اور پیار و محبت کے ناقابل شکست رشتے قائم تھے حسد، عداوت منافرت و منافقت، تقیہ و آویزش نام کی کوئی چیز انکے مابین موجود نہیں تھی خلوص و محبت کے ساتھ بستے تھے، اور ایک دوسرے کے غمگسار رفیق، وفا شعار ساتھی اور دکھ سکھ کے شریک اور ساجھی تھے، انکے درمیان کوئی ایسا ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا جسکی جھلکیاں کتب شیعہ سے دکھائی گئی ہیں، یہ سب ذہنی اختراعات ہیں، جن کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں،

جب محبت و پیار کے رشتے اتنے مضبوط اور اٹوٹ تھے تو بیعت نہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

وصال و تدفین

جناب صدیق اکبر نے حکمران کی حیثیت سے جانشین رسول اور خلیفہ ہونے کا حق ادا کر دیا۔ اس جانفشانی دیانت داری، خلوص و پیار اور ذمہ داری و جوابدہی کے گہرے احساس کے ساتھ حکومت کی کہ سرزمین عرب اور دنیائے اسلام کا چپہ چپہ برکات کے حسن و نور سے مالا مال ہو گیا۔ جذبۂ خدمتِ خلق، انسانیت سے محبت بے غرضی و بے نفسی اور دنیا کی ہر آسودگی و زینت سے بے نیازی کا ایسا مظاہرہ کیا۔ جسکی مثال تاریخ اسلام بلکہ دنیا کی پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔

ابتداء میں امور خلافت کی انجام دہی کے ساتھ اپنا موروثی کاروبار بھی جاری رکھا۔ مگر جب دونوں طرف یکساں توجہ دینا ممکن نہ رہا تو بیت المال سے معمولی سا وظیفہ جاری کرا لیا جسکی مالیت پندرہ سو روپے سالانہ سے بھی کم تھی۔

فکان الذی فرضوا لہ فی کل سنۃ ستۃ آلاف درھم ۳۴

اتنی حقیر و ناچیز رقم کے ساتھ انتہائی کفایت شعاری کے باوجود گھریلو اخراجات پورے نہیں ہوتے تھے

ایک مرتبہ اہل خانہ نے حلوہ کھانے کی خواہش ظاہر کی جسکی تکمیل اتنی تنخواہ کے ساتھ ناممکن تھی۔ تجویز یہ پاس ہوئی کہ روزمرہ کے خرچ سے تھوڑا تھوڑا بچا کر ایک روز حلوہ پکا لیا جائے اور جب کئی پیٹ کاٹ کر ایک دن یہ حلوہ تیار ہو کر سامنے آیا تو آپکی آنکھوں سے آنسو بہنے پڑے کہ بیت المال سے اتنی رقم زائد حاصل کی جاتی رہی ہے۔ جسکے بغیر بھی گزران ہو سکتی تھی چنانچہ اتنی رقم اور کم کر دی، جب وصال کا وقت قریب آیا تو یہ رقم بھی سربرنہ ہے

دی۔ اور زمین بیچ کر بیت المال میں داخل کرا دی۔ [۳۵]

مدتِ خلافت کے دوران آپکی جائداد میں ایک غلام، ایک اونٹنی اور ایک چادر کا اضافہ ہوا۔ آپ نے حکم دے دیا۔ وصال کے بعد یہ تینوں چیزیں نئے خلیفہ کے حضور پیش کر دی جائیں۔ چنانچہ بعد میں جب اس حکم کی تعمیل ہوئی تو جناب عمرؓ بے ساختہ اشک بار ہو گئے اور بولے!" پیارے صدیق! جہانبانی میں زہد و قناعت کا ایسا کڑا معیار قائم کر کے آپ نے بعد والوں کیلئے دشواری پیدا کر دی ہے [۳۶]

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے!

ارحم امتی بامتی ابوبکر [۳۷]

" میری امت پر ابوبکر سب سے زیادہ مہربان، اور اس کی خیر چاہنے والا ہے"

اس جذبۂ خیر خواہی نے آخری وقت میں آپ کو بے قرار کر دیا، خواہش یہ تھی اپنے سامنے ہی کسی شخص کو خلافت کیلئے نامزد کر دیں، تاکہ بعد میں کوئی بدمزگی اور تلخی پیدا نہ ہو۔

دنیا سے تفکر میں غوطہ زن رہے آخر جب ایک فیصلہ کن نتیجے پر پہنچے تو ایک روز خلوت میں عبدالرحمٰن بن عوف سے دریافت کیا۔

منصبِ خلافت کی نامزدگی کیلئے عمر کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟

انہوں نے جواب دیا، انہ افضل من رایک الا انہ فیہ غلظہ: [۳۸]

" آپ انکے بارے میں جو رائے بھی قائم کریں وہ اس سے افضل ہیں، البتہ ان میں قدرے شدت ہے۔"

جناب صدیق نے اطمینان دلایا۔

" یہ کیفیت اس لئے ہے کہ میں نرم مزاج اور رحمدل ہوں"

پھر یہی سوال جناب عثمان غنی اللہ عنہ سے کیا۔ وہ بولے۔ سریرتہ خیر من

---

[۳۶] ایضاً۔ [۳۷] ترمذی، مناقب معاذ۔ [۳۸] ابن اثیر ۲: ۲۲۵

[۳۹] ابن اثیر ۲: ۲۲۵

---

[۳۴] ابن اثیر، ۲: ۲۲۴۔ [۳۵] ایضاً، ۲: ۲۲۴

علانیتہ ولیس فینا مثلہ [۳۹] ان کا باطن ظاہر سے بھی اچھا اور حسین ہے ان کی مثل ہم میں کوئی موجود نہیں۔

جب حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ حضرت عمر کے بارے میں مشورے ہو رہے ہیں۔ تو جناب صدیق کے پاس آئے اور کہا،

" آپکے ہوتے ہوئے وہ اتنے زبردست اور سخت گیر ہیں، تنہا حکمران بن گئے تو انکی کیفیت کیا ہوگی،

سوچ لیں رب کو کیا جواب دیں گے ؟"

آپ نے بڑے عزم و وثوق سے فرمایا۔ استخلفت علیٰ اھلک خیر اھلک [۴۰]

" اے طلحہ! میں کہوں گا!" اے مالک!

" تیری مخلوق میں سب سے بہتر شخص کو خلیفہ بنا کر آیا ہوں"

آپکو یقین ہو گیا کہ جناب عمرؓ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں لوگوں کے خیالات بڑے اچھے اور قابلِ قدر ہیں۔ تو ایک روز آپ نے جناب عثمان کو بلایا اور وصیت لکھوانے کیلئے حمد و درود پڑھا۔ مرض کی وجہ سے کچھ دیر کیلئے بے ہوش ہو گئے جب ہوش آیا تو استفسار کیا، کیا لکھا ہے؟

جناب عثمان نے بتایا! میں نے لکھا ہے۔

اما بعد فانی استخلفت علیکم عمر بن الخطاب ولم آلکم خیرا [۴۱]

" میں نے خیر سگالی کے تمام تر جذباتِ صادقہ کے ساتھ، تم پر عمر بن خطاب کو خلیفہ مقرر کر دیا ہے"

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یہ سن کر بہت مسرور ہوئے اور حضرت عثمان غنی کو دعا دی۔ پھر یہ وصیت نامہ مسجدِ نبوی شریف میں بھیجا، لوگوں نے سنا تو رضامند ہو گئے اور اظہارِ خوشنودی کیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بالاخانے سے جھانک کر مزید اطمینان دلایا۔

---

[۴۰] الکامل ابن اثیر، ۲: ۲۲۵۔ [۴۱] ایضاً

احباب و رفقاء! میں نے مکمل سوچ بچار، اور تمام نشیب و فراز پر اچھی طرح غور کرنے کے بعد محض رضائے الٰہی اور تمہاری بہتری کیلئے یہ انتخاب کیا ہے دیکھو میں نے کسی رشتہ دار کو یہ عہدہ نہیں دیا، اس لئے اطاعت کرو اور سکھی بسو! مجھے یقین ہے، عمر فاروقِ اعظم ان تمام توقعات پر پورے اتریں گے، جو میں نے ان سے وابستہ کی ہیں۔

تکلیف زیادہ ہو گئی تو اہل خانہ نے کہا! "کسی ماہر طبیب کو بلالیں؟"

فرمایا! طبیب نے مجھے دیکھ لیا ہے اور فرمایا ہے انی فعال لما ارید

"میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں" [۴۲]

حاضرین مطلب کی گہرائی تک پہنچ کر آبدیدہ ہو گئے۔

آپ نے اپنی صاحبزادی جناب عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔

"میری کوئی جائداد نہیں۔ اگر مناسب سمجھو تو جو زمین میں نے تمہیں دی تھی اسے میراث تصور کر کے اپنے دو بھائیوں اور دو بہنوں میں تقسیم کر دینا۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حیران ہو کر اپنے اس عظیم پدرِ نامدار کی طرف دیکھا۔ آنکھوں میں یہ سوال گردش کناں تھا کہ میری ایک ہی بہن ہے [۴۳] جناب صدیق رضی اللہ عنہ اپنی للّٰہیت، صدیقی شان اور طہارت و لطافت کی وجہ سے روحانیت کے اس منصبِ رفیع تک پہنچ چکے تھے جہاں سے مستقبل آئینہ جم کی طرح دکھائی دیتا ہے۔ اور اسمیں جھانکنے کی سکت رکھنے والا آئندہ رونما ہونے والے واقعات کو ماضی کے واقعات کی طرح دیکھنے لگ جاتا ہے اس موقعہ پر آپ نے مستقبل بینی کی اسی شان کا مظاہرہ کیا اور بتا دیا کہ تیری ایک اور بہن دنیا میں آنے والی ہے جسکی میراث کا بندوبست تیرے ذمہ ہے

فقر و استغناء کا دامن آخری دم تک نہ چھوڑا حکم دیا کہ دھونے کے بعد انہی کپڑوں میں کفن دیا جائے۔ کیونکہ نئے لباس کی زندہ لوگوں کو زیادہ ضرورت ہوتی ہے

[۴۲] الکامل ابن اثیر، ۲: ۲۲۵ - [۴۳] ابن اثیر ۲: ۲۲۳

دو سال، تین ماہ، دس دن، خلافت کی نازک ترین ذمہ داریاں نبھانے، اور دیانت داری و فرض شناسی کی ایک عظیم روایت اور شاندار مثال قائم کرنے کے بعد بروز پیر بعد نماز مغرب بائیس جمادی الاول، ہجرت کے تیرھویں سال اس جہانِ فانی سے بڑے بانکپن کے ساتھ رخصت ہو گئے اور عظمت و تقویٰ خشیت و انابت اور طہارت و عبادت کی ایک ایسی مثال چھوڑ گئے جو منفرد و حسین اور حیرت افزا ہونے کے ساتھ، انسانیت کی بہار، زیب قدسیت اور قابلِ رشک وجہ افتخار تھی۔

غسل و تکفین کے بعد آپکی معنی خیز و پراسرار اور روحانی وصیت کے مطابق آپکا روضۂ اطہر حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لے جا کر رکھ دیا گیا۔ اور بڑی عاجزی و محبت اور کمال ادب کے ساتھ عرض کی گئی۔

السلام علیک یا رسول اللہ! ھذا ابوبکر بالباب

[یا رسول اللہ! آپ پر سلام ہو، یہ ابوبکر در اقدس پہ حاضر ہیں، اور باریابی اور پہلوئے مبارک میں دفن ہونے کی اجازت چاہتے ہیں]

یہ تمام حضرات صاحب حال، دیدہ ور، اور صفائے باطن و تزکیۂ روح کے اعلیٰ مدارج پر فائز تھے۔ صحبتِ نبوت یعنی شرفِ صحابیت نے انہیں اکسیر نگہی، حقیقت بینی، دقیقہ رسی، خود شناسی اور مظاہر سے آگاہی کی شان بخشی تھی، وہ کشف و وجدان کی نزاکتوں، روحانی کمالات کی عظمتوں اور زندہ و بیدار روح کی اعجازی شانوں سے واقف اور اس قدسی جہاں کے کوچہ نورد و راہ شناس مسافر تھے، اس لئے سلام اور درخواست پیش کر کے جواب کے انتظار میں ہمہ تن گوش ہو گئے توقع کے مطابق انہیں اس طرح اذن اور جواب ملا۔

ادخلوا الحبیب الی الحبیب [۴۴] انا الباب قد انفتح واذا بھاتف یھتف من القبر

[۴۴] تفسیر کبیر، ۵: ۶۵۴

اچانک دروازہ کھل گیا، اور نظر نہ آنے والی ہستی نے قبرِ انور سے آواز دی

"حبیب کو حبیب کی آغوش میں پہنچا دو"

یہ جواب سن کر کسی کو بھی اچنبھا یا تعجب ہوا، کیونکہ اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قدسی و نورانی زندگی سے آگاہ و باخبر تھے، زندہ جاوید بارگاہ سے جواب ملنے کا انہیں سو فیصد یقین تھا، چنانچہ حسب منشا جواب پاکر اور دلنواز و شیریں اور نغمہ بار مقدس آواز سن کر سرشار ہو گئے، اور اجازت کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق کیلئے روضۂ اطہر کے قریب حجرۂ پاک میں لحد تیار کی۔ جس حبیب دلنشیں کیلئے زندگی کا کل اثاثہ، اور سب کچھ قربان کر دیا تھا، وصال کے بعد اسی کے پہلو میں شانِ عالی کے مطابق جگہ ملی، اور عشق اس مقام تک جا پہنچا، جہاں سے اس کا خمیر تھا ادب و احترام کے تقاضے ملحوظ رکھتے ہوئے، آپ کو اس طرح دفن کیا گیا کہ آپ کا سر حضور محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کے برابر آگیا۔

اس طرح یار وفا شعار جو غار میں بھی جدا نہیں ہوا تھا، نور و نکہت کے معمورۂ قدسی میں ابدی رفاقت اور کبھی جدا نہ ہونے کیلئے اپنے خلیل و حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلوئے نور میں لیٹ گیا۔

پانچواں باب

حضرت فاروق اعظم
رضی اللہ عنہ

شہادت اور تدفین

ا۔ مرادِ رسُول
ب۔ نگاہِ نبوّت میں
ج۔ جلالتِ شخصیت
د۔ اور جذبۂ حق پرستی

① حضرت فاروق اعظم اور علی المرتضیٰ کی باہمی محبّت
② فدک کی تولیت
③ شہادت و تدفین



الفاروق عمرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جناب عمرؓ رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب نویں پشت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل جاتا ہے۔ قریش کے جدِ اعلیٰ کعب بن لوی تھے جو عمرؓ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے قبیلہ عدی کے بھی جدِ اعلیٰ تھے۔ ع۱

آپ کا خاندان سارے عرب میں شرف و نیابت اور عظمت و توقیر کے اعتبار سے اہم قابلِ تکریم اور خاص مرتبہ و مقام کا مالک تصور کیا جاتا تھا۔ یہ مقام اسے بین القبائلی سفارت اور تسلیم شدہ حکم اور ثالث ہونے کی حیثیت سے حاصل تھا۔ یعنی انہی کا خاندان، نزاعی معاملات میں سفارت کے فرائض انجام دیتا اور کشمکش کی صورت میں فیصلے کرتا تھا جنہیں حرفِ آخر تصور کیا جاتا۔ ع۲

زمانہ ما قبل اسلام میں

امیر المومنین، امام المتقین، صادق القول، ترجمانِ حق و صداقت اور فاروقِ اعظم بننے سے پہلے جناب عمرؓ رضی اللہ عنہ جاہلی عرب کی ممتاز اور قد آور شخصیت تھے۔ جسمانی وجاہت و کسرتی بدن اور بلند و بالا قامت کی وجہ سے سب میں نمایاں نظر آتے فنِ سپہ گری کے ساتھ شوقِ کشتی گیری بھی تھا۔ اس لئے میلہ عکاظ کے اکھاڑوں میں اترتے اور گرانڈیل حریفوں کو پچھاڑ کر اپنی جسمانی طاقت و شہ زوری کا لوہا منواتے ح۳ کشتی کے اکھاڑوں ہی کے نہیں، میدانِ خطابت کے بھی شہسوار اور بحرِ فصاحت و طلاقت کے شناور تھے ح۴

خوبیٔ بیان وصف خاص تھا جس سے حریف یا سامعین پر فوری برتری حاصل

ع۱ العقد الفرید، ۴: ۲۶۹ | ح۴ کتاب البیان والتبیین، ۱: ۲۷
ع۲ ” ” ۳۰: ۱۱۴ | ح۵ فتوح البلدان، ۴۷۱

ح۳ حسنین ہیکل، ۳۳ بحوالہ ابن سعد ح۶ الفاروق عمر، ۳۳

کر لیتے۔ اِن گنے چنے افراد میں سے تھے جو عرب میں زیورِ تعلیم سے آراستہ تھے[5] اگرچہ ابتدائے زندگی دشت پیمائی، حدی خوانی اور ساربانی میں گزری[6] مگر انمول فطری صلاحیتوں کے مالک تھے جن کا اظہار مستقبل میں ہوا۔ اس وقت کے روایتی ماحول کے مطابق آپ حلقۂ اربابِ ذوق میں ایک ماہرِ سخن شناس اور بالغ نظر نقاد کی حیثیت سے بھی متعارف تھے چنانچہ شوق روایات سے آپکی دلچسپی اور اشعار پر نقد و نظر کے کافی تذکرے ملتے ہیں۔[7]

مرادِ رسُول

جناب عمر رضی اللہ عنہ کی یہی جلالت و وجاہت شکوہ و سطوت اور وضع داری انکے حق میں پیامِ رحمت اور ذریعۂ ہدایت ثابت ہوئی۔ ان جلیل و جمیل اوصاف میں انفرادیت نے انکے لئے حق و صداقت اور سعادت و ہدایت کی روشن راہیں کھول دیں۔ انکی ذات اور خوبیوں سے متاثر ہوکر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ انور میں یہ خیال پیدا ہوا کہ عمر دینِ حق کی تبلیغ اور اسکی تائید و نصرت میں ایک اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ یہ خیال آنا تھا کہ دامنِ طلب پھیلا دیا۔ اللھم اعز الاسلام بعمر بن الخطاب[8]

[اے اللہ! عمر کے ساتھ دینِ اسلام کو غلبہ، قوت، دبدبہ اور صولت عطا فرما۔]

دعائے نبوت اور تمنائے رسالت کے اثر و تصرف نے جناب عمر کے دل کی دنیا ہلا ڈالی، سعادتِ ازلی اور فرخندہ بختی نے رہنمائی کی، جسکی قیادت اور جلو میں کشاں کشاں درِ رحمتِ نبوت پر آ گئے۔ حضورِ سراپا کرم رحمتِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے دستِ فیض رساں سینے پہ مار کہ کہا۔

اللھم اخرج ما فی صدرہ من غل وابدلہ ایمانا[9]

---

[7] کتاب البیان والتبیین ۱: ۱۶۹ [8] یہ حدیث ابن سعد اور مستدرک وغیرہ میں مختلف صیغ کے ساتھ مروی ہے مگر سب کا بنیادی مفہوم یہی ہے جس سے اس حدیث کی ثقاہت و صحت درجۂ کمال تک پہنچی ہوئی ہے۔ [9] مستدرک

"اے اللہ! اسکے سینے کی کدورت نکال دے اور اسے ایمان سے بدل دے"۔ عمر کی قسمت جاگی اور دل کا تیرہ و تار ویرانہ ایمان و معرفت کے انوار سے فروزاں ہوگیا۔ مسرت سے در و دیوار گونج اٹھے اور حاضرین کے چہرے وفورِ انبساط و غلبۂ شوق سے گلگوں ہو گئے۔ آسمان سے پیغام آیا۔

استبشر اھل السماء باسلام عمر[10]

[اہلِ زمین ہی نہیں، اہلِ سماء بھی اس لازوال مسرت میں انکے ساتھ برابر کے شریک ہیں اور جناب عمر کے اسلام لانے پہ بے حد خوش ہوئے ہیں۔]

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جناب عمر کے ایمان کی برکات گناتے ہوئے فرمایا ہے۔ جناب عمر کا اسلام فتحِ مبین، آپکی ہجرت نصرتِ خداوندی اور آپکی خلافت رحمتِ ایزدی تھی۔ اس سے پہلے ہم بیت اللہ میں نماز پڑھنے کے حق سے محروم تھے۔ جناب عمر نے بزورِ بازو یہ حق حاصل کیا اور ہم نے بیت اللہ میں آزادی سے نماز پڑھی۔[11]

نگاہِ نبوّت میں

چونکہ عمر فاروقِ اعظم ہستیِ مغتنم تھے جنہیں دامنِ مراد اور دستِ طلب پھیلا کر لیا گیا تھا اس اعزاز و تکریم پر مستزاد، آپکی ذات میں احترامِ انسانیت کی متقاضی دلنواز و خوبصورت خوبیاں بھی موجود تھیں اس لئے مردم شناس نگاہِ نبوت نے نہ صرف ان خوبیوں کو پرکھا اور روحانی و اخلاقی بنیادوں پر انکی تربیت کی اور انہیں درجہ کمال تک پہنچایا، بلکہ عمر فاروقِ اعظم کی ذاتی حیثیت میں ہمیشہ قدر افزائی بھی فرمائی۔ انکے دینی ذوق و ولولۂ شرعی احکام میں دلچسپی و توجہ اور اسلام کے غلبہ و اقتدار کی زبردست خواہش کے پیشِ نظر جب بھی انکی مسرت و تسکینِ قلب اور بالیدگیِ ایمان و یقین کا کوئی موقعہ آیا، روحانی سرور و انبساط کا کوئی سامان ہوا، یا انکے قلب و دماغ میں مسرتوں کے چمن کھلانے والی

---

[10] مستدرک۔ [11] طبقات

کوئی آیت نازل ہوئی، یا کسی معجزہ کا ظہور ہوا۔ مشفق و مہربان اور بندہ پرور آقا نے انہیں بلا بھیجا اور بطورِ خاص انہیں مژدہ سنایا۔

نگاہ نبوت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ پذیرائی اور حضوری اسلئے حاصل تھی کہ وہ قدر و منزلت رکھتے تھے اور منظورِ نظر تھے۔ اور اس منظوری عزت مرتبت کا سبب وہ بے پایاں اخلاص تھا جو دین و ملت کے ارتقاء اور خود بانئ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے آپکے دل میں موجود تھا۔ وہ دل جو اپنے محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزاتِ ظہورِ شان کے موارد اور عظمتوں کے مظاہر دیکھ کر شگفتہ ہوجاتا تھا پھر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم دعوتِ نظارہ دے کر یا پیغام شفقت بھیج کر اسکو شگفتہ چمن اور گلزار و گلشن بنا دیتے تھے۔

چند مثالوں سے آپکے اس منصب اور قرب کی وضاحت کی جاتی ہے۔

الف:۔ جناب جابر رضی اللہ عنہ کے والد ماجد جنگ احد میں شہید ہو گئے انکے ذمے ایک بے رحم یہودی کا قرض تھا۔ جسکی ادائیگی کا فریضہ حضرت جابر کے ناتواں کاندھوں پر آپڑا۔ ستم یہ ہوا کہ اس سال نخلستان میں پیداوار انتہائی کم ہوئی چنانچہ ادائیگی اگلے سال پر ملتوی ہوگئی، مگر دوسرے سال بھی اتنی کھجوریں نہ لگیں کہ قرض کے گراں بار سے جناب جابر کی گلو خلاصی ہو سکتی چنانچہ آپ نے یہودی سے مہلت کا مطالبہ کیا، مگر وہ راضی نہ ہوا۔ ایسے نازک اور مشکل وقت میں کام آنے والی انکی نظر میں ایک ہی ہستی تھی۔ چنانچہ بارِ غم اور خمیدہ گردن کے ساتھ بارگاہِ بندہ نواز میں حاضر ہو گئے نگاہِ کریم نے بھانپ لیا کہ جابر اندوہِ غم سے نڈھال ہے۔ اور کسی ناگہانی صدمے نے اسے پژمردہ کر دیا ہے۔ شفقت کے ساتھ پاس بٹھایا اور کیفیت پوچھی۔

جناب جابر نے رودادِ غم سنائی۔

آقائے کریم نے دستگیری غمگساری اور مشکل کشائی کا وعدہ کیا اور دوسرے دن انکے باغ میں تشریف لیگئے یہودی کو طلب کیا اور اگلے سال قرض وصول کرنے کی سفارش کی مگر وہ نہ مانا۔ دوبارہ سہ بارہ فہمائش پر بھی جب وہ اپنی ہٹ سے باز نہ آیا تو جلالتِ رسالت اور غیرتِ نبوت جوش میں آگئی جابر کو حکم دیا۔

"ہر نوع کی کھجوریں توڑ کر الگ الگ ڈھیر لگا دو"

آپ کھجوروں کے انبار کے درمیان بیٹھ گئے۔ انکے گرد چکر لگائے۔ دعائے خیر و برکت فرمائی۔ پھر جابر سے فرمایا "کھجوریں تول تول کر اس یہودی کو دو اور قرض ادا کر دو" آپ تشریف لے آئے اور حضرت جابر نے تولنے کا عمل شروع کر دیا۔ خود فرماتے ہیں "میری خواہش تھی کہ بیشک گھر کیلئے کچھ نہ بچے مگر والدِ گرامی کا قرض ادا ہو جائے لیکن ہوا یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری اور دعا سے ان کھجوروں میں اتنی برکت پیدا ہو گئی۔ کہ جو یہودی تمام کھجوریں لے کر بھی راضی نہیں ہو رہا تھا ان سے میں نے اس کا تمام قرض ادا کر دیا۔ اور کئی من کھجوریں باقی بھی رہ گئیں"

خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ بے تحاشا بھاگتے ہوئے دربارِ نبوی میں حاضر ہوا اور کھجوروں میں برکت پیدا ہونے کی کیفیت بیان کی۔ شانِ کرامت کے اس اظہار پر محبوب مکرم بھی خوش ہوئے اور فرمایا اشھد انی رسول اللہ [۱۲]
پھر فرمایا ہماری اس شانِ اعجاز کا تذکرہ عمر کے پاس جا کر بھی کرو۔ وہ بہت خوش ہو گا۔ اخبر ذاک ابن الخطاب

جناب عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنے ممدوحِ کریم کی فضیلت و کرامت اور شانِ تصرف کی داستان سن کر وفورِ مسرت سے جھوم گئے اور فرمایا لقد علمت حین مشی فیھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیبارکن فیھا [۱۳]
جب محبوب پاک نے وہاں چہل قدمی فرمائی تھی، مجھے اسی وقت یقین ہو گیا تھا کہ اس میں غیر معمولی برکت ڈال دی جائے گی۔ [۱۳]

(ب) ایک دفعہ جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمرکاب تھے۔ نزولِ وحی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مگر جناب عمر کو پتہ نہ چل سکا۔ اس لئے اپنے محبوب کے ساتھ باتوں میں لگے رہے۔ دو تین بار کوئی بات پوچھی مگر جواب نہ ملا جناب فاروق اعظم کے ہوش اڑ گئے۔ محبوب کی ناراضگی کے تصور نے بے چین

۱۲ے بخاری ج ۸۱۹- ۱۳ے بخاری ج ۳۲۲، ۲۸۵، ۸۱۸، ۳۵۴، ۲۸۶، ۳۷۹

کر دیا۔ فوراً سواری پیچھے کر لی اور بحرِ غم میں غرق ہو گئے۔ کہ حضور کی بے توجہی کسی رنجش کے باعث ہے۔ اب کوئی آیت نازل ہو گی جسمیں سرزنش کی جائے گی اس خیال نے ہلکان کر دیا۔

اتنے میں کسی نے آواز دی کہ، عمر! آپ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یاد فرما رہے ہیں، رہے سہے ہوش بھی جاتے رہے۔ انہیں یقین ہو گیا۔ بارگاہِ رسالت میں خلاف آداب گفتگو کرنے پر کوئی تہدیدی حکم نازل ہو گیا ہے۔ ڈرتے کانپتے پہنچے۔ مگر محبوب کے رخِ پرنور پر مسرّت کی کرنیں اور مسکراہٹ کے پھول دیکھ کر قدرے مطمئن ہو گئے حسبِ دستور اپنے اس عاشق صادق کو پاس بٹھا کر خوشخبری سنائی کہ ایک آیت نازل ہوئی ہے جو ہمیں دنیا جہاں سے زیادہ پیاری ہے کیونکہ اس میں فتح مبین اور مغفرت امت کی بشارت اور اسے جنت میں داخل کرنے کا وعدہ ہے۔

انا فتحنا لک فتحا مبینا [۱۴]

(ج) شراب ایک مکروہ و بدبودار اور اپنے اثرات و نتائج کے لحاظ سے خوفناک و تباہ کار شے تھی۔ زمانہ جاہلیت میں بے محابا اس کے خم لنڈھائے جاتے تھے، مگر اس کے طبعی مزاج کی خرمستی، شورش پسندی اور شرانگیزی کے باعث اسلام کی تابناک فطری تعلیم و روحانی تربیت اور صالح رہنمائی میں یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ انسانی عصمت و عظمت اور شرفِ آدمیت کی دشمن، رہزنِ ہوش و تمکین، فطری سلامت روی و فیروز بختی کی راہ میں سنگ گراں یہ آتش سیال، اسلامی معاشرہ میں، ایک جائز و مباح مشروب کی حیثیت سے جاری نہ رہ سکے گی۔

چنانچہ اس کے بداثرات کو محسوس کرتے ہوئے، سب سے پہلے حضرت عمر نے ہی بارگاہ الوہیت میں عرض کی اللھم بین لنا فی الخمر بیان شفاء

"شراب کے بارے میں واضح حکم نازل فرما۔"

جو بارگاہ نبوّت میں منظورِ نظر تھے بارگاہ الوہیت میں بھی انکی حیثیت کچھ کم نہ تھی، انکی خواہش کی اس طرح پذیرائی ہوئی کہ حکم نازل ہوا۔

[۱۴] ترمذی، ص ۱۵۱

یسئلونک عن الخمر والمیسر، قل فیھما اثم کبیر و منافع للناس واثمھما اکبر من نفعھما

یہ لوگ شراب، قمار بازی کے بارے میں سوال کرتے ہیں؟

انہیں بتا دو! یہ دونوں گناہ کبیرہ ہیں۔ اگرچہ کچھ لوگوں کا اسمیں نفع ہے۔ مگر گناہ نفع پر غالب ہے فدعی عمر فقرئت علیہ

معمول کے مطابق جناب عمر کو بلا کر یہ آیت سنائی گئی۔

چونکہ اس آیت میں حرمتِ شراب کا واضح حکم نہیں تھا۔ اس لئے کچھ لوگ اس آتش سیال سے بدستور شغل فرماتے رہے۔ ایک روز مجلس نا ؤ نوش گرم تھی کہ نماز کا وقت ہو گیا۔ جناب عبدالرحمٰن بن عوف نے حالت سکر میں لا اعبد ما تعبدون کو کلمہ لا حذف کر کے پڑھ دیا۔ جس سے ایمان سوز معنیٰ پیدا ہو گئے۔ جناب فاروق اعظم کو اس واقعہ نے لرزا دیا۔ پھر بارگاہ خداوندی میں عرض کناں ہوئے کہ شراب کے متعلق مزید ہدایت نازل فرمائی جائے۔ چنانچہ اس بار یہ آیت نازل ہوئی۔

یا ایھا الذین آمنوا لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ

اے ایمان رکھنے والو! نشے کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ۔

پھر فاروق اعظم کو بلاوا آیا اور یہ آیت سنائی گئی۔

فاروق اعظم کی طبیعت کو ابھی تک تسکین نصیب نہیں ہوئی تھی آپ سمجھتے تھے مکمل حرمت کے سوا اسکے مضرات اور قبیح نتائج سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ انہی دنوں ایک اور واقعہ نے آپکو پھر دست بدعا ہونے پر مجبور کر دیا ہوا یہ کہ ایک محفل میں حضرت سعد نے نشے کی ترنگ میں ایسے فخریہ اشعار پڑھنے شروع کر دیئے جسمیں انصار کی ہجو تھی۔ ایک انصاری نے غصہ میں آ کر انہیں زخمی کر دیا۔ حضرت سعد نے بارگاہِ رسالت میں شکایت کی۔ چونکہ یہ ساری شراب خانہ خراب کی کارستانی تھی۔ اس لئے حضرت عمر نے تصریح کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں فیصلہ کن اور دوٹوک حکم نازل کرنے کی دعا کی چنانچہ یہ آیت اتری

یا ایھا الذین آمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوۃ فھل انتم منتھون ؛

"اے ایمان والو! شراب، جوا، بت اور پانسے شیطانی اور گندے اعمال ہیں۔ فلاح و کامرانی کیلئے ان سے بچو۔ شیطان تمہارے دلوں میں بغض و عداوت ڈالنا اور جوئے شراب کی بدولت تم کو ذکر و نماز سے روکنا چاہتا ہے۔ تو کیا اب تم شراب وغیرہ سے رک جاؤ گے؟"

خصوصی طور پر جناب عمرؓ کو بلا کر یہ آیت پڑھی گئی تو بے ساختہ انکی زبان سے نکل گیا انتھینا، انتھینا "اے میرے رب! ہم رک گئے، ہم باز آ گئے" ۱۵ے

(د) دربارِ رسالت میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو مشیرِ مقبول اور مقرب خاص کی حیثیت بھی حاصل تھی، جو عرض کرتے آقا علیہ السلام قبول فرماتے۔

ایک غزوہ میں خوراک کی کمی نے مجاہدین کو سواری اور بار برداری کے اونٹ کھانے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ فوج کی تعداد کے مطابق اونٹ ذبح کرنے کی منصوبہ بندی کر دی گئی۔

فاروقِ اعظم کو جب اس تجویز اور منصوبہ بندی کا علم ہوا تو کشاں کشاں اپنے محبوب کی بارگاہ میں پہنچے اور دست بستہ عرض کی۔

اگر اونٹ اسطرح کھائے گئے تو سواری کیلئے کچھ بھی نہ بچے گا۔ اور لشکر کو بعد میں بڑی تکالیف اور شدائد کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ حضور لوگوں کے پاس "بچی ہوئی خورد و نوش کی اشیاء" طلب فرمالیں اور ان میں برکت کی دعا فرما دیں۔ اس طرح لشکر کی ضروریات بھی پوری ہو جائیں گی، اور سواری کے اونٹ بھی بچ جائیں گے۔

چنانچہ اس مشورے پر عمل کیا گیا، ایک دستر خوان پر تمام چیزیں حضور کے

سامنے پیش کر دی گئیں۔

آپ نے ان پر دعائے خیر و برکت فرمائی۔

لوگ اپنی زنبیلیں اور توشہ دان لے کر آ گئے، سب نے ضرورت کے مطابق برتن بھر لئے بابرکت طعام کے اس خزانے میں کوئی کمی نہ آئی۔ اس ظہورِ معجزہ اور شانِ کرامت پر خود محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مسرت ہوئی جس کا اظہار آپ نے ان الفاظ میں فرمایا۔ اشھد انی رسول اللہ ۱۶ے

(میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک میں اللہ کا رسول ہوں۔)

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی مسرت کی تو کوئی حد نہ تھی کیونکہ انہی کی درخواست پر اس معجزہ کے ذریعہ ایمان و ایقان کی بالیدگی اور عزم و یقین کے ثبات کا سامان ہوا تھا، اور انکے محبوب نے ان کا مشورہ مان کر ان کی عزت کو آسمان رفیع پر پہنچا دیا تھا۔ یہ نوازش و شفقت اس حقیقت کی بین دلیل ہے کہ نگاہ نبوت میں ان کو محترم مقام حاصل تھا۔

جلالت شخصیت اور جذبہ حق پرستی

جناب فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ جلالت و ہیبت میں فرد اور رعب و دبدبہ کے معاملہ میں یکتا "شخصیت" کے مالک تھے۔ قدرت نے آپکی ذات کو وہ جاہ و جلال بخشا تھا اور ایسے باوقار انداز عطا کئے تھے کہ دیکھنے والا مبہوت و مرعوب ہو جاتا، بارعب شخصیت اتنی پر جلال اور باا ثر تھی کہ جہاں جاتے ساری محفل پہ چھا جاتے، اور کسی کو شیر ببر کی عظمت و وجاہت کے سامنے دم مارنے کی جرات نہ ہوتی۔

(الف) ایک عقیدت مند حبشی عورت نے اپنے مزاج کی سادگی، تعلیمات اسلام سے ناآشنائی اور زمانۂ جاہلیت سے قرب کے باعث یہ نذر مانی کہ جب محبوب خدا

میدان کارزار سے بعافیت واپس تشریف لائیں گے۔ تو وہ دف بجا کر اپنے جذبات مسرت و عقیدت کا اظہار کرے گی عـہ

حالات نے یہ موقعہ فراہم کر دیا، وہ بدوی عورت دف لے کر آگئی، اور اپنی نذر کا ماجرا بیان کیا۔ صاحب الشریعۃ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاحظہ فرمایا کہ بالکل سادہ، جذبات سے عاری ایک کالی کلوٹی عورت ہے، جسکی اس حرکت سے کسی فتنہ و فساد بدنظری، طبعی ہیجان یا لذت اندوزی کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ خدا اور رسول کے ساتھ سچی محبت اور سادگی نے اسے ایسی نذر ماننے پر مجبور کیا ہے۔ لہٰذا اسکے خلوص کا احترام کیا، از راہ قدر افزائی اسے دف بجانے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ کیونکہ کوئی شرعی قباحت اور ممانعت موجود نہیں تھی۔ [۱۴]

حاشیہ

عـہ اس جگہ یہ وضاحت ضروری ہے کہ:۔

یہ اس دور کا واقعہ ہے جب رسوم و رواج کی طرح نذر ماننے کا بھی کوئی اصول نہ تھا۔ زمانہ جاہلیت سے قریب تر ہونے کی وجہ سے لوگ اس زمانے کی رسموں پر کاربند تھے، ایسی عادات بھی ان میں پائی جاتی تھیں جو کبھی اسلام اور اس کے پاکیزہ و لطیف مزاج کا ساتھ نہیں دے سکتی تھیں مگر ابھی تک انکے بارے میں واضح احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ وہ بدستور ان میں موجود تھیں شراب پی جاتی تھی، نیک کام نہ کرنے کی قسمیں کھائی جاتی تھیں اور نوحہ و ماتم کی اجازت طلب کی جاتی تھی۔ چنانچہ ایک صاحبہ نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ "ان کو بین کرکے بدلہ چکانے کی اجازت دی جائے"

لیکن جب اسلام نے واشگاف انداز میں ہدایات جاری کیں تو سب ان عادات سے باز آگئے، شراب کے خم توڑ دیئے گئے، ماتم اور سینہ کوبی ختم کر دی گئی قسموں کی آڑ میں نیک کاموں سے باز رہنا ترک کر دیا گیا۔ اسی طرح انہوں نے نذر ماننے کے ڈھنگ بھی سیکھ لئے، کہ رقص و سرود اور دف بجانے کی نذر نہیں مانی جاتی

[۱۴] ترمذی، مناقب عمر

باقی حاشیہ آگے

وہ عورت نذر پوری کرنے میں مصروف ہوگئی، اس دوران جناب صدیق و عثمان اور علی المرتضیٰ علیہم الرضوان تشریف لائے، مگر جمال و رحمت کے ان پیکروں کی آمد سے اس عورت کے عمل میں کوئی فرق نہ آیا۔ اچانک جناب فاروق دکھائی دیئے۔ وہ آپکے رعب و جلال سے اس قدر خوفزدہ اور مرعوب ہوئی کہ یکدم دف نیچے پھینک دی اور خود اس پر بیٹھ گئی تاکہ جناب کو پتہ نہ چلے۔

(ب) ایک حبشی لڑکی کے ساتھ بھی اسی قسم کا واقعہ پیش آیا۔

وہ کسی خوشی کے موقعہ پر اچھل کود رہی تھی بچے اپنی عادت کے موافق اس سامان تفریح کے گرد جمع ہو کر شور مچا رہے تھے۔ اور اسکی بے ہنگم اور بے ڈول حرکات سے بہت محظوظ ہو رہے تھے کہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے، اپنی اہلیہ محترمہ جناب عائشہ رضی اللہ عنہا کی کم سنی اور بچپن کا لحاظ کرتے ہوئے فرمایا۔

"اے عائشہ! کیا یہ کھیل دیکھو گی؟"

بقیہ حاشیہ

بلکہ اطاعت و عبادت کے ساتھ نذر مانی جاتی ہے

یہاں یہ تشریح و تنبیہ بھی ضروری ہے کہ

اس حبشی عورت کو دف بجانے کی اجازت دینے میں کوئی شرعی قباحت نہیں تھی نہ ہی کسی فتنہ و فساد اور کسی قسم کی خرابی کا اندیشہ تھا، وہ ایک سیاہ بھجنگ عورت تھی جسے اس عمل میں جنسی لذت یا شہوانی جذبات کیلئے کوئی ترغیب یا تحریک موجود نہ تھی۔

اس سادہ دل بے ریا اور مخلص خاتون کے اس عمل سے چودھویں صدی میں رقص و سرود اور چنگ و رباب کے جواز کیلئے استدلال کرنا، انتہائی ڈھٹائی، ذہنی کج روی، علمی خیانت اور نفس و ہوس کے بے دام غلام ہونے کی دلیل ہے۔

یہ رقص و سرود باقاعدہ فن ہے، جس کا منتہائے مقصود ہی جذبات میں آگ

باقی حاشیہ آگے

انہوں نے رضا مندی کا اظہار کیا اور آپ نے اپنی اوٹ میں لے کر وہ تماشا دکھانا شروع کر دیا۔ ابھی یہ سلسلہ جاری ہی تھا کہ جناب عمر آ گئے سب لوگ آناً فاناً منتشر ہو گئے۔ حضور علیہ السلام نے اپنے عمر کا یہ رعب و دبدبہ دیکھ کر فرمایا! عمر کے آنے سے تمام شیاطین بدحواس ہو کر بھاگ گئے ہیں۔ [18]

ما لقیک الشیطان سالکا فجا قط الا سلک فجا غیر فجک [19]

(اے عمر! اگر شیطان تمہاری رہ گذر میں آ جائے تو وہ راستہ ہی چھوڑ جاتا ہے)

آپکی جلالت کی نمود، یہ واقعہ بھی ہے۔

(ج) ازواج پاک حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد مجتمع ہو کر اپنے مطالبات کی فہرست پیش کر رہی تھیں، اپنے منصب اور حسین رشتہ کے عین مطابق انہوں نے بے تکلف انداز اختیار کر لیا۔ جسکے نتیجے میں کافی شور پیدا ہو گیا۔

اچانک فاروق اعظم تشریف لے آئے، سب نے دم سادھ لیا اور

بقیہ حاشیہ

لگانا اور خون میں ہیجان پیدا کرتا ہے جب کوئی ماہ رخ سیمتن، سرو قامت اور محشر خرام قتالہ روزگار بناؤ سنگار کی تمام حشر سامانیوں اور عشوہ طرازیوں کے ساتھ نازک کمر کو بل دے دے کر متناسب اعضاء اور سڈول جسم کے پیچ و خم کی نمائش کرتی ہے۔ تو ہزاروں دل بہک جاتے ہیں، ہزاروں آنکھیں بن پئے مست ہو جاتی ہیں اور ہزاروں قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔

اسی لئے اس دور کے مزامیر اور طاؤس و رباب کو اس سادہ زمانے کی سادہ دف کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہے۔ جو نہ خود فتنہ انگیز تھی نہ اُس کو بجانے والی، اگر اسکے بجانے میں فتنہ آرائی کا اندیشہ ہوتا تو منصب نبوّت سے بعید تھا کہ اجازت ملتی۔ دف بجانے کا اذن مل جانا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ عمل بد اثرات اور خرابات سے پاک تھا۔ (باقی حاشیہ آگے)

[18] ترمذی، مناقب عمر [19] بخاری، ۵۶۴

بھاگ کر پردوں کی اوٹ میں چلی گئیں۔

انکی اس بدحواسی گھبراہٹ اور افراتفری سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بہت محظوظ ہوئے اور فاروق کو دیکھ کر مسکرا کے کہا۔

اے عمر! تم سے پہلے یہ خواتین عرب پوری شدومد کے ساتھ مطالبات پیش کر رہی تھیں، تمہاری سن گن پاتے ہی بھاگ گئیں۔

جناب فاروق نے بلند آواز سے فرمایا

اے اپنی ذات کی عدوات! حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ڈرتی ہو اور میرا اتنا خوف ہے؟ ایسا نہیں ہونا چاہیئے، حضور سے ڈرو!

انہوں نے جواب دیا۔

حضور تو پیکر جمال و رحمت ہیں، اسلیئے آپکے دامن شفقت پر تو ہم ناز کرتی ہیں مگر آپ کی ذات سے ڈر آتا ہے۔ [20]

بقیہ حاشیہ

چنانچہ جہاں بھی ایسی صورت ہوتی، وہاں خود اجازت عطا فرماتے۔ ایک مرتبہ ایک انصاری کی شادی ہوئی، دلہن کو بھیجا گیا تو آپ نے پوچھا

"کیا ساتھ کوئی سامانِ طرب بھی روانہ کیا تھا؟ کیونکہ انصار ذرا چہل پہل کو پسند کرتے ہیں" (بخاری ۷۷۵)

لیکن جہاں عدم جواز کی کوئی صورت ہوتی، آپ خود منع فرما دیتے۔ بنت معوذ کی شادی ہوئی تو لڑکیوں نے جنگ بعاث کے فخریہ اشعار گانے شروع کر دیئے، حضور علیہ السلام تشریف لائے تو لڑکیوں نے نعت نبی شروع کر دی۔

وفینا نبی یعلم ما فی غد

چونکہ شادی بیاہ کا موقعہ تھا کھیل تماشے کی صورت تھی جس حالت میں ذکر نبی ادب کے منافی ہے اس لئے آپ نے روک دیا۔ اور فرمایا، جو پہلے گا رہی تھیں وہی گاؤ! (بخاری ۷۷۳)

[20] بخاری ۵۲۰

جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی یہی باکمال وجاہت وجلالت اسلام کے حلقۂ ارادت میں آکر اہل باطل کے حق میں تیغ بے نیام، تند و تیز سیلِ بے اماں اور شعلہ جوالہ بن گئی، جسکی زد میں آکر کفر ہمیشہ مقہور و ذلیل ہوا اور نادم و پشیمان الٹے پاؤں مڑا۔

(د) جنگِ احد میں مسلمانوں کی بدنظمی سے فائدہ اٹھا کر ابوسفیان کو جنگی کارروائی کا موقعہ مل گیا۔ اس نے اچانک جوابی حملہ کر کے ستر مسلمان شہید کر دیئے۔ اور ایک پہاڑی پہ چڑھ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ حضور علیہ السلام شہید ہو گئے ہیں۔ بولا "کیا تمہارے نبی زندہ ہیں؟"

آقا علیہ السلام نے جواب دینے سے منع فرما دیا۔ حضور کے بعد اسکی نظر میں جناب صدیق اور جناب عمر کی شخصیتیں ہی اہم تھیں، چنانچہ ان دونوں کے بارے میں پوچھا، مگر آپ نے اس دفعہ بھی جواب دینے سے روک دیا۔ ابوسفیان کی خوشی کی انتہا نہ رہی مسرت سے چلا کر بولا! "یہ تمام لوگ قتل کر دیئے گئے ہیں۔"

جناب فاروق کا جذبۂ ایمانی جوش میں آگیا، جذبات قابو میں نہ رکھ سکے اور چلا کر فرمایا" دشمنِ خدا! تیرا یہ خیال باطل ہے، حضور بھی زندہ ہیں اور ابوبکر بھی!"۲۱؎

منافقین اپنی ریشہ دوانیوں اور ذاتِ اقدس نبوی کے خلاف سازشوں میں ملوث رہنے اور شانِ نبوت میں ناشائستہ انداز اختیار کرنے کے باعث ہمیشہ آپکے اعتراضات کا ہدف رہے۔ اور آپکی جلالت سے انہوں نے کبھی اماں نہ پائی، ایک نبوی فیصلہ نہ ماننے والے منافق کا تو آپنے سر ہی اڑا دیا۔

دین کے معاملے میں بھی فوراً جوش میں آجاتی اور دفاع کیلئے آپکو آمادہ و تازہ دم کر دیتی تھی، یہ محالات میں سے تھا، کسی بات کو شرع و دین کے خلاف دیکھ کر خاموش و ساکن رہیں۔

(ھ) ایک دفعہ ہشام نے نماز میں سورۂ فرقان پڑھی، چونکہ ابتدا میں بڑے بڑے قبائل کو اپنے لہجے اور انداز میں قرآن پاک پڑھنے کی اجازت تھی اس لئے جناب ہشام

۲۱؎ بخاری، ۵۷۹

نے اس رعایت اور اجازت سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔

جناب فاروق اسکے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، لغتِ قریش کے خلاف قرأت سن کر تلملا گئے، نماز کا احترام مانع رہا وگرنہ اسی وقت دبوچ لیتے۔

جونہی نماز ختم ہوئی آپ نے اس کے گلے میں کپڑا ڈال کر بل دے دئے اور گھسیٹتے ہوئے دربارِ نبوی میں لے آئے کہ اس نے غلط تلاوت کی ہے۔

حضور نے اس سے تلاوت سنی اور فرمایا، "درست ہے۔"

پھر جناب فاروق کو تلاوت کا حکم دیا اور فرمایا "یہ بھی درست ہے۔"

تب کہیں جا کر جنابِ فاروق اعظم کی تسلی ہوئی، اور آپ نے ہشام کی جان چھوڑی ۲۲؎ عام طور پر جلیل و عقیل اور سخت گیر لوگ بڑے ہٹ دھرم، ضدی اور خود بین ہوتے ہیں ہر بات کو اپنے وقار و مقام اور اپنی عزت و تمکنت کا مسئلہ بنا لیتے ہیں اور کوئی جائز بات سننے کیلئے بھی تیار نہیں ہوتے۔

مگر جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے جاہ وجلال نے آپ کو کبھی قبولِ حق سے نہ روکا، اور نہ آپ نے کسی چیز کو اپنے وقار اور مرتبے کا مسئلہ بنایا، جس صورت کو حق سمجھتے، اس کا برملا اعتراف فرماتے، خلافت کا منصب جلیل سنبھالتے ہی آپ نے جو خطبہ دیا وہ انہی احساسات کا ترجمان ہے۔

" میں آپ ہی میں سے ہوں، اپنے پیشرو، خلیفہ رسول کی حکم عدولی اور خلاف ورزی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اے میرے اللہ! میں سخت ہوں، نرم کر، ضعیف و ناتواں ہوں مجھے قوت و توانائی بخش، بخیل ہوں، سخی بنا! یاد رہے! یہ امتحان ہے، بخدا ہر مشکل کو حل کروں گا، اور دیانت و امانت کا دامن کسی صورت میں ہاتھ سے نہیں چھوڑوں گا۔ میرے نزدیک ہر ناتواں قوی ہے، تا آنکہ اس کا حق دلا دوں، اور ہر طاقتور، کمزور ہے، تا آنکہ اس سے حق وصول کر لوں۔ ۲۳؎

آپ کی خلافت کا زریں دور اس حقیقت کبریٰ پر گواہ ہے، کہ جو کچھ آپ نے فرمایا،

۲۲؎ بخاری ۷۴۷، ۲۳؎ طبقات، ۷۳:۳

اس پر پوری طرح عمل کیا، اور منصب کی جلالت و بزرگی کبھی راہ حق میں رکاوٹ نہ بنی۔ آپ نے بڑی فراخدلی سے مفید مشوروں کو قبول کیا اور صدقِ دل سے انکی افادیت و اصابت کا اعتراف کیا۔

اس دعوے کی وضاحت و تائید کے لئے دو روائتیں پیش کی جاتی ہیں دورِ فاروقی میں ایک لڑکے کی گریہ وزاری اور فغاں و فریاد نے کئی دلوں کو پگھلا دیا۔ اسے عدالت فاروقی میں پیش کیا گیا جہاں اس نے یہ رودادِ غم سنائی کہ میری ماں نے مجھے بیٹا تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے اس لئے کبیدہ خاطر رہتا ہوں۔

عورت کو عدالت میں طلب کیا گیا، جسکے ہمراہ چالیس آدمی بھی آئے جنھوں نے بتایا، یہ لڑکا کذاب اور دغا باز ہے، اس عورت کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں، کیونکہ یہ ابھی تک کنواری ہے۔ "تحقیقات کی خاطر لڑکے کو جیل میں بند کرنے کا حکم دے دیا گیا۔

راستے میں جناب علی المرتضیٰ سے ملاقات ہوگئی، سپاہی رک گئے، لڑکے نے ماجرائے دردِ دل کہہ سنایا۔ آپ نے سپاہیوں کو حکم دیا، عدالت فاروقی میں واپس چلو، یہ فیصلہ ہم کریں گے۔

آپ نے نئے سرے سے مقدمہ سن کر لڑکی کے ورثاء سے پوچھا، کیا تم اس لڑکی کا اختیار مجھے سونپتے ہو؟" انہوں نے بخوشی سونپ دیا۔

آپ نے چار سو درہم اپنی جیب سے نکال کر لڑکے کو دیئے، اور حق مہر باندھ کر فوراً اس عورت کا نکاح لڑکے کے ساتھ کر دیا۔

یہ سچ جھوٹ معلوم کرنے کی عمدہ ترکیب تھی، وہ عورت پھوٹ پڑی کہ یہ واقعی میرا بیٹا ہے، اور اسکے ساتھ میرا نکاح نہیں ہو سکتا۔

جناب علی کے اس فیصلے کو سراہتے ہوئے اور آپکی ذہانت و طباعی کی داد دیتے ہوئے جناب عمر نے بڑی فراخدلی سے فرمایا۔

لولا علی لھلک عمر —— اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتے۔

(فروعِ کافی جلد ثالث کتاب القضایا - باب النوادر)

آپ ہی کا یہ قول ہے

اے اللہ! مجھے کسی الجھن اور پیچیدگی کیلئے زندہ نہ رکھ، کہ وہ پیش آئے اور اسکے حل کیلئے علی نہ ہوں۔

ایک دفعہ جناب عمر نے بھرے مجمع میں کہا۔

"اگر ہم تمہیں غلط روی پہ مجبور کر دیں، تو تم کیا کرو گے؟"

جناب علی نے جواب دیا، پہلے تائب ہونے کیلئے کہیں گے، اگر توبہ کر لی تو بہتر ورنہ سر اڑا دیں گے، جس میں دو آنکھیں چمک رہی ہیں۔

جناب عمر نے ناراض ہونے کی بجائے، بڑی مسرت سے کہا! خدا کا شکر ہے جس نے امت میں ایسے جوانمرد بھی پیدا فرما دیئے ہیں کہ اگر ہمارے اندر کجی بھی پیدا ہو جائے تو وہ دور کر دیں (کشف الغمہ، ا: ۱۵۷)

حضرت فاروق اعظم اور علی المرتضیٰ کی باہمی محبت

جناب فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی ذات انمول اوصاف اور بے نظیر و محمود خصائل کا حسین مرقع تھی جس میں شجاعت و دیانت، محنت، ذمہ داری، استقامت، حق پرستی بے نفسی و ریاضت، خیر خواہی و حق پژوہی، دقتِ نظر و مآل اندیشی، وجاہتِ شخصیت و طبعی ذکاوت اور خلوص و ایثار کی ساری قدریں مجتمع ہوگئی تھیں، مگر جو خلوص، جذبۂ عشق اور جوشِ عقیدت آپکے قلبِ انور میں اہل بیت کرام کیلئے تھا، اسکی مثال نہیں ملتی کیونکہ اہل بیت کا نسبی و روحانی تعلق اس محبوب کے ساتھ تھا جس کیلئے انہوں نے ساری کائنات ترک کردی اور اپنی ہستی تک بھلادی تھی اور انکی امت کی فلاح و بہتری کیلئے اپنی زندگی کانٹوں کی سیج بنالی تھی، مگر اس تکلیف و عسرت کا شکوہ کبھی زباں سے نہ کیا تھا اور نہ اس تکلیف کو تکلیف سمجھا، بلکہ اس راہ کی دشواریوں اور خاروں کو ہمیشہ حریر و پرنیاں ہی کا درجہ دیا۔

جناب علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تو خلیفہ اول کی طرح ابتدا ہی سے آپ کی دوستی تھی اور اس دوستی میں ان دونوں حضرات نے بارہا خلوص و محبت سے رنگ بھرا تھا جس کا رنگین و جمیل عکس یہ حقائق و واقعات ہیں۔

(الف) جناب سیدہ زہراء فاطمہ رضی اللہ عنہا کیلئے اکابر قریش نے سلسلہ جنبانی کی مگر جناب رسالتمآب نے کوئی رشتہ قبول نہ کیا، ایک روز جناب صدیق و عمر خاص جذبات و عزائم کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلاش میں نکلے جو محنت مزدوری کیلئے گئے ہوئے تھے، دونوں کے جذبۂ محبت میں بے پناہ تموج تھا کہ علی کے ساتھ دوستی کا حق ادا کیا جائے، اور انکے سر کرامت پر عزت و افتخار کا ایسا حسین سہرا سجا دیا جائے جیسے سدا بہار پھول کبھی پژمردہ نہ ہوں۔ دونوں گوہرِ مقصود ڈھونڈنے میں کامیاب ہوگئے۔ اور حضرت علی سے کہا!

قریش کے مقتدر ترین لوگوں نے جناب سیدہ کیلئے دربار نبوی میں پیغام دیا ہے، مگر آپ نے منظور نہیں فرمایا، ہمارا قیاس یہی ہے کہ نگاہِ انتخاب تم پر پڑ چکی ہے، صرف عرض گزارنے کی دیر ہے جرأت سے کام لو، اور دربار رحمت میں جا کر عندیہ بیان کرو۔ ہمیں وثوق ہے، خواستگاری کے ساتھ ہی منظوری ہو جائے گی،،

یہ سنتے ہی جناب علی کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ پڑا، جیسے دل کی بات منہ سے چھین لی گئی ہو مگر کامیابی کی امید نہ ہونے کے باعث حسرت و یاس نے اشکوں کی صورت اختیار کرلی اور بولے " میری تو عرصہ سے یہ خواہش تھی، مگر تنگدستی مانع رہی ہے، افلاس و غربت کے تصور نے کبھی لب کشائی کی جرأت نہ بخشی۔

دونوں حضرات اپنے جگری دوست کی اس گریہ وزاری سے بے قرار ہوگئے اور ڈھارس بندھائی: لاتقل ھذا فان الدنیا ومافیھا عند اللہ تعالیٰ وعند رسولہ کھباءٍ منثور

" دوست! یہ بات مت کہو! دنیا اور اس کے سارے زخارف، خدا اور رسول کی نگاہ میں ذرۂ بے مقدار سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔"

احباب کی تقریر و تشجیع سے جناب علی میں قدرے جرأت و ہمت پیدا ہوئی آپ اسی ہمت کے سہارے بارگاہ نبوی میں پہنچے، اور مدعا بیان کیا، گویا اسی چیز کا انتظار تھا، فوراً منظوری ہوگئی۔ جناب علی شاداں و فرحاں نکلے، جب دونوں حضرات نے یہ مژدۂ حیات افزا سنا تو اپنے دوست کی خوش بختی پر مسرت سے کھل اٹھے اور بہت ہی خوش ہوئے۔ [۲۴]

محبت و وفا کی یہی تاریخ جناب فاروق اعظم کے خاص دورِ خلافت میں بھی دہرائی گئی اور ایسے حسین انداز میں اس کا اعادہ ہوا کہ نقوشِ الفت تابندہ ہوگئے۔

(ب) ایران فتح ہوا تو اسیرانِ جنگ میں یزدجرد شاہ ایران کی بیٹی بھی مدینہ طیبہ آئی

۲۴ے کشف الغمہ، ۱: ۸۷ھ – ۸۸ھ ۔ جلاء العیون ۔ ۱۱۳

اسکی آمد کی خبر سن کر عورتیں چھتوں پر چڑھ گئیں، اور اسکے حسن جہاں افروز کی تابانیاں دیکھ کر دنگ رہ گئیں، کوچہ و بازار منور ہو گئے، ایسی باکمال و وجیہ لڑکی کیلئے رفیق سفر تلاش کرنے کا مسئلہ بڑا پیچیدہ تھا، مگر جناب فاروق اعظم کی محبت و عقیدت اور شفقت نے اسے چٹکیوں میں حل کر دیا۔ اگرچہ بعض حضرات نے اس شہزادی کو شہزادۂ امیر المومنین جناب عبداللہ کیلئے منتخب کرنے کا مشورہ دیا، مگر آپ نے قبول نہ فرمایا اور شہزادۂ سید الکونین جناب امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ کا نکاح کر دیا اور خیر و برکت کی دعا کے ساتھ یہ پیش گوئی بھی کی کہ لیلدن منہا خیر اھل الارض فولد علی ابن الحسین۔ ۲۵ے

(اس لڑکی شہر بانو سے ایسا بچہ متولد ہوگا، جو تمام اہل زمین سے بہتر ہوگا۔)

چنانچہ جناب زین العابدین پیدا ہوئے،

(ج) جنگ احزاب میں ابن عبدود جیسے گرانڈیل اور قوی ہیکل کافر کے سامنے جناب علی صف آرا ہوئے، وہ آپکے چھریرے بدن پہ ہنسا اور کہا!

" بھتیجے! واپس جاؤ، تمہارے باپ کے ساتھ میرے مراسم تھے اس لئے تمہیں قتل کرنا نہیں چاہتا جناب علی نے اسکی نخوت، اس کا انداز استہزاء اور طاقت کا توازن نظر انداز کر کے فرمایا۔

" مگر میں تو تمہیں قتل کرنا چاہتا ہوں "

اس جملے نے اسے سیخ پا کر دیا، غرا کر حملہ آور ہوا، مگر ذوالفقار حیدری نے ایک ہی وار میں اسکے تن و توش کے دو ٹکڑے کر دیئے۔

کافر کو جہنم رسید کر کے واپس آئے تو دونوں پیارے دوستوں نے ہاتھوں پہ اٹھا لیا۔ فقام ابوبکر و عمر فقبلا راس علی ۲۶ے

اور جناب علی کے سر کو بوسے دیئے۔

جناب علی نے بھی اس الفت و پیار کے جواب میں کبھی بخل سے کام نہ لیا، ہمیشہ

۲۵ے اصول کافی ۲۹۶، جلاء العیون ۷۹۴ - ۲۶ے کشف الغمہ، ا: ۲۷۳

جناب مشورے دیئے، اور پر خلوص جذبات کا مظاہرہ کیا۔ یہ دو مثالیں اس حقیقت کی دلیل ہیں۔

(الف) روم کی سرحدوں پر قیصر نے لاتعداد فوجیں لا ڈالی تھیں، جناب عمر نے بذات خود افواج کی کمان کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ جناب علی بولے۔

آپ کا نہ جانا بہتر ہے، خوانخواستہ ہزیمت اٹھانا پڑی تو مرکز سے آپکی عدم موجودگی کے باعث مسلمانوں کیلئے کوئی پناہ گاہ باقی نہیں رہے گی، کوئی مرجع نہیں ہوگا کہ اسکی طرف رجوع کر سکیں، اسلئے آپ کوئی ہنر مند جنگی فنون کا ماہر، اور قائدانہ صلاحیتوں کا مالک منتخب کریں۔ اس کی قیادت میں بہادر و جنگ آزمودہ مجاہدین بھیجیں، اگر وہ فتح یاب ہو گئے تو گوہر مقصود حاصل ہو جائے گا۔ بصورت دیگر آپکی ذات تو ہو گی جس کی طرف مسلمان رجوع کر سکیں گے ۲۷ے

ایک اور موقعہ پر جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی جذبات کا اظہار کیا جن میں محبت کی مہک اور خلوص کی لازوال خوشبو موجود ہے۔

اسلام کا غلبہ و اقتدار، افواج کی قلت و کثرت پر موقوف نہیں۔ یہ خدا کا دین ہے، جس کا وہ خود حامی و ناصر ہے اور اسے غالب و مقتدر کرنے والا ہے۔ اس دین کا خادم، منتظم اعلیٰ یا خلیفہ اس امت میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ جیسے ہار کے دانوں کو منظم رکھنے کیلئے دھاگے کو اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ اگر وہ دھاگہ ٹوٹ جائے تو دانے بکھر جاتے ہیں اے امیر المومنین! آپ مسلمان فوج کیلئے قطب بن جایئے، وہ قطب یا کیل جس کے گرد چکی کے پاٹ گھومتے ہیں، وہاں جانے کی بجائے یہیں رہ کر کفار کو اس چکی میں پیس ڈالیئے۔ ۲۸ے

۲۷ے نہج البلاغہ ا: ۲۷۲ شرح فیض الاسلام ۴۰۶ - ۲۸ے نہج البلاغہ ا: ۲۸۳

فدک کی تولیت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک جیسے باغات کے بارے میں واضح ہدایات عطا فرمادی تھیں کہ انہیں نبی کی میراث کے طور پر قطعی تقسیم نہیں کیا جائے گا، بلکہ انکی آمدن معمول کے مطابق مصارف پر خرچ کی جائے گی۔

جناب صدیقِ اکبر نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین کی حیثیت سے اس فرمودۂ رسالت پر پورا پورا عمل کیا اور اپنی زیر نگرانی ان ہی خطوط پر ان کی آمدن صرف فرمائی جن پر آقا علیہ السلام صرف فرماتے تھے۔

پھر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے عہدِ اقتدار میں بھی دو سال تک اسی طرح انتظام رہا، چونکہ شرعی طور پر انکی اجازت تھی کہ امام وقت اور خلیفۂ زماں، بذاتِ خود یا اپنا کوئی نائب اور متولی مقرر کر کے اس کا انتظام کر سکتا ہے۔ اس لئے جناب علی اور عم

حاشیہ: فے کی نگرانی جانشین رسولؐ کے سپرد ہے

اس حقیقت کبریٰ اور مسلمہ اصول کی شیعی روایات سے بھی تصدیق و تائید ہوتی ہے اور واضح ہوتا ہے کہ خود ان کے معتبر اکابر و ائمہ کے ہاں بھی یہی بات حق ہے کہ امام وقت کو مال فے میں حسب منشا اور قومی فلاح و بہبود کے مطابق تصرف کرنے کا اختیار ہے، اس غلط خیال کو جو ہوا دی جا رہی ہے کہ اس معاملہ میں حاکم وقت بے دست و پا اور مجبور محض ہوتا ہے، محض گھڑا ہوا اور اختراعی خیال ہے، وگرنہ حقیقت و واقعہ اور مستند شیعہ مآخذ کی روشنی میں فرمودات ائمہ سے اسے کوئی تعلق نہیں ہے۔

چنانچہ معتبر اور محقق شیعی مفسر محمد بن مرتضیٰ فیض کاشانی نے اپنی تفسیر صافی میں جوامع تہذیب اور الکافی جیسی مستند کتب کے حوالے سے حضرت امام جعفر صادق اور حضرت امام باقر رضی اللہ عنہما کے ارشادات نقل فرمائے ہیں، جن سے واضح

عباس دو سال بعد حضرت فاروق اعظم کے دربار میں حاضر ہوئے اور بنو نضیر وغیرہ باغات کی تولیت کیلئے درخواست پیش کی، چونکہ انہیں متولی مقرر کرنے میں کوئی قباحت نہیں تھی، وہ فاروقِ اعظم کی نگاہ میں سب سے افضل و اعلیٰ، دیانت دار دامین اور زیادہ تر وخو بہترین تھے۔ اس لئے ان باغات کا انتظام ان کے

حاشیہ:

ہوتا ہے کہ جانشین رسولؐ کو مال فے کے انتظامی امور کی نگرانی کا مکمل اختیار ہوتا ہے

تفسیر صافی میں تہذیب کے حوالے سے لکھا ہے!

حضرت امام باقر اور امام صادق رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے۔

جو زمین خونریزی کے بغیر مسلمانوں کے قبضہ میں آئے، یا غیر مسلم مصالحت کی غرض سے مسلمانوں کو مال و دولت پیش کریں، یا غیر مملوکہ زمین اور وادیاں، یہ سب مال فے اور انفال کے حکم میں ہیں۔ فھذا کلہ للہ ولرسولہ فما کان للہ فھو لرسولہ یضعہ حیث شاء وھو للامام بعد الرسول ٢٩ے

پس یہ سب کچھ اللہ اور اس کے رسولؐ کا ہے، اور جو اللہ کا ہے وہ بھی اس کے رسولؐ کا ہے، جہاں چاہیں اسے خرچ کر سکتے ہیں۔ اور رسولؐ کریم کے بعد ان کے جانشین و امام کا ہے۔

الکافی کے حوالے سے امام صادق رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد درج ہے۔

فھو لرسول اللہ وھو للامام من بعدہ یضعہ حیث یشاء ٣٠ے

وہ مال فے رسولؐ اللہ کا ہے اور آپکے بعد امام و خلیفہ کا ہے جو اسے جہاں چاہے استعمال کر سکتا ہے۔

الجوامع میں امام جعفر صادق کا یہ ارشاد یوں منقول ہے۔

وھی للہ وللرسول ولمن قام مقامہ بعدہ ٣١ے

یہ مال خدا اور رسولؐ کا ہے اور آپکے بعد اس شخص کا ہے جو آپ کا قائمقام اور جانشین ہو۔

٢٩ے ٣٠ے تفسیر صافی ا: ٦٢٦ سورۃ الانفال پہلی آیت (باقی حاشیہ آگے)
٣١ے

سپرد کر دیا۔

ایک عرصہ بیت گیا، ایک روز جناب عثمان و عبدالرحمان بن عوف زبیر اور سعد بن ابی وقاص رضوان اللہ علیہم آپ کے پاس بیٹھے تھے کہ اتنے میں جناب علی و عباس آ گئے، دونوں کے چہروں سے خفگی کے آثار مترشح تھے، جناب عباس رضی اللہ عنہ کچھ زیادہ ہی کبیدہ خاطر تھے۔ بولے!

حاشیہ

الکافی سے حضرت امام رضا رضی اللہ عنہ کا ارشاد اس طرح نقل کیا گیا ہے۔ ان سے پوچھا گیا۔ ماکان للہ علمن ہو؟

جو خدا کا حصہ ہے وہ کس کو ملے گا؟ آپ نے جواب دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وماکان لرسول اللہ فھو للامام ۳۲ے

وہ حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے گا، اور آپ کے بعد اس شخص کے زیر تصرف آئے گا، جو امام و خلیفہ ہو۔

خود علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ کا اس سلسلہ میں ارشاد مبارک اتنا واضح، دو ٹوک اور فیصلہ کن ہے۔ جسکے بعد اس مسئلہ میں کوئی پیچیدگی اور تاریکی نہیں رہ جاتی اور پتہ چل جاتا ہے کہ مالِ فے میں تصرف کرنے کا اختیار ایسا شرعی حق ہے جو اسلام نے امام وقت کو تفویض فرمایا ہے اور وہ قومی تقاضوں کے مطابق اس میں تصرف کر سکتا ہے، آپ کا ارشاد ہے۔

فے آں مالے است، کہ از کفار بمسلماناں منتقل شود، بدوں قتال و ایجاف خیل و رکاب و آں رسول را باشد در حیات وے و بعد از وی کسے را کہ قائمقام وے باشد از آئمہ دیں و ایشاں ہر کسے کہ خواہند دہند و بہ ہرچہ صلاح باشد صرف نمایند و ایں قول امیر المومنین علیہ السلام است۔ ۳۳ے

جو قتال کے بغیر مال حاصل ہو۔ اسے فے کہتے ہیں وہ زندگی میں رسول کیلئے ہوگا، اور بعد میں قائمقام آئمہ دین کے تصرف میں آئے گا، وہ جسے چاہیں، دیں گے،

۳۳ے منہج الصادقین ۹: ۲۲۷، سورۃ الحشر ۳۲ے تفسیر صافی ۱: ۶۶۸

(باقی حاشیہ آگے)

امیر المومنین! انصاف کیجئے! جو علاقہ آپ نے ہمارے زیر انتظام کیا تھا، وہ مشترک ہونے کی وجہ سے نزاع کا باعث بن گیا ہے، آپ اسے تقسیم کر دیں تاکہ آدھا میری نگرانی میں رہے اور بقیہ آدھے کا انتظام علی کریں۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا!

یہ بالکل غلط بات ہے، میں نے یہ علاقہ آپ لوگوں کے اطراد پر صرف اس لئے آپکے انتظام میں دیا تھا کہ متولی و نگران بن کر اس کی پیداوار کا حساب رکھیں، بطور میراث نہیں دیا تھا، اگر اسے نصف نصف بانٹ دیا گیا تو زمانہ گزرنے کے ساتھ یہ تصور عام ہو جائے گا کہ اسے بطور میراث تقسیم کیا گیا تھا یہ منشاءِ نبوت اور فرمودۂ نبوی کے خلاف ہوگا۔ اس لئے اسے بانٹنے کی جرات نہیں کر سکتا، البتہ اگر آپ لوگ اسکے انتظام سے قاصر ہیں تو مجھے واپس کر دیں، میں خود انتظام کر لوں گا۔

جو حضرات پہلے سے وہاں موجود تھے آپ نے انہیں بھی قسمیں دے کر پوچھا کیا یہ طریقہ کار درست نہیں ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبرؓ ان ہی مدات پر اس آمدن کو خرچ نہیں کرتے تھے؟ سب نے تائید کی یہاں تک کہ جناب علی اور عباس نے بھی تصدیق فرمائی۔ ۳۴ے

باقی حاشیہ

اور جہاں مناسب ہو خرچ کریں گے۔

ان واضح اور فیصلہ کن ارشادات سے آگاہ ہو جانے کے بعد، اس حقیقت کے ادراک میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ مال فے کے انتظامی امور، ناظم و حاکم کی ذمہ داری میں داخل ہوتے ہیں جن کی نگہداشت اور اس قومی امانت اور اس کے مفادات کی نگرانی اس کا شرعی فرض ہوتا ہے۔ اور یہ فرض شریعت ہی کا عطا کردہ ہے، جس کا انکار خلافِ شرعِ دین اور اکابرین اہل بیت کرام اور خدا اور رسول کے فرمودات کے بھی خلاف ہے۔ (حاشیہ ختم)

۳۴ے بخاری، ۴۳۵، ۵۷۵، ۶۰۹، ۸۰۷؛ البدایہ ۵: ۲۸۷

شہادت و تدفین

اسلام کے فرزندِ جلیل و جمیل جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد میمون و مسعود میں فتوحات و برکات، قومی عروج و ارتقا اور سرور و انبساط نے اسلامی پرچم اقبال کے اِس تیزی و وارفتگی کے ساتھ قدم چومے، اور قلب و نظر اور ایمان و ایقان کی سلامتی کے سفینے اس شان کے ساتھ آگے بڑھے۔ کہ قدسیوں کو بھی وجد آگیا، اور ابلیسی صفوں میں کھلبلی مچ گئی۔ اسلامی مقبوضات کا دائرہ پھیلا تو مدینہ منورہ میں دیگر مقامات کی طرح عجمی غلاموں کا تانتا لگ گیا، قیدی کی حیثیت سے یہ لوگ آئے اور مسلمانوں کے خلوص و ایثار اور حیرت انگیز ایثار سے متاثر ہوکر، کچھ ایمان بھی لے آئے

اسلام کی انقلابی تعلیمات میں انسانی شرف و عظمت اور عزت و خودداری کو بطور خاص ملحوظ رکھا گیا ہے، اور ٹھوس بنیادوں پر اِس کی حفاظت کی گئی ہے ان عجمی غلاموں نے جب دیکھا کہ غلام ہونے کے باوجود ان کی عزت محفوظ ہے، مسلمان اپنے مذہبی و دینی احکام کی رو سے انکے ساتھ بڑا ہی فیاضانہ اور غیر متوقع سلوک کرتے ہیں، اور موقعہ ہاتھ آتے ہی بڑی فراخدلی سے انہیں آزاد کر دیتے ہیں تو وہ بہت متاثر ہوئے۔ اور مسلمانوں کی غلامی پر اپنی آزادی کو بھی قربان کرنے میں فخر و مسرت محسوس کرنے لگے، مگر سب طبائع یکساں نہیں ہوتے، کچھ احسان ناشناس، تیرہ بخت اور سوختہ نصیب ایسے بھی تھے۔ جنھوں نے مسلمانوں کی شرافت، نیکوکاری، دیانت و نرمی سے ناجائز فائدہ اٹھایا۔

ابو لؤلؤ ایک ایسا ہی تندخو، ظالم و جفاجو اور سفاک غلام تھا، اِس کے مالک حضرت مغیرہ نے اسے مکمل آزادی دی ہوئی تھی، یہ انہیں روزانہ صرف ایک دینار کما کر دیتا تھا، مختلف فنون میں ماہر اور اعلیٰ درجے کا کاریگر ہونے کے باعث روزانہ کئی دینار کما لینا اسکے لئے کچھ بھی مشکل نہ تھا، مگر اِسکی بُری فطرت اتنا معمول سا خراج ادا کرنے کیلئے بھی تیار نہ تھی۔

ایک روز جناب فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ، بازار کا جائزہ لے رہے تھے کہ ابولولو سامنے آگیا، اور کہا۔

"مغیرہ سے کہئے وہ میرے خراج میں تخفیف کردیں، میں ایک دینار یومیہ ادا نہیں کر سکتا۔ آپ نے اسکی مہارت اور ہنرمندی کی تفصیلات سن کر جواب دیا!

"تم ایک ماہر کاریگر ہو، کئی دینار کما کر ایک دینار اپنے مالک کو دے دینا تمہارے لئے کچھ مشکل نہیں، اِس لئے تمہاری سفارش نہیں کر سکتا۔"

معقول بات تسلیم کرنے کی بجائے ابولولو دانت پیس کر رہ گیا۔

آپ نے فرمایا! "تم ماہر ہو ایک چکی مجھے بھی بنا دو۔"

اِس نے مڑتے ہوئے دبی زبان سے کہا! "ایسی چکی بنا کر دوں گا کہ اسکی گونج مشرق و مغرب میں سنائی دے گی"

جناب فاروق اعظم نے یہ بات سن لی اور سمجھ گئے عجمی غلام دھمکی دے کر گیا ہے، مگر آپکے تقویٰ و طہارت۔ علم و عرفان، خشیت و جذبہ حق پرستی اور عدل و انصاف نے یہ گوارا نہ کیا کہ دنیا پرست بادشاہوں کی طرح اپنے دشمن کو وار کرنے سے پہلے ہی تختہ دار پر کھنچوا دیں۔

دن گزرتے گئے، آپ نے ایک روز جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا!

"ظہورِ فتنہ سے متعلق تمہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات یاد ہیں؟"

انہوں نے جواب دیا! مال و دولت اور اہل و عیال میں جو فتنے پیش آتے ہیں اور انسان سے ان کے حقوق کی ادائیگی میں جو فروگذاشتیں ہو جاتی ہیں۔ ان کا کفارہ وہ عبادات بن جاتی ہیں، جو وہ صبح و شام کرتا ہے، مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ خیرات وغیرہ۔ جناب فاروقِ اعظم نے فرمایا۔

"میں اِس ہوشربا فتنہ سے متعلق بات کر رہا ہوں، جو گرداب بلا کی طرح سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا؟"

جناب حذیفہ نے جواب دیا! امیر المومنین! اِس فتنے سے آپ کو خائف و اندیشہ ناک ہونے کی ضرورت نہیں، آپ کے اور اِسکے ظہور کے درمیان ایک بند دروازہ ہے، جب تک آپکی حیات ہے، وہ کھلے گا ہی نہیں،

یہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غیبی اطلاع اور پہلے سے دی ہوئی خبر ہے۔"

" کیا وہ دروازہ کھولا جائے گا یا توڑا جائیگا "، آپ نے استفسار فرمایا۔ مقصد یہ تھا کہ فوت ہونگے یا شہید کئے جائیں گے۔

حضرت حذیفہ نے جواب دیا! وہ دروازہ توڑا جائے گا، یہ اس طرف اشارہ تھا کہ آپکو شہید کیا جائے گا۔

آپ نے یہ سن کر بڑے سکون و اطمینان سے اس کے نتائج سے آگاہ کیا" اگر فتنہ کا یہ دروازہ توڑ دیا گیا تو پھر کبھی بند نہیں کیا جا سکے گا۔" [۳۵]

آپکی یہ پیشں گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔ ابو لولو انتقامی کارروائی کیلئے، گھات میں بیٹھ گیا۔ آپ حسب معمول فجر کی نماز پڑھانے کیلئے تشریف لائے، عموماً سورہ نحل کی تلاوت فرمایا کرتے تھے تاکہ نمازی جماعت میں شریک ہو سکیں جب آپ نے نیت باندھی تو ابو لولو نے گھات سے نکل کر دو دھاری خنجر کے ساتھ آپ پر حملہ کر دیا، پیٹ مبارک میں خنجر دور تک اتر گیا اور آنتیں کاٹ دیں۔ بے ساختہ آپکی زبان سے نکل گیا، اس کتے نے مجھے مار ڈالا۔ قتلنی ھذا الکلب

ابو لولو اپنا کام کر کے وحشی دیوانے کی طرح خنجر لہراتا اور نمازیں دائیں بائیں کھڑے لوگوں کو زخمی کرتا ہوا پلٹا، تیرہ نمازی اسکے خنجر کی زد میں آئے اور سات موقعہ پر ہی شہید ہو گئے، ایک آدمی نے چادر پھینک کر ابو لولو کو بے بس کر دیا، اس نے وہی خنجر اپنے پیٹ میں گھونپ کر خودکشی کر لی۔

یہ تاریخی المیہ اس سرعت سے ظہور پذیر ہوا کہ اگلی صفوں میں کھڑے چند آدمیوں کے سوا کسی کو صورت حال کا پتہ نہ چل سکا۔ اور نہ ہی ان قدسی صفات حضرات نے نماز توڑی، جناب فاروق نے حضرت عبدالرحمان کو پکڑ کر آگے کیا، انہوں نے جلد جلد نماز پڑھائی۔ پھر امیر المومنین کی طرف متوجہ ہوئے، زخم اتنے گہرے تھے کہ جانبر ہونے کا امکان کم تھا، کھلا کر کھجور کا پانی پھر دودھ دیا گیا، مگر وہ زخموں کی راہ نکل گیا، یہ کیفیت دیکھ کر سب کے کلیجے چھلنی ہو گئے، اور

[۳۵] بخاری ۵۷

وہ پہلو میں دل مسوس کر رہ گئے۔

آپنے اپنے صاحبزادے جناب عبداللہ کو بلا کر فرمایا۔

" حضرت عائشہ کی خدمت میں جاؤ اور کہو عمر بن خطاب اپنے دوستوں کے ساتھ حجرے میں دفن ہونے کی اجازت چاہتے ہیں اگر آپ اجازت دیں تو احسان ہوگا دیکھو! وہاں جاکر میرا نام لینا اور امیر المومنین نہ کہنا، کیونکہ اب میں مومنین کا امیر نہیں رہا، اب ان کا امیر وہ ہوگا جسے یہ منتخب کریں گے۔"

حضرت عبداللہ گئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اندر آنے کی اجازت لی وہ زار و قطار رو رہی تھیں، جناب فاروق پر حملہ کی اندوہناک خبر نے سکون و قرار چھین لیا تھا، جب عبداللہ نے درخواست پیش کی، تو بولیں!

" قبر کی یہ جگہ میں نے اپنے لئے رکھی ہوئی تھی، لیکن آج میں عمر کو اپنی ذات پر ترجیح دیتی ہوں"

یہ خوشخبری لے کر جناب عبداللہ آئے تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا چہرہ انور کھل اٹھا، جیسے دولت کونین پالی ہو، بولے! "میرے لئے یہی مسئلہ سب سے اہم تھا، خدا کا شکر ہے۔ بخیر و خوبی حل ہو گیا، تاہم میری وصیت ہے جب میرا جنازہ تیار ہو جائے تو دوبارہ حضرت عائشہ سے اجازت طلب کی جائے مبادا انہوں نے شرم و حجاب کے باعث اجازت دی ہو اگر ایسا ہی ہو تو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے، وگرنہ شاہ کونین اور صدیق اکبر کے پہلو میں دفن کیا جائے"

ان نازک لمحات میں بھی آپ نے امت کی فلاح و نجاح کو نظر انداز نہ کیا ہونے والے خلیفہ کو انصار مدینہ، شہری و دیہاتی اور حقوق خدا و رسول کے بارے میں وصیتیں کیں پھر چھ رکنی جماعت مقرر کی کہ مسلمان ان میں سے اپنا امیر چن لیں ہر طرف سے فارغ و مطمئن ہو کر آپ نے اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کر دی۔ [۳۶]

مدینہ منورہ میں کہرام مچ گیا، کوچہ و بازار اور گھر گھر سے گریہ و فغان کی دلدوز

[۳۶] بخاری، ۵۲۴۔ [۳۷] بخاری ۵۱۹

آوازیں بلند ہونے لگیں، سوزِ دروں اور غمِ جاناں کے صدمہ نے انہیں نڈھال کر دیا۔

تجہیز و تکفین کی رسومات ادا کی گئیں، اور آپ کو چارپائی پہ لٹا دیا گیا، ہجوم یاراں میں کسی نے جناب ابنِ عباس کے کاندھے پر ہاتھ رکھدیا، اور بڑے ہی مغموم لہجے میں کہا!

یرحمک اللہ انی کنت لارجوا ان یجعلک اللہ مع صاحبیک لانی کثیرا ما کنت اسمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول کنت وابوبکر وعمر، وفعلت وابوبکر وعمر وانطلقت وابوبکر وعمر، فالتفت فاذا علی بن ابی طالب ۳۷

"اللہ تعالیٰ آپ پر رحمتیں نازل فرمائے، مجھے پہلے ہی پتہ تھا، خدا تعالیٰ آپ کو دونوں دوستوں کے پہلو میں جگہ دے گا، کیونکہ میں اکثر حضور علیہ السلام سے سنا کرتا تھا، (آپ بیک وقت تینوں کا ذکر کیا کرتے تھے یعنی) میں اور ابوبکر اور عمر تھے میں اور ابوبکر و عمر نے یہ کہا، میں اور ابوبکر و عمر گئے"، جناب ابن عباس فرماتے ہیں "میں نے مڑ کر دیکھا، وہ علی بن ابی طالب تھے"

پھر وصیت کے مطابق عاشق کا جنازہ دھوم دھام کے ساتھ اشکوں کی برسات سرد آہوں کی رم جھم، رحمت ربانی کی گھٹا اور کلمہ طیبہ کی گونج میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارک تک لے جایا گیا اور تدفین کی از سرِ نو اجازت طلب کی گئی۔

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بطیب خاطر اجازت مرحمت فرمادی اور آپکو جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں دفن کر دیا گیا جو پہلے ہی جناب محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں مدفون تھے۔

اس طرح ہجرت کے تیئیسویں سال ذی الحجہ کی دوسری تاریخ کو جناب عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس نورانی خواب کی تعبیر مکمل ہوگئی جو انہوں نے بہت پہلے دیکھا تھا کہ انکے حجرے میں تین چاند اتر آئے ہیں

چھٹا باب

گنبدِ خضرا کی تعمیر

گنبد خضراء کی تعمیر:-

ا:- یکجا تدفین کے واضح ارشادات
ب:- دائمی رفاقت کے اشارے
ج:- قیافے اور اندازے

گنبد خضراء کی تعمیر کے تدریجی مراحل

مجاورت و تعمیر کے متولیین

ا:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
ب:- حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما
ج:- حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ

عباسی خلفاء

- ہارون الرشید کی والدہ خیزران
- خلیفہ المتوکل
- خلیفہ المقتفی
- وزیر حسن بن ہیجا
- خلیفہ المستضیئی
- سلطان رکن الدین بیبرس
- فرمانروائے مصر سلطان قلاوون صالحی
- سلطان محمد بن قلاوون
- ابن بطوطہ کا بیان
- ابن جبیر کا بیان
- خلفائے آلِ عثمان

گنبدِ خضرا کے تین مکین

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ شریف کو وہ عظمت و رفعت حاصل ہوئی جس پر عرشِ اعظم بھی ہمیشہ کیلئے رشک کناں رہے گا، تین قدسی نفوس، گلشن الست کے تین نورانی پھول جو حضرت عائشہ کو خواب میں درخشاں چاند نظر آتے تھے، ان کے حجرے میں رونق افروز ہو گئے اور یہ حجرہ ہمیشہ کیلئے ملائکِ اہلِ سماء، اور عشاق اہلِ زمین کی زیارت گاہ بن گیا۔

فکر و بصیرت سے بہرہ ور اور بلاغتِ نظر کے مالک اکابر صحابہ کرام کو، حضور نبی کریم علیہ الصلوات والتسلیم کے واضح ارشادات، معنی خیز اشارات و کنایات، لطیف و منفرد طرزِ عمل اور حسنِ سلوک سے پہلے ہی معلوم ہو چکا تھا کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما وہ خوش بخت اور قدسی ہستیاں ہیں، جنہیں زندگی کی طرح بعد از وفات بھی وصالِ یار میسر رہے گا اور وہ ایک ہی جگہ ایک ہی روضۂ اقدس میں جمالِ دوست سے شاد کام و لازوال معیت سے بہرہ یاب ہوتے رہیں گے۔

(۱) واضح ارشادات

حضرت عائشہ نے ایک دفعہ عرض کی

انی لا ارانی الا ساکون بعدک فتاذن لی ان ادفن الی جانبک؟ قال: وانی لک ذالک الموضع ما فیہ الا قبری وقبر ابی بکر وعمر وقبر عیسٰی بن مریم ۱؎

(میں دیکھ رہی ہوں کہ حضور کا وصال ہو جائے گا، کیا آپ اجازت عطا فرماتے ہیں کہ بعد میں، میں بھی آپ ہی کے پہلو میں دفن کر دی جاؤں؟ فرمایا یہ جگہ تجھے کیسے مل سکتی ہے؟ اس میں تو میری، ابوبکر و عمر اور عیسٰی بن مریم علیہ السلام کی قبر بنے گی۔)

۱؎ عمدۃ القاری، ۸: ۲۲۸ ۲؎ ترمذی، ۵۲۷

جناب ابن عمر سے مروی ہے، "ایک روز حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس شان سے مسجد میں تشریف لائے کہ دائیں بائیں جناب ابوبکر و عمر تھے اور آپ نے دونوں کے ہاتھ تھام رکھے تھے، اس تاریخی حالت میں فرمایا!

ھٰکذا نبعث یوم القیامۃ ۲؎ ہم بروز قیامت بھی اسی طرح اٹھیں گے

(ب) دائمی رفاقت کے اشارے

ان واضح و مبین ارشادات کے علاوہ آپکے اشارات کی بھی کوئی حد نہیں جناب ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، آپ نے فرمایا!

مامن نبی الاولہ وزیران من اھل السماء و وزیران من اھل الارض فاما وزیرای من اھل السماء فجبریل و میکائیل واما وزیرای من اھل الارض فابو بکر و عمر ۳؎

[ہر نبی کے آسمان و زمین میں دو، دو وزیر ہوتے ہیں، میرے آسمانی وزیر جبریل و میکائیل اور زمینی وزیر ابوبکر و عمر ہیں۔]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

ایک شخص نے اپنے ساتھ پیش آنے والا ایک حیرت انگیز واقعہ آکر بیان کیا کہ "میری بکری بھیڑیا منہ میں دبوچ کر بھاگا، میں نے جرات کر کے چھین لی، وہ بولا! میرا رزق چھینتے ہو، اس روز کیا کرو گے، جب میری نسل کے سوا کوئی ان کا رکھوالا نہ ہوگا؟ ایک درندے کے منہ سے فصیح کلام نے مجھے ششدر کر دیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ خرق عادت، اور کرامت و روحانیت پر مبنی ماجرا سن کر فرمایا۔ اومن بہ والوبکر و عمر ۴؎

(یعنی تم حیران ہوتے رہو) (میں اور ابوبکر و عمر تو اس پر ایمان لاتے ہیں۔)

سرکار علیہ السلام نے ان دونوں دوستوں کے ایمان و یقین پر اس وثوق و پختگی کے ساتھ اس وقت گواہی دی جب کہ وہ دونوں حضرات وہاں موجود نہیں تھے مگر

۲؎ ترمذی، ۵۲۷ ۳؎ ترمذی ۵۲۸ ۴؎ بخاری، ۵۲۱

نگاہِ نبوت و بصیرتِ رسالت سے انکے دل و دماغ اور خلوص و محبت کی کوئی کیفیت اور سوز و گداز کی کوئی حالت مخفی نہ تھی، جانتے تھے سراپا اخلاص و بندگی اور پیکر نیاز و وفا ہیں، اس لئے ان کے ایمان پر گواہی ثبت فرمائی۔

انکے ساتھ حسن سلوک اور انمول طرزِ عمل کا عالم یہ تھا کہ

کانا ینظران الیہ وینظر الیھما ویتبسمان الیہ ویتبسم الیھما ۵؎

آپکی بارگاہ جلال و جمال میں جب کسی کو آنکھ تک اٹھانے کی جرات نہ ہوتی تھی وہ دونوں آپکو اور حضور ان دونوں کو دیکھ کر مسکراتے ہنستے تھے، جو انتہائی محبت و غایت قرب کی دلیل ہے۔

قدرتی اتفاقات کی سازگاری ملاحظہ ہو کہ حادثات و واقعات بھی ایسے رونما ہوتے تھے جن سے غایت تعلق کی ایمان پرور مہک آجاتی تھی اور جاننے والے یہ نتیجہ اخذ کر لیتے تھے کہ یہ پختہ اور گہرا تعلق وفات کے ساتھ نہیں ٹوٹے گا، اور وصال کے بعد بھی یہ حضرات اسی طرح اکٹھے رہیں گے۔

قیافے اور اندازے

جناب ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ ایک روز دربار نبوی کی حاضری کیلئے گھر سے نکلے پتہ چلا آپ "چاہ اریس"، کی طرف تشریف لے گئے ہیں، یہ وہاں پہنچے دیکھا کہ آپ وضو فرما کر کنوئیں کی منڈیر پر بیٹھے ہیں شہنشاہ کونین کی شاہانہ اور بے نیاز انداز سے بیٹھنے کی یہ ادا، غلام کو بہت پسند آئی لہذا خادم و دربان بننے کا شوق چرایا باغ کے دروازے پہ جا کر بیٹھ گئے۔

اتنے میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے، انہوں نے آکر حضور مکرم سے جناب صدیق کیلئے اجازت طلب کی۔ آپ نے فرمایا "اسے آنے دو، اور جنت کی بشارت بھی دے دو۔"

جناب صدیق مژدۂ فردوس پاکر بہت خوش ہوئے اور منڈیر پر حضور کی دائیں طرف آکر بیٹھ گئے۔

۵؎ ترمذی، ۵۲۷

پھر جناب عمر رضی اللہ عنہ اسی طرح حاضر ہوئے اور جنت کی بشارت پاکر اسی منڈیر پر دوسری طرف بیٹھ گئے۔

پھر جناب عثمان آگئے، آپ نے فرمایا، اے ابوموسیٰ! عثمان کو بھی جنت کی خوشخبری سنا دو، مگر ساتھ ہی یہ بتا دو! دنیا میں ایک بڑے ابتلا سے گزرنا پڑیگا جناب عثمان نے واللہ المستعان پڑھا، اور شانِ تسلیم و رضا کا اظہار کر کے منڈیر کی سامنے والی جانب بیٹھ گئے۔[5]

نشست کے انداز کچھ ایسے تھے کہ سعید بن مسیب کہتے ہیں میں نے اندازہ لگالیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ابوبکر و عمر کی قبور اکٹھی بنیں گی اور جناب عثمان کی قبر الگ ہوگی۔[6]

تعلقات کی اسی نوعیت کو پیشِ نظر رکھ کر، حضور عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تدفین کے وقت جناب علی رضی اللہ عنہ نے کہا تھا۔

مجھے پہلے ہی پتہ تھا کہ آپ کو حضور پاک اور صدیق کے پہلو میں جگہ ملے گی کیونکہ آقا علیہ السلام کثرت سے اپنے ساتھ آپ دونوں کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔[7]

جناب عائشہ نے بھی اپنے حجرے میں جناب عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تدفین کی اجازت دے دی، اس جذبۂ ایثار اور اجازت کے پس پردہ بھی اسی تعلق و محبت کی غیر معمولی نوعیت کا مشاہدہ کارفرما تھا۔

رائت عمر اهلا لقرب طينهما من طينته — فی الحدیث مر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی جنازة عند قبر فقال: من هذا؟ فقیل فلان الحبشی فقال: لا اله الا اللہ سیق من ارضه وسمائه الی تربته التی منها خلق[9]

جناب عائشہ نے حضرت عمر کو اس عزت کا زیادہ مستحق سمجھا کیونکہ جناب صدیق و عمر رضی اللہ عنہ کے اجسام طیب جس پاکیزہ و نورانی مٹی سے بنائے گئے تھے وہ حضور منبع الانوار صلی اللہ علیہ وسلم کی مٹی سے بہت قریب تھی حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ

---

[5] ترمذی: ۵۲۷ [6] بخاری: ۵۱۹ [7] بخاری، ۵۱۹

آپ کسی کے جنازہ پر تشریف لے گئے، ایک قبر کے قریب سے گزرے، تو فرمایا! یہ کون ہے؟ جواب ملا "فلاں حبشی ہے"، وہ اپنے مالک کے حسنِ انتظام و حسنِ تخلیق و حسنِ تدبیر و بے ساختہ آپکے منہ سے نکل گیا، لا الہ الا اللہ، حبشی ہے، اپنے ملک کے آسمان و زمین سے نکل کر وہاں پہنچا جہاں سے اس کی مٹی لی گئی تھی[9]

عظمت و جلال اور قرب و حضور کے یہی مناظر دیکھ کر، اور غیر مبہم اشارات و ہدایات کی بدولت تمام صحابہ کرام جناب صدیق و عمر کو تدریج امت میں سب سے افضل مانتے تھے اور انکے دامن عصمت و آبرو پر ہاتھ ڈالنے والے کو بے ایمان و ناقص سمجھتے تھے

جناب ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

ا:- کنا فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نعدل بابی بکر احدا ثم عمر ثم عثمان ثم نترک اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نفاضل بینهم[10]

ایک روایت میں ہے۔

ب:- نخیر ابابکر، ثم عمر بن الخطاب، ثم عثمان بن عفان[11]

ابوداؤد کی روایت میں ہے۔

ج:- کنا نقول و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیّ - افضل امة النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعده ابوبکر ثم عمر، ثم عثمان

طبرانی میں ہے۔

فیسمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا ینکر[12]

تینوں روایات کا مفہوم یہ ہے کہ

و ہم حضور پاک کی حیاتِ طیبہ میں آپ کے سامنے کہا کرتے تھے

امت میں سب سے افضل صدیق ہیں پھر عمر بن خطاب ہیں پھر عثمان ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ سن کر خاموش رہتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کسی نے پوچھا:

یا رسول اللہ قیامت کب آئے گی؟ فرمایا! "تو نے اس کیلئے کیا تیاری کی ہے؟ وہ بولا" کچھ بھی نہیں، البتہ خدا تعالیٰ اور اسکے رسول پاک کے ساتھ بہت محبت

---

[9] عمدۃ القاری، ۸: ۲۲۲۔ [10] بخاری، ۵۲۳۔ [11] بخاری ۵۱۶۔ [12] بخاری، ۵۲۳

کرتا ہوں، آپ نے فرمایا! "تو ان کے ساتھ ہوگا جن سے محبت کرتا ہے"

حضرت انس فرماتے ہیں، محبت کا یہ نتیجہ خیز اصول اور کرشمہ اعجاز جان کر ہمیں اتنی خوشی ہوئی کہ بیان نہیں کر سکتے۔ فانا احب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابابکر وعمر وارجوان اکون معھم بحبی ایاھم وان لم اعمل بمثل اعمالھم [13]

[تو میں نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام اور جناب ابوبکر و عمر کے ساتھ محبت کرتا ہوں اور امیدوار ہوں کہ اس محبت کی برکت سے ان کا ساتھ حاصل کر لوں گا، اگرچہ میں نے ان کی مثل اعمال نہیں کیے]

حضرت ابن سیرین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

ما اظن رجلا ینتقص ابابکر وعمر یحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم [14]

[جو شخص شان صدیق و فاروق کی تنقیص کے جرم کا ارتکاب کرتا ہے، میں سمجھتا ہوں، وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت نہ ہونے کی وجہ ہی سے ایسا کرتا ہے۔]

محبت، رفاقت، قرب اور پیار کے اسی اعجاز اور عشق کی بے قراری و وارفتگی کی بدولت جناب صدیق و عمر رضی اللہ عنہما کو فوز و فلاح، زندگی کے حقیقی مقصد کی کامیابی اور ابدی سعادت کی وہ انتہائی اور بلند ترین شان عطا ہوئی جس سے بڑھ کر کسی اعزاز، بزرگی، عظمت اور فضیلت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا! گنبد خضرا کے مکین محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو مبارک اور قدموں میں جگہ حاصل کر لی اور ریاض جنت میں پہنچ گئے، ایک امتی کیلئے اس سے بڑی سعادت خوش نصیبی، عزت اور سرفرازی کا تصور بھی محال ہے۔

[13] بخاری: ۵۲۱ [14] ترمذی: ۵۲۹

مجاورت و تعمیر کے متولین و قائدین

شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام میں دنیا کے اولو العزم اور کجکلاہ بادشاہوں کے نام بھی آتے ہیں، جو اس بارگاہ کی حاضری کو سعادت، خدمت کو دولت دارین اور غلامی کو فخر سمجھتے رہے ہیں، جن کی جبینیں یہاں آکر جھکتی تھیں اور آنکھیں عقیدت و محبت کے آنسو بصد ادب و نیاز پیش کرتی تھیں۔

ایسے نیاز مند اور فیروز بخت شاہان وقت سے یہ کب توقع رکھی جا سکتی تھی کہ وہ اپنے عظیم و محسن آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی تولیت و تعمیر اور شایان شان خدمت و حفاظت کی طرف توجہ نہ دیتے، چنانچہ توقع و امید کے مطابق ایسا ہی ہوا جن امراء، وزراء اور ملوک کو اس بارگاہِ قدس کے ساتھ دلی محبت و عقیدت تھی اور اسکے ساتھ وابستگی و نسبت اور ان کا امتی و غلام ہونے پر فخر و ناز تھا انہوں نے ہر دور میں اپنی اپنی بساط و طاقت اور ہمت کے مطابق تعمیر و تزئین میں حصہ لیا اور اپنی محبت و نسبت کا ثبوت دیا۔ اس بارگاہ کی عظمت و شان، شوکت و مرتبہ اور رفعتِ مقام کے اعتبار سے مجاورت و تولیت، اہتمام و حفاظت اور تجلیہ و تعمیر کی "قابل فخر و لائق صد ناز" خدمت انجام دینے والوں میں اپنے اپنے وقت کے معزز ترین بلند مرتبہ اکابر اور ملوک و سلاطین کے نام آتے ہیں۔ مگر سب سے پہلے مجاورت و تولیت کی خدمت جس ہستی کو تفویض ہوئی اور عظیم محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار و ہمسائگی میں رہنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

وہ محبوب ترین اور خوش قسمت ترین ہستی وہ ہے جسے محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب و منظورِ نظر ہونے کی عزت بھی حاصل تھی۔

ان کا اسم گرامی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا [۵۱]

آپ ہی کے حجرہ انور میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا روضۂ پاک بنایا گیا تھا۔ اس لئے قدرتی طور پر حسن اتفاق یا حسن قسمت وتقدیر سے ایک طرح کا سجادہ نشین ہونے کی حیثیت انکو خود حاصل حاصل ہوگئی جو خدمات اور امور و فرائض سجادہ نشینوں کو تفویض ہوتے ہیں، وہ تقریباً آپ ہی بجالاتی تھیں، دلدادگان عشق نبوی، ہجران نصیب احباب رسول، فرقت زدہ عشاق، علم کے طالب و دینی مسائل کے شائق، سب آپ ہی کے پاس حاضر ہوتے، اور آپ غیر محرموں کو پردے کے پیچھے سے اور محرموں کو سامنے بلا کر مسائل بتاتیں۔ ان کی علمی تشنگی بجھاتیں، [۵۲] اور محبوب کی باتیں سنا سنا کر خود بھی روتیں اور ان کو بھی رلاتیں۔ ایک دفعہ قاسم بن محمد آپکے بھتیجے حاضر ہوئے اور بے قرار دل کی تسکین کیلئے محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک دکھانے کی درخواست کی۔

حاشیہ

[۵۱] آپکی محبوبیت کی ایک نادر و حسین مثال یہ ہے کہ:

ایک روز چرخہ کات رہی تھیں، پاس ہی محبوب مکرم نعلین پاک سی رہے تھے آپ کی پیشانی پر پسینے کے قطرات نمودار ہوئے، سرخ اور گوری درخشاں کشادہ پیشانی مبارک پر یہ شبنمی قطرات کچھ ایسے سجے کہ سیدہ عائشہ چرخہ کاتنا بھول گئیں اور اس دلنواز منظر میں کھو گئیں، یوں محسوس ہو رہا تھا کہ نور چھن چھن کر در و دیوار ہی کو نہیں بلکہ قلب و روح کو منور کر رہا ہے۔ محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام اس حالت میں ایسے حسین لگ رہے تھے کہ کیفیت بیان سے باہر ہے۔

سیدہ عائشہ حسن دلنور کے اس امتزاج سے مسحور ہو کر دید حبیب ہی میں مستغرق ہوگئی تھیں، آخر اس تاثر اور محبت نے بیان کا روپ دھار لیا۔ نہایت وارفتہ انداز میں گویا ہوئیں، رسول اللہ! اس وقت حضور اتنے پیارے لگ رہے ہیں، اگر ابو کبیر ہذلی

یا اماہ: اکشفی لی قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکشفت لی عن ثلاثة قبور لامشرفة ولا لاطئة مبطوحة ببطحاء العرصة الحمراء فرأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقدما وابابکر راسہ بین کتفی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعمر راسہ عند رجلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم [۵۳]

[امی جان! دروازہ کھول کر قبر مبارک دکھایئے! فرماتے ہیں: سیدہ نے دروازہ کھول دیا، اور تین قبریں دکھائیں، نہ پست تھیں نہ بہت زیادہ بلند، سرخ روڑے جو اس سرزمین میں ہوتے ہیں پڑے ہوئے تھے، سب سے مقدم حضور علیہ السلام کی قبر مبارک تھی آپکے کاندھوں کے پاس صدیق اکبر اور پاؤں میں جناب عمر فاروق اعظم کی قبریں تھیں]

بقیہ حاشیہ

مشہور شاعر زندہ ہوتا تو یہ اشعار آپ کے سوا کسی کی شان میں نہ کہتا

ومبرء من کل غبر حیضة
وفساد مرضعة وداء مغیل

واذا نظرت الی اسرة وجهه
برقت کبرق العارض المتهلل

میرا ممدوح حیض، نفاس اور ولادت و رضاعت کی ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک ہے، جب تو اس کے چہرے کی منور سلوٹوں کو دیکھے تو تجھے محسوس ہو گویا "عارض تاباں" ہے جو دمک رہا ہے۔

حضور علیہ السلام نے نعلین پاک سینا ترک فرما دیا، رفیقۂ حیات کے حسن ذوق اور پیار سے اتنا متاثر ہوئے کہ اٹھ کر انکے پاس تشریف لے گئے اور محبت سے ان کا سر مبارک تھام کر فرمایا۔

اتنا تم بھی مسرور نہیں ہوئی ہو گی جس قدر یہ شعر سن کر ہم تم سے ہوئے ہیں

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

[۵۲] البدایہ والنہایہ، ۸: ۹۲ ۔ [۵۳] عمدة القاری، ۸: ۲۰۵

چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہر وقت اپنے حجرۂ پاک میں رہنا ہوتا تھا اس لئے ضرورت کے تحت اور تقاضائے ادب کے مطابق جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس حجرہ پاک کے دو حصے کر دیئے تھے، تاکہ ایک حصے میں سیدہ عائشہ رہائش رکھیں، اور دوسرے حصے میں قبور مبارکہ ہوں،

ابن سعد کی ایک روائت ہے۔

عمرو بن دینار اور عبید اللہ بن ابی یزید کہتے ہیں۔

بقیہ حاشیہ

علمی فیض

جناب عروہ کہتے ہیں۔ ما رایت احدا اعلم بفقہ ولا طب ولا شعر من عائشة ولم ترو امرأة ولا رجل غير ابي هريرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من الاحاديث بقدر روايتها۔

میں نے فقہ اور طب وشعر میں عائشہ سے زیادہ عالم کسی کو نہیں دیکھا۔ اور نہ ابوہریرہ کے سوا کسی نے اتنی احادیث روائت فرمائی ہیں۔

ابوموسیٰ اشعری کہتے ہیں ما اشکل علینا اصحاب محمد حدیث قط فسألنا عائشة الا وجدنا عندها منه علما [ترمذی]

جب بھی ہمیں کوئی علمی مشکل پیش آتی تو آپکے دربار میں حاضری دیتے آپ اسکے بارے میں تسلی بخش معلومات فراہم کر دیتیں۔

حضرت مسروق کہتے ہیں،

"میں نے اکابر کو آپ سے فرائض کے مسائل پوچھتے دیکھا ہے۔"

"حفصہ بنت سیرین، عمرہ بنت عبدالرحمان اور عائشہ بنت طلحہ جیسی نامور خواتین آپکی تلمیذات تھیں"

"کچھ ایسے مسائل بھی ہیں جو آپکے سوا صحابہ کرام میں سے کسی نے بیان نہیں فرمائے"

حضرت مسروق رضی اللہ عنہ اس انداز خاص اور ادب وعقیدت کے ساتھ نام لیکر آپ سے حدیث روائت فرمایا کرتے تھے

۱۸ے وفاء الوفا ۳۸۵

لم یکن علی عهد النبی صلی الله علیه وسلم علی بیت النبی صلی الله علیه وسلم حائطا وکان اول من بنی علیه جدارا عمر بن الخطاب رضی الله عنه ۱۸ے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد حیات طیبہ ظاہرہ میں کاشانہ نبوی کے گرد کوئی چہار دیواری نہیں تھی، سب سے پہلے یہ فاروق اعظم نے بنوائی۔

بقیہ حاشیہ

حدثتنی الصديقة بنت الصديق حبيبة رسول الله صلى الله عليه وسلم المبرأة من فوق سبع سماوات

مجھے یہ حدیث صدیقہ دخترِ صدیق حضور علیہ السلام کی منظورِ نظر رفیقۂ حیات نے بیان فرمائی ہے جس کی عفت وطہارت اور عصمت و پاکدامنی کی گواہی آسمانوں سے نازل ہوئی۔

وقد اجمع العلماء علی تکفیر من قذفها بعد براءتها۔

"علماء کا اس بات پر اتفاق ہے، کہ اب بھی اگر کوئی آپکے دامن عصمت پر کیچڑ اچھالے تو وہ کافر ہو جاتا ہے، کیونکہ قرآنی آیات کی تکذیب لازم آتی ہے، جو آپکی پارسائی وطہارت کی شہادت میں نازل ہوئی ہیں۔

ہجرت سے دو سال پہلے آپکی شادی ہوئی تھی مدینہ طیبہ پہنچ کر رخصتی عمل میں آئی، اس وقت آپ کی عمر صرف نو سال کے لگ بھگ تھی، جب حضور علیہ السلام کا وصال ہوا تو آپکی عمر شریف صرف اٹھارہ سال تھی، سترہ رمضان المبارک بروز منگل ۵۸ھ میں آپ کا وصال ہوا، جناب ابوہریرہ نے نماز پڑھائی، اور بقیع شریف میں آپ کو رات کے وقت دفن کیا گیا۔

قبر میں اتارنے والے یہ لوگ تھے

آپکے دو بھانجے جناب عبداللہ اور عروہ بن زبیر

دو بھتیجے قاسم اور عبداللہ بن محمد اور عبداللہ بن عبدالرحمان بن ابو بکر

اس وقت آپکی عمر تقریباً سٹرسٹھ سال تھی

بخاری، ۱، ۷۷ : البدایہ والنہایہ، ۸ : ۵۴

حضرت انس فرماتے ہیں۔

قسم بیت عائشۃ باثنین، قسم کان فیہ القبر، وقسم کان تکون فیہ عائشۃ بینھما حائط ۱۹؎

جناب عائشہ کے حجرۂ پاک دو حصے کر دیئے گئے تھے، ایک حصے میں قبر منور تھی، اور ایک حصے میں جناب عائشہ تھیں، اور بیچ میں دیوار کھڑی کر دی گئی تھی۔

جب تک اس حصہ میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی قبریں رہیں، حضرت عائشہ بے جھجک اور پردے کا اہتمام کئے بغیر آتی جاتی رہیں، لیکن جب ان کی اجازت سے یہاں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی قبر شریف بھی بن گئی تو آپ نے اس طرح آنا جانا ترک کر دیا، باقاعدہ پردے کے ساتھ تشریف لاتیں

فکانت عائشۃ ربما دخلت حیث القبر فضلا، فلما دفن عمر لم تدخلہ الا وھی جامعۃ ثیابھا ۲۰؎

حجرہ انور کے گرد پیش جو دیوار جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بنوائی، وہ زیادہ اونچی نہ تھی، لیکن ایک ایسا واقعہ پیش آگیا جس نے اس دیوار کو اونچا اور ہر طرف سے بلند کر دینے کی ضرورت کا احساس دلایا۔

ہوا یہ کہ جناب امام حسن رضی اللہ عنہ نے آخری لمحات میں یہ وصیت فرمائی کہ آپ کا جنازہ مبارک پہلے روضہ اقدس پر حاضری کیلئے لے جایا جائے، بعد میں بقیع غرقد میں دفن کیا جائے۔

آپکی وصیت کے مطابق جب آپکے برادر مکرم جناب امام حسین پاک رضی اللہ عنہ نے روضۂ اطہر کی طرف جنازہ لے جانے کا حکم دیا تو غلط فہمی کی بنا پر بعض لوگوں کے دلوں میں خاندانی تعصب کی دبی ہوئی آگ بھڑک اٹھی وہ یہ سمجھے کہ شاید جناب امام حسن کو روضۂ اقدس میں دفن کرنے کا ارادہ ہے، وہ راستہ روک کر کھڑے ہو گئے کہ ہمارے اتنے اکابر فوت ہوئے مگر انہیں روضۂ اقدس میں دفن نہیں کیا گیا، اسلئے جناب امام حسن کو بھی یہاں دفن نہیں ہونے دیا جائے گا

۱۹؎ وفاء الوفا، ۳۸۵ ۲۰؎ حسنین ہیکل، حیاۃ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ۴۹۶

انکی غلط فہمی دور کر دی گئی کہ دفن کرنا مقصود نہیں ہے، بلکہ صرف حاضری کی برکت حاصل کرنا مقصود ہے۔

لیکن اس واقعہ سے دور اندیش دماغوں نے بھانپ لیا کہ اگر روضۂ اقدس کو مکمل طور پر بند نہ کیا گیا تو کسی وقت بھی فتنہ و فساد کی خوفناک آگ بھڑک سکتی ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن زبیر نے اپنے عہد حکومت میں پہلے تو دیوار بلند کی۔

کان جدارہ قصیرا ثم بناہ عبداللہ بن الزبیر فلما کان عبد الملک او غیرہ، سدوا وستروا ۲۱؎

دیوار چھوٹی تھی، جناب ابن الزبیر نے از سر نو بنوائی، عبدالملک بن مروان نے اپنے زمانۂ اقتدار میں یا کسی اور نے وہ بند کر دی، اور اسے چھپا دیا۔

غالب یہی ہے کہ جناب ابن الزبیر ہی نے یہ فریضہ انجام دیا۔ ۷

۷ حاشیہ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ

آپ ہجرت کے دوسرے سال آٹھویں مہینے میں پیدا ہوئے، حضرت عائشہ کے بھانجے اور حضور علیہ السلام کی پھوپھی جان حضرت صفیہ کے پوتے تھے۔ نسبی لحاظ سے آپ کا پایہ بڑا بلند ہے، اہل مدینہ کو آپکی ولادت پر بے حد خوشی ہوئی کیونکہ یہود نے کہا تھا، مہاجرین پر انہوں نے جادو کر دیا ہے۔ اب انکے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوگی، حضرت عبداللہ کی ولادت نے ان کا پول کھول دیا۔ اسی خاطر آپکے نانا جان حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سارے مدینے میں آپکو پھرایا اور حضور پاک علیہ السلام نے اپنے منہ میں کھجور چبا کر آپکو گھٹی دی، اس طرح سب سے پہلے جو چیز آپکے پیٹ مبارک میں گئی وہ نبی اکرم کا تھوک مبارک تھا۔

اس پاکیزہ گھٹی صحت مند ماحول اور روحانی تربیت کے آثار ساری زندگی آپ کی ذات سے نمایاں رہے، بڑے ہی عبادت گزار، ریاضت پسند، راست باز، حق پرست اور بہادر و جانباز تھے، یہ تمام صفات اور دلنواز خوبیاں بڑے ہی

(بقیہ حاشیہ آگے)

۲۱؎ وفاء الوفا ۳۸۸

بقیہ حاشیہ

حسین پیرائے ہیں اور تمام تر لطافتوں کے ساتھ آپکی ذات میں موجود تھیں۔

عبادت کا یہ عالم تھا کہ نماز میں ساری دنیا سے بے خبر ہو جاتے۔ ایک دفعہ بیٹے کو سانپ لپٹ گیا گھر والوں نے کوشش کر کے اسے مارا اس دوران ہنگامہ کھڑا ہوا۔ مگر آپ نماز میں مشغول تھے۔ اس لئے ساری کارروائی سے بے خبر رہے دستور یہ تھا کہ ایک رات قیام میں دوسری رات رکوع میں اور تیسری رات سجدے میں گزارتے تھے۔ ہمیشہ روزہ سے رہتے اور آٹھویں دن کچھ تناول فرماتے۔ رمضان مبارک میں اس خوراک میں بھی کمی آجاتی تھی، چنانچہ صرف ایک مرتبہ درمیان میں کچھ کھا لیتے۔

اسکے باوجود توانائی اور شجاعت کا یہ عالم تھا کہ چہرے پر تروتازگی کی وجہ سے نظر نہ ٹھہرتی تھی ایک مرتبہ عمرہ کر کے آ رہے تھے کہ موضع نیا صب میں ساتھیوں نے ستانے کا مشورہ دیا ایک درخت کے نیچے کوئی بیٹھا ہوا تھا۔ آپ اس کے پاس گئے، سلام کیا مگر اس نے کوئی توجہ نہ دی، آپکو یہ انداز برا لگا، جاکر ترش لہجے میں اس سے کہا، "یہاں سے اٹھو! وہ مجبوری کی حالت میں اٹھا، آپ کو محسوس ہوا یہ کوئی اور ہی مخلوق ہے۔ اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور پوچھا تم کون ہو؟ وہ بولا: ایک جن ہوں، آپ نے فرمایا: جن ہو کر اس طرح پھر رہے ہو۔ اسے پکڑنا چاہا مگر وہ بھاگ گیا۔ ساتھی قریب آئے تو اسے نہ پاکر پوچھا وہ آدمی کہاں گیا؟

آپ نے بتایا: "وہ جن تھا.. دہشت سے بے ہوش ہو گئے۔

اسی طرح ایک روز طواف میں مشغول تھے کہ کچھ عجیب سی عورتیں کعبہ کا طواف کرتی نظر آئیں۔ آپ کی چھٹی حس بیدار ہو گئی، وہ فارغ ہو کر ایک طرف چلدیں، آپ بھی پیچھے ہو لئے وہ گھاٹی پر چڑھ کر ایک درہ میں گھس گئیں آپ نے تعاقب جاری رکھا اور یقین کر لیا کہ یہ انسان نہیں ہیں، پھر بھی دل گردے کے ساتھ پیچھے پیچھے چلتے رہے۔ ایک جگہ پہنچے تو کچھ بوڑھے نظر آئے، وہ بولے! (بقیہ حاشیہ آگے)

بقیہ حاشیہ

ابن زبیر! کیا چاہتے ہو؟

آپ نے بے جھجک فرمایا: کچھ کھجوریں کھلا دو!

حالانکہ موسم نہیں تھا، مگر انہوں نے فوراً مہیا کر دیں۔ اور گھر لے جانے کیلئے تھیلی میں باندھ دیں..... آپ وہ تھیلی لے کر گھر آئے اور صندوق میں رکھ کر لیٹ گئے محسوس ہوا کمرے میں کچھ سائے رینگ رہے ہیں کسی نے کہا؛

"تھیلی صندوق میں رکھی تھی" نکال لو۔

آپ نے اٹھ کر دیکھا تو تھیلی غائب تھی۔ آپ کو افسوس ہوا کہ اٹھ کر انہیں کیوں نہ پکڑ لیا۔ آپکی زندگی کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ کعبہ مکرمہ کی از سر نو تعمیر کرائی، اسے ریشمی غلاف چڑھایا۔ حالانکہ پہلے ٹاٹ وغیرہ کا غلاف ہی چڑھایا جاتا تھا۔ کعبہ مکرمہ کے ساتھ آپکو کچھ غیر معمولی محبت تھی اسے خوشبو میں اس طرح بسایا کہ دور دراز مقامات تک خوشبو کی لپٹیں جاتی تھیں...... طواف کرنے کے بھی آپ بہت شوقین تھے، ایک مرتبہ سیلاب آگیا تو آپ نے تیر کر طواف کیا۔ عبادت میں محنت و مشقت برداشت کر کے بہت خوش ہوا کرتے تھے۔

یزید نے تخت خلافت پر قبضہ کیا تو اہل مدینہ نے اس کی بیعت سے انکار کر دیا اس نے لشکر بھیجا جس نے مدینہ منورہ کا محاصرہ کر لیا... انہی ایام میں یزید مر گیا، تو اہل مدینہ نے ۶۳ھ میں آپکی بیعت کر لی۔ صرف مصر و شام اطاعت سے منحرف رہے مگر ۶۵ھ میں مروان کے فوت ہونے کے بعد مصر و شام نے بھی بیعت کر لی،

اس طرح جناب ابن زبیر سارے عالم اسلام کے خلیفہ بن گئے۔ مگر کچھ ہی عرصہ بعد مصر و شام میں عبدالملک نے غلبہ حاصل کر لیا۔ اور ۷۲ھ میں حجاج کو چالیس ہزار کا لشکر دے کر مکہ مکرمہ بھیجا، جس نے آکر سارے مکہ کو گھیرے میں لے لیا۔ ذی الحجہ ۷۲ھ کو یہ محاصرہ شروع ہوا جو پانچ مہینے دس دن جاری رہا، حجاج نے اس عرصہ میں سفاکی، حرم شریف کی بے حرمتی، ظلم و زیادتی اور تعصب و عناد کی انتہا کر دی جناب

(بقیہ حاشیہ آگے)

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

ابن زبیر اور کعبۃ معظمہ کی حرمت و شرافت بالائے طاق رکھ کر سنگ باری کی، پتھر حرم شریف میں آکر گرتے رہے۔ مگر اس نے کوئی پرواہ نہ کی۔

محاصرہ سے تنگ آکر لوگوں نے حجاج کے پاس جانا شروع کر دیا۔ جب آپ نے یہ صورت دیکھی تو اپنی والدہ صاحبہ حضرت اسماء کے پاس گئے، اور بتایا، لوگ ساتھ چھوڑ رہے ہیں۔ کیا کروں؟ ماں نے جواب دیا، اگر خود کو حق پرست سمجھ کر حق کیلئے حجاج سے لڑ رہے ہو تو اسی حق کی خاطر جان پر کھیل جاؤ۔ باطل کی اطاعت کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اور اگر دنیا کی خاطر لڑتے رہے ہو تو مجھے افسوس ہے تو نے کتنی جانیں ضائع کیں۔

ماں کے منہ سے یہ جواب سن کر بہت خوش ہوئے، اٹھ کر ماں کے سر کو بوسہ دیا اور کہا میرا بھی یہی ارادہ تھا۔ خدا کی رضا کیلئے آج تک باطل کے مقابلے میں ڈٹا رہا ہوں اور اب اسی کی خاطر جان دوں گا

آپ نے سترہ جمادی الاوّل ۷۳ھ کو فجر کی نماز بڑے اطمینان سے ادا کی منجنیق کے پتھر پاس آکر گرتے رہے، مگر آپ کے انہماک اور خشوع میں کوئی فرق نہ آیا۔ سورتیں ترتیل کے ساتھ پڑھی اور جو چند جاں نثار رہ گئے تھے ان کے ساتھ مل کر دشمن پر حملہ کر دیا۔ اس جوانمردی سے لڑے کہ دشمن کے چھکے چھوٹ گئے آخر ایک پتھر کنپٹی پر آکر لگا، سر پھٹ گیا، خون بہہ جانے کے باعث آپ گر گئے، اور بہت سے لوگوں نے ہجوم کر کے آپ کا سر قلم کر دیا پھر حجاج نے نعش مبارک سولی پہ لٹکا دی۔

کئی روز بعد حضرت اسماء نے جسم مبارک حاصل کر کے جنازہ پڑھایا، پھر مدینہ جا کر دفن کیا۔ قبر سے خوشبو کے فوارے ابلتے رہے

اموی خلفاء

ولید بن عبد الملک (۸۶ھ تا ۹۶ھ) کے دورِ اقتدار میں مدینہ طیبہ کی عاملیت کے اس صالح فرزند کو نصیب ہوئی، جسے خلافت راشدہ کا مظہر اور الباقیات الصالحات تصور کیا جاتا ہے، اور تاریخ میں جس کا نام عمر بن عبد العزیز یا عمر ثانی ہے[عہ] ایسے صاحب دل، روشن بصر، زینتِ تقویٰ و طہارت، مجسمہ دیانت و امانت، پیکر عشق و محبت اور صاحب بصیرت انسان نے اپنے دور میں جس ذوق و مستی اور خدمت و عقیدت کا ثبوت دیا ہوگا، وہ باسانی سمجھا جا سکتا ہے۔

حاشیہ عہ *** حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ

۶۱ھ میں جس سال حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ میدان کربلا میں شہید ہوئے آپکی ولادت ہوئی۔ شاہانہ ماحول میں تربیت پائی، شہزادگی کے تمام لوازم آپ میں موجود تھے، طبیعت اتنی حسین، نفیس اور لطیف نازک پائی تھی کہ حقیقتاً کسی شاعر کا خواب تھے، خرام ناز میں اس بلا کی دلکشی تھی کہ دیکھنے والے دنگ رہ جاتے اس رعنائی و زیبائی کے ساتھ گیسوئے عنبریں کی آرائش و زیبائش کی طرف خاص توجہ دیتے تھے۔ ایک دفعہ اسی اہتمام میں باجماعت نماز رہ گئی تو آپ کے اتالیق نے انکے والد صاحب سے شکایت کی، انہوں نے سزا کے طور پر بال کٹوا دیئے۔ خلافت کا بار کاندھوں پر آتے ہی شہزادگی کے یہ سارے لوازمات یکدم کافور ہو گئے، وہی عمر جو اپنے بانکپن، زیب و زینت اور ٹھاٹ باٹھ کیلئے مشہور تھے، یکدم اتنے سادہ، ذمہ دار، محتاط، حلیم، دور رس نگاہ اور مآل اندیش بن گئے کہ عقلیں دنگ رہ گئیں۔

جب خلیفہ سلیمان کا جنازہ پڑھ کر گھر میں داخل ہوئے تو زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ اہلیہ محترمہ نے پوچھا! کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آیا ہے؟ آپ نے جواب دیا

(بقیہ حاشیہ آگے)

امام بخاری نے جناب عروہ سے ابن سعد نے نوفل بن سعید بن مغیرہ ہاشمی سے اور علامہ سمہودی نے محمد بن عقیل سے یہ روایت کی ہے۔

محمد بن عقیل کہتے ہیں

شب کے آخری حصے میں روضہ اقدس کی حاضری دینا، اور تہجد پڑھنا میرا روز کا معمول تھا، ایک رات میں عادت کے مطابق گھر سے روانہ ہوا، فضا خنک اور بھیگی ہوئی تھی جب میں دارِ مغیرہ بن شعبہ کے پاس پہنچا تو ایسی عجیب و نفیس اور حیرت انگیز مہک نے استقبال کیا جسکی تشبیہ و بیان سے قاصر ہوں، یوں محسوس ہوا کہ کروڑوں رشکِ جناں گلستانوں کے عنبر فشاں اور نکہت بیز جشنِ بہاراں میں آگیا ہوں، جہاں خوشبوؤں کی لپٹوں کا مقابلہ جاری ہے صورت حالات نے ششدر کر دیا، پھر جوں جوں روضہ اقدس کے قریب پہنچتا گیا اس دلکش خوشبو اور طبیعت کی بے خودی میں اضافہ ہوتا گیا۔ جب روضہ اقدس کے قریب پہنچا تو میرے ہوش اڑ گئے، بارش کی وجہ سے روضہ اقدس کی دیوار گری ہوئی تھی، اور قبور مبارک نظر آرہی تھیں۔

فدخلت فسلمت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومکثت فیہ ملیا [۲۲]

(سب سے پہلے تو میں نے داخل ہو کر سلام عرض کیا۔ اور کچھ دیر ٹھہرا اتنے میں محسوس ہوا کہ کوئی آرہا ہے۔ بوئے یار نے محبوب کو کھینچ لیا تھا جناب

بقیہ حاشیہ

اس سے بڑا حادثہ اور کیا پیش آئے گا کہ میرے نازک و ناتواں کاندھوں پر امت کی نگرانی و حفاظت کا بوجھ ڈال دیا گیا ہے۔ چھوٹے بڑے سب میری رعایا بن گئے ہیں، اور انکے حقوق میرے ذمہ لازم ہو گئے ہیں۔ اب کوئی شخص ایسا نہیں جسکے بارے میں مجھ سے بازپرس نہ کی جا سکتی ہو!

پھر آپ نے تمام کنیزیں جمع کیں اور فرمایا تم میں سے جو آزادی کی طالب ہو وہ آزاد ہے۔ اور جو رکنا چاہے اسے اختیار ہے۔ البتہ میں کسی سے سروکار نہیں

۲۲ وفاء الوفا، ۳۸۷

(بقیہ حاشیہ آگے)

عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ آتے دکھائی دیئے جب آپ نے قبور مبارک کو ننگا دیکھا تو خوف و اضطراب، بے چینی اور تشویش سے اتنا روئے کہ

فما رئی باکیا اکثر من یومئذ [۲۳]

کبھی بھی اس طرح زار و قطار روتے نہیں دیکھے گئے تھے، وہیں اپنے محبوب کے پہلو میں بیٹھ گئے اور صبح کا انتظار کرنے لگے، اسی حالت میں رات گزار دی، صبح مدینہ کے مشہور اور سعادت مند معمار جناب وردان کو بلایا۔ حضرت عائشہ کا حجرہ شریف انہوں نے بنایا تھا، انہیں موقعہ دکھایا، وہ بھی آبدیدہ ہو گئے، اور آلات لے کر آگئے، جب وردان ایک طرف سے مٹی ٹھیک کر رہے تھے تو اچانک ایک "قدم مبارک" پنڈلی تک صاف نمایاں ہو گیا، جناب عمر نے یہ منظر دیکھا تو گھبرا کر کھڑے ہو گئے آپکو خیال ہوا کہ شاید یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاؤں مبارک ہے، جو ظاہر ہو گیا ہے۔

بقیہ حاشیہ

نہیں رکھوں گا، مجھے اپنے حقوق معاف کرنا ہونگے۔

تمام کنیزوں نے رونا شروع کر دیا۔ اور گھر بھر میں کہرام مچ گیا۔

حضرت حماد آئے تو جناب عمر نے احساس ذمہ داری کے خوف سے انکے آگے بھی رونا شروع کر دیا حماد بولے! یا امیر المومنین! کیا آپ دولت سے محبت کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا! نہیں

حماد نے کہا! پھر آپ پریشان و مضطرب نہ ہوں۔ ان ذمہ داریوں کو نبھانے کی اللہ تعالیٰ آپکو توفیق عطا فرمائے گا، اور پردۂ غیب سے مدد فرمائے گا۔ خلیفہ کی حفاظت و نگرانی کیلئے چھ سو افراد ہوتے تھے، جو خلیفہ کی شان کا اظہار کرنے کیلئے ہٹو بچو کی صدائیں لگاتے، دائیں بائیں، آگے پیچھے تلواریں سونت کر چلتے اور حفاظت کے فرائض انجام دیتے تھے جب معمول کے مطابق، یہ باڈی گارڈ اپنے مخصوص لباس میں شاہانہ طمطراق کے ساتھ جناب عمر کے سامنے آئے اور

۲۳ عمدۃ القاری ۸ / ۲۲۷

حضرت عروہ نے بتایا: لا واللہ ماھی قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ماھی الاقدم عمر [۲۴]

(اللہ کی قسم! یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قدم مبارک نہیں۔ بلکہ عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ہے) یہ سن کر جناب عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی جان میں جان آئی،

وامر اباحفصة مولی عائشة رضی اللہ عنہا وناسامعہ فبنوا الجدار [۲۵]

"پھر آپ نے حضرت عائشہ کے غلام ابوحفصہ کو حکم دیا، انہوں نے دوسروں کے ساتھ مل کر دیوار بنائی" اب اندر جاکر صفائی کرنے کا مرحلہ باقی رہ گیا، اس سعادت کے حصول کیلئے جناب عمر ثانی خود تیار ہوگئے، رجاء بن حیوہ موجود تھے، بولے۔

انک ان قمت قام الناس معک فلو امرت رجلا ان یصلحھا رجوت انہ یامرنی بذاک [۲۶]

بقیہ حاشیہ۔

اپنی خدمات کا مظاہرہ کرنا چاہا تو آپ نے فرمایا: میں مسلمانوں ہی کا ایک فرد ہوں مجھے جھوٹی نمائش کی ضرورت نہیں، اور نہ ہی حفاظت کی ضرورت محسوس کرتا ہوں مجھے کسی سے خطرہ نہیں اپنی تقدیر پر شاکر ہوں، تم جاؤ!

جب گھوڑوں کی فوج ظفر موج کا ذکر کیا گیا جس کا بار بیت المال پر تھا تو فرمایا تمام گھوڑے بازار میں لے جاکر فروخت کر دو، اور رقم سرکاری خزانے میں داخل کر دو آپکی اہلیہ فاطمہ خلیفہ عبدالملک کی بیٹی تھیں، جنکی نزاکت طبع اور شاہانہ مزاج کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ خلیفہ کی بہن، خلیفہ ہی کی بیٹی، خلیفہ ہی کی بیوی تھیں جنکی اس شان کو ایک شاعر نے اس شعر میں بیان کیا ہے۔

بنت الخلیفة والخلیفة جدھا

اخت الخلیفة والخلیفة زوجھا [البدایة ۹: ۱۹۳]

یہی فاطمہ جب اپنے شوہر کے نصب العین، اور مطمح نظر کی صداقت سے آگاہ ہوئیں

[۲۴] بخاری، ۱۸۶۔ [۲۵] وفاء الوفاء، ۳۸۷ [۲۶] عمدۃ القاری ۸/ ۲۲۷

جناب! اگر آپ اندر تشریف لے گئے تو ساری مخلوق بے قرار ہو کر ٹوٹ پڑے گی، اس لئے کسی اور کو حکم دیں جو یہ خدمت انجام دے، (درپردہ یہ خود اس سعادت سے بہرہ اندوز ہونا چاہتے تھے)

جناب عمر ثانی نے فرمایا: لا نؤذیھم بکثرتنا الیوم [۲۷]

(ہم ہجوم کر کے روضہ اقدس کے مکینوں کو اذیت و تکلیف نہیں دیں گے)

آپ نے اپنے غلام مزاحم کو حکم دیا کہ وہ یہ سعادت حاصل کرے۔ جب وہ صفائی کرنے میں لگ گیا تو جناب عمر کی محبت حرف تمنا بن کر ہونٹوں پہ آگئی۔

لان اکون ولیت ما ولی مزاحم من قم القبور احب الی من ان یکون لی من الدنیا کذا وکذا [۲۸]

قبور مبارکہ کو صاف کرنے کی جو خدمت مزاحم انجام دے رہا ہے۔ اگر یہ میرے حصے میں آتی تو ساری دنیا سے زیادہ مجھے محبوب ہوتی۔

بقیہ حاشیہ

اور جان لیا جس راہ کو انہوں نے اختیار کیا ہے وہی برحق ہے۔ تو زندگی کے ہر موڑ پر ساتھ دینے اور ایثار کرنے کیلئے تیار ہوگئیں۔

جناب عمر نے فرمایا! باپ سے جو بیش قیمت جواہرات، جڑاؤ زیور اور ذخائر ملے ہیں، وہ مجھے دو تاکہ میں انہیں بیت المال میں داخل کر دوں، میں تم اور دنیا کے یہ زخارف اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ جناب فاطمہ نے برضا ورغبت تمام زیورات اور جواہرات نکال کر دے دیئے۔

اور کہا: میں ایسے زیورات آپ کے جوتے کی نوک پر قربان کرتی ہوں۔

جب آپ کا وصال ہوا تو بعد میں بننے والے خلیفہ نے حضرت فاطمہ کو پیشکش کی! اگر فرمائیں تو وہ زیورات واپس کر دوں، جو حضرت عمر نے لے کر بیت المال میں جمع کرا دیئے تھے؟ مگر ایثار پسند، وفا شعار، زاہد طبع اور بے نیاز خاتون نے فرمایا

[۲۷] وفاء الوفاء، ۳۸۷۔ [۲۸] وفاء الوفاء ۱/ ۳۸۷ باقی حاشیہ آگے

"ان کی زندگی میں جس چیز کو ٹھکرا دیا، اب انکے وصال کے بعد اسے گھر میں لانا گوارا نہیں کر سکتی"

حضرت فاطمہ نے جناب عمر کی حیات طیبہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا۔ گھر میں آتے تو سجدے میں گر کر رونا شروع کر دیتے اسی حالت میں آنکھ لگ جاتی، جب ہوش آتا پھر طبیعت بے قرار ہو جاتی رونا شروع کر دیتے اسی عالم گریہ و نیاز اور سجدہ و انابت میں ساری رات گزر جاتی۔

جب موت کو یاد کرتے تو جسم پھڑکنے لگ جاتا

ایک دفعہ کسی اموی شہزادے نے شکایت کی آپنے ہم سے تمام جاگیریں چھین کر بیت المال میں جمع کر دی ہیں۔ آپ نے فرمایا: تمہارا ان تمام اموال میں عام مسلمانوں کے مساوی حق ہے، اگر حق پرست اور قناعت پسند بننا چاہتے ہو تو کثرت کے ساتھ موت کی یاد کیا کرو۔ اگر عیاش ہوئے تو عیاشی سے باز آجاؤ گے۔ اور اگر تنگدست ہوئے تو صابر و قانع ہو جاؤ گے۔

ایک ایسے شخص نے ایک دفعہ آپکے صاحبزادے کو پٹی پڑھائی کہ اندر جا کر کہو: پہلے خلفاء تو ہمیں بہت نوازتے تھے، مگر آپ نے تو جو کچھ تھا وہ بھی لے لیا آپ نے صاحبزادے سے کہا، جا کر جواب دو! اباجان کہتے ہیں۔

انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم

"اپنے رب کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ قیامت کے عذاب سے ڈر لگتا ہے"

آپ نہایت رحمدل تھے اور کسی کو قتل کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ آپ سے پہلے خلیفہ سلیمان، باغی خارجیوں کو مروا دیا کرتا تھا۔

ایک دفعہ کسی خارجی نے سلیمان کو منہ پر گالیاں دیں، اس نے حکم دیا، عمر کو بلاؤ جب آپ آئے تو اس نے خارجی سے پھر کلام کیا، اس نے پہلے کی طرح پھر سے بے نقط سنا ڈالیں۔ سلیمان جناب عمر کو یہ دکھانا چاہتا تھا کہ یہ لوگ کسی رعایت کے مستحق نہیں ہیں۔

بولا! اب آپ اس کے بارے میں کیا فیصلہ کرتے ہیں؟
جناب عمر نے بڑے اطمینان سے جواب دیا! جس طرح اس نے تمہیں گالیاں دی ہیں، تم بھی اسے گالیاں دے لو!

سلیمان نہ مانا اور پولیس انسپکٹر خالد کو حکم دیا اسے قتل کر دو۔
جب خالد کی ملاقات جناب عمر سے دوبارہ ہوئی تو اس نے تعجب سے کہا!

"جب امیر المومنین اس خارجی کو قتل کرنا چاہتے تھے، تو آپ نے صرف گالیاں دینے کا مشورہ کیسے دے دیا؟ مجھے تو خدشہ پیدا ہو گیا تھا، کہیں وہ غصہ میں آ کر آپ کو قتل کرنے کا حکم نہ دے دیں"

آپ نے پوچھا! اگر وہ یہ حکم دے دیتا، تو تم کیا کرتے؟

خالد نے جواب دیا! "میں بے دریغ آپ کو قتل کر دیتا"

اس جواب سے جناب عمر کو خالد کی ظالمانہ ذہنیت معلوم ہو گئی۔
جب آپ خلیفہ ہوئے تو سب سے پہلے خالد کو بلا کر معزول کیا، اور یہ عہدہ، عمرو بن مہاجر انصاری کو دیا جو بڑے ایمان دار، فرض شناس، شرع پاک کے پابند اور نیک طینت تھے۔

جناب عمر نے باغ فدک کی تحقیقات کا بھی حکم دیا۔
معلوم ہوا حضور علیہ السلام اسکی آمدن، رفاہ عامہ کے کاموں پر خرچ فرماتے تھے، بنو ہاشم کے بچوں کی تربیت کیلئے اسی سے وظائف دیئے جاتے، بیوہ عورتوں کی شادی کا انتظام کیا جاتا، جناب فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا نے حضور سے یہ باغ لینا چاہا، مگر آپ نے انکار فرمایا۔

جناب صدیق و فاروق کے عہد خلافت میں اسکی آمدن ان ہی مدات پر خرچ ہوتی رہی جن پر آقا علیہ السلام خرچ فرماتے تھے۔ پھر بعد میں مروان نے اسے ذاتی جاگیر بنا لیا۔ جناب عمر رضی اللہ عنہ نے تحقیقات کے بعد حکم دیا، باغ فدک کی پہلی حیثیت بحال کر دی جائے۔ اور اسکی آمدن انہی کاموں پر صرف کی جائے، جن

پر عہدِ نبوی اور خلافتِ راشدہ میں صرف ہوتی رہی۔

عدل و انصاف اور دیانت و امانت میں بالکل خلافتِ راشدہ کے نقشِ قدم پر چلتے، دنیاوی اور سیاسی مصلحتوں کی خاطر کتاب و سنت کے احکام نظر انداز نہ کرتے۔

موصل کے حکمران یحییٰ غسانی نے آپ کو لکھا۔

یہاں کے باشندے بڑے جرائم پیشہ اور فتنہ و فساد کے عادی ہیں، ڈاکہ زنی، سرقہ اور سلب و نہب کی وارداتیں کثرت سے ہوتی رہتی ہیں۔ اگر آپ حکم دیں تو قیام امن کی خاطر صرف شک و شبہ کی بنا پر ہی ان لوگوں کو سزائیں دینا شروع کر دوں۔

آپ نے جواب دیا۔ کتاب و سنت کے احکام سے ہرگز تجاوز نہ کرو، شرعی ضابطوں سے جو جرم ثابت ہو جائے اسے سزا دو، غیر کو نہیں! جو شرعی ضابطہ کار سے درست نہیں ہوتا۔ اسکی اصلاح کی ضرورت بھی نہیں۔"

ان قوانین پر عمل کی برکت سے کچھ ہی عرصہ بعد موصل کا علاقہ سب سے زیادہ پر امن اور بابرکت ہو گیا۔

رجاء بن حیوہ کہتے ہیں، شب کو آپ کے ہاں تھا۔ چراغ مدہم ہو گیا، غلام سویا ہوا تھا، اسے جگانے کی بجائے خود اٹھے، چراغ درست کیا!

میں نے کہا: آپ غلام کو جگا لیتے؟

فرمایا! جب میں اٹھا تب بھی عمر تھا، اب واپس آیا ہوں تب بھی عمر ہوں۔

اس خلوص و ایثار کے ساتھ خلافت کے فرائض انجام دینے کی اتنی برکت ظاہر ہوئی کہ غرباء و نادار ختم ہو گئے لوگ زکات کیلئے مستحقین تلاش کرتے، سروں پہ دولت کی گٹھڑیاں اٹھا کر پھرتے، مگر کوئی لینے والا نہ ملتا۔

طبیعت میں اتنا اعتدال و انصاف تھا کہ تعصب کی بناء پر جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو گالی دینے والے ایک شخص کو آپ نے کوڑے لگوائے۔

قیس کہتے ہیں! قرآن پاک نے مومن آلِ فرعون کی جو حیثیت بیان کی ہے بنو امیہ میں جناب عمر کی وہی حیثیت تھی۔

میمون کا بیان ہے اللہ تعالیٰ پہلی امتوں کو انبیائے کرام کے ذریعہ ہدایت دیا کرتے تھے۔ اب چونکہ نبوت کا دروازہ بند ہے۔ اس لئے جناب عمر کے ذریعہ ہدایت و نگرانی کا انتظام فرمایا ہے)

ابن فضالہ کہتے ہیں! جناب عمر کے صاحبزادے کو دیکھ کر ایک راہب دیوانہ وار لپٹ گیا اور بہت عزت کی، پھر بتایا! میں نے اس لئے تمہارا احترام کیا ہے کہ تم ایک عظیم باپ کے بیٹے ہو، جس طرح حرمت والے مہینوں میں تین مہینے اکٹھے ہیں، یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم!! اور ایک مہینہ الگ ہے یعنی رجب!.....

اسی طرح خلفاء راشدین میں تین ایسے خلفاء اکٹھے ہیں جن کی خلافت کو سب نے تسلیم کیا یعنی جناب صدیق و فاروق و عثمان اور ایک خلیفہ الگ ہیں یعنی عمر بن عبد العزیز

یہ ارشادات آپکی حکمت و بصیرت اور علم و دانش کے شاہد ہیں:

(الف) صفائے باطن کی طرف توجہ دو، ظاہر بھی مجلا و آراستہ ہو جائے گا۔

(ب) مجادلہ، غضب اور حرص و ہوس سے بچنے والا محفوظ رہتا ہے۔

(ج) حسن طلب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو! اگر پہاڑ کی چوٹی پر اور زمین کی پہنیوں میں بھی تمہارا رزق ہو تو تمہیں مل جائے گا۔

(د) ایک شخص سے فرمایا: اپنے بیٹے کو فقہ اکبر سکھاؤ۔۔

اس نے پوچھا! فقہ اکبر کیا ہے؟

آپ نے جواب دیا: قناعت اور اذیت رسانی سے اجتناب:

بنو امیہ کے عیاش شہزادے اس پیکر عظمت و جلال اور آفتاب ہدایت و دیانت کی اصلاحی کاروائیاں برداشت نہ کر سکے، چنانچہ غلام کے ذریعہ جناب عمر کو زہر دلوا دیا۔

کسی نے مشورہ دیا کہ مدینہ طیبہ تشریف لے جائیے تاکہ روضہ اقدس نبوی میں آپ کو بھی جگہ مل جائے۔ آپ نے فرمایا: اگر اس اعزاز کریم کے اہل ہونے کا کبھی میرے دل میں خیال بھی آیا ہو تو خدا مجھے عذاب دے،

آخری وقت میں حاضرین سے کہا: نکل جاؤ:

مسلمہ اور فاطمہ دروازے پر بیٹھے رہے۔

جناب عمر کی زبان سے نکلا:

مرحبا بھذہ الوجوہ، لیست بوجوہ انس ولاجان

میں ان حسین چہروں کو مرحبا کہتا ہوں، یہ جن وانس کے چہرے نہیں ہیں
پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی:

تلک الدار الآخرۃ نجعلھا للذین لا یریدون علوا فی الارض ولا فسادا والعاقبۃ للمتقین

"یہ آخرت کا گھر ہے جو ہم ان لوگوں کو دیں گے۔ جو زمین میں علو و فساد نہیں چاہتے: آخرت پرہیزکاروں ہی کے لئے ہے" اس کے بعد خاموشی چھاگئی اندر آکر دیکھا تو آپ وصال فرما چکے تھے

بیس رجب ۱۰۱ھ میں ساڑھے انتالیس سال کی عمر میں آپ نے وصال فرمایا۔

جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت کے برابر آپ نے بھی دو سال پانچ مہینے خلافت فرمائی جناب حضرت حسن بصری کو پتہ چلا تو فرمایا۔

مات خیر الناس : سب سے بہتر انسان چل بسا۔

عباسی خلفاء

خلیفہ ہارون رشید (۱۷۰۔ ۱۹۳ھ) کے عہد میں ان کی والدہ خیزران ۱۷۰ھ میں مدینہ طیبہ وارد ہوئیں انہیں مقامات مقدسہ پر عقیدت و محبت کے پھول پیش کرنے کا بہت شوق تھا، ابراہیم بن الفضل نے اس معاملہ میں انکی راہنمائی فرمائی اور روضۂ اقدس اور مسجد نبوی کو خلوق (خوشبو کی ایک قسم) سے معطر کرنے کا مشورہ دیا۔

خیزران نے اپنی کنیز مونسہ کو اس خدمت کیلئے مامور کیا، چنانچہ ستون اور درو دیوار تک خلوق سے لتھیڑ دیئے گئے۔ [29]

خلیفہ المتوکل (۲۳۲۔ ۲۴۷ھ) نے ۲۳۳ھ میں روضۂ اقدس کے گرد سنگ مرمر کا فرش بچھانے کا بطور خاص اہتمام کیا، چنانچہ اس نے ایک ماہر فن اسحاق کو مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ کی تعمیرات کا منتظم اعلیٰ مقرر کیا، اور حکم دیا کہ ان ان یؤزر الحجرۃ بالرخام [30] حجرہ پاک میں سنگ مرمر بچھائے۔

فلما ولی المتوکل ازدھا بالرخام من حولھا [31]

(جب متوکل حکمران ہوا تو حجرہ پاک کے ارد گرد سنگ مرمر نصب کرایا۔) عہ

حاشیہ: عہ

خلیفہ المتوکل: یہ خلیفہ ہارون رشید کا پوتا تھا، ۲۰۷ھ میں پیدا ہوا منصب خلافت سنبھالتے ہی ان تمام بدعات کا نام ونشان مٹانے کا عزم کر لیا جنہیں مامون کے زمانے سے بڑا شیوع و نفوذ حاصل تھا، اپنے اس کارنامے کی بدولت اسے بڑی شہرت حاصل ہوئی، اہل علم اور محدثین کا بھی بڑا قدر دان تھا، ایک مرتبہ علماء کو اپنی مجلس میں مدعو کیا، اسکی آمد پر سارے کھڑے ہو گئے، مگر احمد بن المعذل بیٹھے رہے، متوکل کو یہ انداز کھٹکا، حاضرین سے مخاطب ہوا، یہ ہمیں خلافت کا اہل نہیں سمجھتا، سب کو خدشہ پیدا ہو گیا کہ اب احمد عتاب شاہی کا نشانہ بن جائیں گے۔ کسی نے

[29] وفاء الوفاء ۶۱۶۔ [30] وفاء الوفاء ۶۰۸ [31] عمدۃ القاری ۸: ۲۲۷۔

خلیفہ المقتفی (۵۳۰-۵۵۵) نے ان تعمیرات پر اور اضافہ کیا ۵۴۸ھ میں از سرِ نو سنگِ مرمر بچھایا گیا۔ صندل و آبنوس کی نہایت خوبصورت اور پھولدار کٹہریاں لگائی گئیں، وزیر جمال الدین نے تو اس سلسلہ میں بڑی ہی دلچسپی اور عقیدت کا اظہار کیا اور شفاف و براق پتھروں سے حرم نبوی کو سجادیا۔ ۳۲

بقیہ حاشیہ

معذرت کے طور پر کہا: "انکی بینائی کمزور ہے" اس لئے نہیں اٹھے، وگرنہ یہ آپ کو سچا خلیفہ مانتے ہیں" جناب احمد ایک راستباز اور حق گو عالم تھے، فوراً اس وکالت کی تردید میں بول پڑے:

اے خلیفہ: میری نظر میں کوئی خرابی نہیں ہے، میرے نہ اٹھنے کی وجہ یہ ہے کہ میں آپ کو آگ سے بچانا چاہتا تھا، کیونکہ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے "جو دوسروں کے دست بستہ کھڑا ہونے سے خوش اور مغرور ہو اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے"،

متوکل کو ان کی یہ ادا بہت پسند آئی، لہٰذا خود جاکر ان کے پاس بیٹھا۔

بدعات کی بیخ کنی اور استیصال کی وجہ سے اور سنت کے احیاء کے باعث بعض اہل علم نے متوکل کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے کہ تین خلفاء اپنی تین خدمات اور خصوصیات کی وجہ سے بہت مشہور ہوئے ہیں۔ جناب ابوبکر صدیق اس وجہ سے کہ آپ نے اہل ردت اور جھوٹے نبیوں کی سرکوبی کی: جناب عمر بن عبدالعزیز کو اس وجہ سے کہ آپ نے مغصوبہ املاک مستحقین تک پہنچائیں۔ اور متوکل کو اس وجہ سے کہ اس نے سنت کو زندہ کیا۔

کسی نے خواب میں دیکھا کہ روشنی میں ٹہل رہا تھا۔ پوچھنے پر جواب دیا: سنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا احیاء کرنے کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے مجھے بخش دیا ہے۔

۲۴۷ھ میں اسکے بیٹے منتصر نے اوباشوں کے ساتھ مل کر باپ کو قتل کردیا اور خود خلیفہ بن گیا، مگر باپ کا قاتل ہونے کی وجہ سے سکون نصیب نہ ہوا۔ لوگوں

(بقیہ حاشیہ آگے)

۳۲ عمدۃ القاری وفا ۴۰۸۔

شاہان مصر کے وزیر حسن بن حیجا نے سفید ریشمیں پردے لٹکائے، جن پر سرخ و زرد رنگ کے ریشم کے ساتھ نقش کاری کی گئی تھی اور سورۃ یٰسین لکھی گئی تھی۔ ۳۳

خلیفہ المستضی (۵۶۶-۵۷۵) نے ۵۷۰ھ میں بنفشی رنگ کے ریشمی پردے تیار کرائے، اور انکے چاروں کناروں پر ابوبکر، عمر، عثمان اور علی لکھوا کر وہاں لٹکائے۔ ۳۴

خلفائے عباسیہ کے علاوہ دوسرے بادشاہوں نے بھی اپنی محبت و نیازمندی کا ثبوت دیا۔ سلطان رکن الدین بیبرس نے ۶۶۷ھ میں حج کیا، جب روضۂ اطہر پر حاضری دی تو اسکے دل میں روضہ اقدس کے اردگرد جالی لگانے کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ اس نے اگلے سال درابزین یعنی جنگلہ یا جالی بنواکر بھیجی جو ۶۶۸ھ میں اردگرد لگائی گئی۔ ۳۵

قلاوون خاندان کی خدمات اس سلسلہ میں بہت نمایاں ہیں۔ مصر کا فرمانروائیہ خاندان ۷۹۲ ہجری تک برسر اقتدار رہا، اسکے مورث اعلیٰ قلاوون صالحی کے عہد ہمایوں میں مشہور سیاح ابن بطوطہ مصر پہنچا۔ اس نے ان الفاظ میں اسکی سیرت بیان کی ہے۔

وکان سلطان مصر علی عهد دخولی الیها الملک الناصر ابوالفتح محمد بن

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ

میں مشہور ہوگیا

بادشاہت کی خاطر باپ کو مار ڈالنے والا چھ ماہ سے زیادہ بادشاہ نہیں رہتا۔ کیونکہ کسریٰ ایران شیرویہ بھی باپ کو قتل کرکے، چھ ماہ بعد ہی چل بسا تھا۔ وہی ہوا منتصر نے خواب دیکھا کہ متوکل کہہ رہا ہے۔ تو نے مجھ پر ظلم کیا ہے، زیادہ عرصہ تو بھی زندہ نہیں رہ سکے گا۔ چنانچہ چھ ماہ بعد ہی مرگیا۔

۳۳ عمدۃ القاری: ۴م ۳۴ وفاء الوفاء، ۱۵م، ۳۵ عباس کوارہ، تاریخ الحرمین، ۲۱۲؛ تحقیق النصرۃ ۸۴؛ وفا، ۴۳۸

الملک المنصور سیف الدین قلاوون الصالحی۔۔۔ وللملک الناصر رحمہ اللہ السیرۃ الکریمۃ والفضائل العظیمۃ۔ وکفاہ شرفا انتماءہ لخدمۃ الحرمین الشریفین ۳۷؎

جب ہم مصر پہنچے تو وہاں کے سلطان، قلاوون صالحی کے صاحبزادے الملک الناصر محمد تھے، خدا ان پر رحمتیں نازل فرمائے، بڑی خوبیوں کے مالک ہیں انکی عظمت کے اظہار کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ خادم حرمین شریف ہیں۔

مشہور سیاح ابن جبیر نے اپنے سفر نامہ میں لکھا ہے۔

ہم نے روضہ اطہر کی زیارت کی اسکی چوڑائی ہر طرف سے دو سو بہتر بالشت ہے سنگ مرمر کے ایسے نفیس اور حسین پتھر نصب ہیں جنکی نقش کاری اور خوبی و دلاویزی کی شرح نہیں کی جا سکتی، دیواروں پر مسک وطیب کی تہیں چڑھی ہوئی ہیں اور لاجوردی پردے عجب شان سے لہراتے رہتے ہیں، ان پر چہار پہلو اور ہشت پہلو حلقے اس نفاست اور مہارت کے ساتھ بنائے گئے ہیں، کہ اندر گول دائرہ اور باہر سفید نقطے ہیں، ان کی اشکال ایسی بدیع اور حسین ہیں کہ بیان میں نہیں آسکتیں۔

جو مقام مہبط جبریل کہلاتا ہے، وہاں اظہار علامت و عقیدت کے طور پر اک پردہ لٹکایا گیا ہے مواجہہ شریف کے سامنے چاندی کی ایک سلاخ ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ پُر نور اس طرف ہے جدھر صدیق و فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے مبارک چہرے ہیں ادھر بیس قندیلیں چاندی کی آویزاں ہیں، دو سونے کی بھی ہیں ۳۸؎

سلطان قلاوون ہی کے پوتے، سلطان الصالح اسماعیل نے ۷۶۰ھ میں مصر میں ایک گاؤں خریدا اور اسکی آمدن کعبہ مکرمہ کے غلاف اور روضہ مقدس کے پردوں کیلئے وقف کر دی۔ غلاف ہر سال اور پردے پانچویں سال ڈالے جاتے تھے

۳۶؎ تاریخ الحرمین، ۲۴۰؛ تحقیق النصرۃ ۸۱، = وفاء الوفا، ۴۲۵
۳۷ رحلۃ ابن بطوطہ ۴۳

اشتری قریۃ من بیت مال المسلمین بمصر ووقفها علی کسوۃ الکعبۃ المشرفۃ فی کل سنۃ وعلی کسوۃ الحجرۃ المقدسۃ والمنبر الشریف فی کل خمس سنین ۳۹؎

" مصر پر ترکی سلاطین کا قبضہ ہو جانے کے بعد، سلطان سلیمان اعظم نے ملک الصالح کے اس وقف میں سات گاؤں کا اور اضافہ کر دیا۔ اور اس عظیم وقف کی آمدنی سے ہر سال کعبہ کا غلاف، اور ہر پانچویں سال حجرۂ نبوی کے پردے اور ممبر نبوی کا غلاف مصر سے بن کر آنے لگا "۔ ۴۰؎

سلطان الصالح بن محمدؒ کے بعد حسن بن محمدؒ نے ۷۶۵ھ میں گنبد پاک کی از سر نو تعمیر کرائی۔
۸۸۱ھ میں پھر اس گنبد پاک کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہوا جسکی تکمیل بروایت علامہ سمہودی ۸۹۲ھ میں ۴۱؎ اور بروایت امام محمد مہدی صاحب مطالع المسرات ۸۸۶ھ میں ہوئی۔ وصفۃ الروضۃ الشریفۃ علی ما هی علیہ الآن بعد انشائها عام ستۃ وثمانین وثمان مائۃ ۴۲؎

(اور روضہ پاک کی موجودہ صورت ۸۸۶ھ میں وجود میں آئی۔ یہی حالت اب تک قائم ہے) خاندان قلاوون کے ملوک مصر کی طرح، ترکی سلاطین نے بھی روضۂ اطہر کی تعمیر و تزئین میں حسن اہتمام کی تمام تر دلنوازیوں کے ساتھ حصّہ لیا گنبد پاک کا سبز رنگ انہی کی پسند ہے۔ جو ذوق نظر کے ساتھ انکے حسن انتخاب و حسن عقیدت کی بھی دلیل ہے۔

اس سلسلہ میں عثمانی خلیفہ محمود خاں بادشاہ (۱۲۲۳ھ ۱۲۵۵) کی محبت وارادت بہت بڑھی ہوئی اور ایک باوفا سچے مومن اور عاشق صادق کے جذبات کی ترجمان و نمائندہ تھی، چنانچہ انہوں نے ۱۲۳۳ھ میں روضۂ اطہر کی بناء و تعمیر میں خصوصی دلچسپی کا مظاہرہ کیا، اور ذاتی طور پر حصّہ لے کر گنبد پاک پر سبز رنگ کرایا ۴۳؎

۳۸؎ ابن جبیر، ۱۶۹ - ۳۹؎ وفاء الوفاء ۱۶م - ۴۰؎ غلاف کعبہ کی تاریخ، مرتبہ ابوالاعلی ۱۹۰
۴۱؎ وفاء الوفا، ۳۲م - ۴۲؎ مطالع المسرات، ۱۳۸ - ۴۳؎ وفا، ۳۶م

محمود خاں کو اس اہتمام اور خصوصی توجہ کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ وہابیوں نے وہاں قابض ہو کر مقدس مقامات کی بہت توہین کی تھی، مسلمانوں کے اکابرین کی قبریں منہدم کر دی تھیں اور اس قدر خون خرابہ کیا تھا جس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی اس لئے محمود خاں کو ان کی سرکوبی کی طرف توجہ دینا پڑی چنانچہ سنہ ۱۲۳۳ھ میں ان کا استیصال کر دیا گیا۔

(اس اندوہگین، ہوشربا اور خونی داستان کی تفصیلات ساتویں باب میں "ابن عبدالوہاب نجدی صاحب" کے حالات کے تحت بیان کی جائیں گی۔

ساتواں باب

گنبد خضراء کی اعجازی شان

۱- واقعۂ حرّہ
۲- حجاز کی آگ
۳- روضۂ اطہر میں نقب زنی کی کوشش اور سلطان نورالدین زنگی
۴- واقعۂ خسف
۵- محمد بن عبدالوہاب نجدی

ا:- وہابی تحریک کا سیاسی پس منظر
ب:- خلفائے آل عثمان
ج:- حجاز کے حکمران
د:- نجد کے سردار
ھ:- شیخ ابن عبدالوہاب کا زمانہ ظہور
و:- رجحانات و عقائد اور کتاب التوحید
ز:- مرزائے قادیان اور شیخ نجدی
ح:- ابتدائے عشق

وہابیت کا پہلا دور

ابن سعود کا جانشین
علماء میدانِ عمل میں

وہابیت کا دوسرا دور

ا:- کارنامے

۱- کربلا معلی پر حملہ ۲- طائف کی بربادی
۳- مکۂ مکرمہ کی بے حرمتی ۴- مدینہ طیبہ کی بے حرمتی

وھابیت کا استیصال

وھابیت کا تیسرا دور

ا:- جنگ اقتدار   ب:- ابن رشید کا ارتفاع

ج:- غیراللہ کی پناہ میں   د:- تشنۂ آرزو کی تکمیل

وھابیت کا چوتھا دور

ا۔ منظم وہابیت کی ضرورت

ب۔ ۱۹۲۴ء کا عالم اسلام

ج۔ طائف میں خون

د۔ مکہ پر دوبارہ حملہ

ھ۔ گنبد خضرا پر فائرنگ۔

و:- وہابیت کے خلاف دنیائے اسلام کا احتجاج

وھابیت اپنے کردار کے آئینے میں

۱۔ تصورِ بُتاں کا ایک رُخ

۲۔ دوسرا رُخ

وھابیت پر مستند آرا و تبصرے

وھابیت کی نشاندھی نبوی اخبارِ غیب میں

ا:- دربارِ نبوی کی علمی مجلسیں

ب:- ذوالخویصرہ

علامات کی تفصیل:-

۱۔ کالا ٹنڈا   ۲۔ نجد سے خروج

۳۔ ٹنڈ پرستی   ۴۔ مسلمانوں کا قتل عام

۵۔ بت پرستوں سے دوستی   ۶۔ بے لگام زبان۔



زندہ نبی کے زندہ معجزات اور برکات کا ظہور

تو زندہ ہے واللہ، تو زندہ ہے واللہ
میرے چشم عالم سے چھپ جانے والے

نفسی الفداء لقبر انت ساکنہ
فیہ العفاف وفیہ الجود والکرم

"میری روح اس جلوہ گاہ پر فدا ہو جائے جہاں آپ سکونت پذیر ہیں حقیقت یہ ہے کہ اسی میں، عفت و پاکبازی کی عظمتیں، اور کرم و سخا کی ساری شانیں مستور و پنہاں ہیں"

اعجازِ نبوی کے بے شمار، زندہ و پائندہ اور باوقار مظاہر ہیں:-

(الف) وعدۂ الٰہی ہے کہ

بدخواہوں کی اذیت رسانی سے تحفظ، اور ان کی خوفناک ریشہ دوانیوں اور معاندانہ چیرہ دستیوں سے ذاتِ اقدس نبوی کا بچاؤ، خاص اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ہے، اپنی تمامتر مہلک کاروائیوں کے باوجود وہ اس ذاتِ بابرکات کے جسم و جاں کو کوئی گزند نہ پہنچا سکیں گے۔

(ب) وصال شریف کے بعد از سرِ نو پہلے جیسی حیات بھی، خاصۂ نبوت کی ایک اعجازی شان ہے، آپکی حیات، تابندہ تر، جاوداں، نگاہِ یقین و ایمان اور حقیقت میں ہر قسم کے شکوک و شبہات سے بالاتر ہے۔

(ج) "تصرف فی الکون" بھی آپ ہی کی عظمتِ شان، اور جلالتِ مرتبت کا ایک حصہ ہے

یہ تمام محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دلنواز ادائیں اور حسین شانیں ہیں، جن سے انکے مہربان و مالک اور قیوم پروردگار نے ان کو نوازا ہے، جس طرح ظاہری حیاتِ پاک میں ان کا ظہور ہوتا تھا، وصال شریف کے بعد بھی بارہا ان کا مشاہدہ و مظاہرہ ہوا ہے گویا گنبدِ خضرا میں جلوہ بار ہونے کے بعد بھی، یہ شانیں نمایاں و تاباں ہیں۔ تاریخ نے ان نشانوں کو اپنے سینے میں محفوظ کر لیا ہے، جو ان حقائق پر روشنی ڈالتی ہیں کہ تصرف، حیات، اور وعدۂ تحفظ، آج بھی برقرار ہے، اور قیامت تک اسی شان سے برقرار رہے گا۔

گنبدِ خضرا کے مکین ہونے کے بعد، ان اعجازات کی نمود اور ان کا تذکرہ ایک نیا جذبہ و ولولہ، اور ذوقِ یقین پیدا کرتا ہے اس لئے اس تذکرے سے قلب و روح کی بالیدگی کا سامان کیا جاتا ہے۔

واقعۂ حرّہ

یہ سنہ ۶۱ھ کی بات ہے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت نے عالم اسلام میں یزید کے خلاف غم و نفرت کی لہر دوڑا دی، اہل مدینہ نے اس سانحہ کی شدت کو کچھ زیادہ ہی محسوس کیا جس کا اظہار یوں ہوا کہ انہوں نے مدینہ پر یزید کے گورنر عثمان بن محمد کو معزول کر دیا، بنو امیہ گھر کو گھیراؤ کر لیا انہیں اذیتیں دیں، اور اقتدار و انتظام کیلئے دو امیر چن لئے، مہاجرین نے عبداللہ بن مطیع کو اور انصار نے ابن حنظلہ کو منتخب کر لیا۔

یزید کی نظر میں یہ ایک انتہائی اقدام تھا جسے گوارا کر لینا اسکی جاہ پسند دلدادۂ شان و شکوہ اور متکبر طبیعت کیلئے ممکن نہ تھا۔ چنانچہ اس نے بلا تاخیر مسلم بن عقبہ کو حکم دیا کہ بارہ ہزار کا لشکر لے کر مدینہ کی طرف پیشقدمی کرے۔ اس نے خاص ہدایات بھی دیں کہ اگر اہل مدینہ سے مقابلہ ہو جائے تو انہیں کسی قسم کی مراعات نہ دی جائیں اور تین روز تک وہاں قتل عام کیا جائے،

یہ شامی لشکر ہوا کے دوش پر پرواز کناں نواحِ مدینہ میں پہنچ گیا۔ اور پورے شہر کو محاصرہ میں لے لیا، اسکی آمد کی سن گن پا کر اہل مدینہ نے پہلے ہی حفاظتی اقدامات کے طور پر ایک خندق مدینہ کے گرد کھودی ہوئی تھی۔ اس لئے شامی اچانک حملہ آور نہ ہو سکے۔ اور پیغام رسانی کا سلسلہ شروع کر دیا۔ شامیوں کا سارا زور اسی نقطے پر تھا کہ یزید کی دوبارہ بیعت کر لیں، مگر اہل مدینہ نے جواب دیا، اپنے نصب العین اور ایمان کی خاطر جانیں تو دے دیں گے مگر ایک فاسق و نابکار کی اطاعت قبول نہیں کریں گے۔

مسلم بن عقبہ نے تیسرے روز حملہ کر دیا۔ اہل مدینہ منورہ نے تعداد کی کمی کے باوجود اس آہن و سنگ میں ڈوبی ہوئی فوج کی تند و تیز یلغار کو پامردی سے روکا، مگر وہ زیادہ عرصہ اس سیل بے اماں کے سامنے چٹان بن کر نہ جم سکے اور پسپا ہو گئے۔ مسلم بن عقبہ نے کسی قسم کی حرمت و فضیلت کو ملحوظ رکھے بغیر عام

لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا حکم دے دیا۔ یہ نام نہاد مسلمان درندے انسانیت و شرافت کی تمام قدریں بالائے طاق رکھ کر شہر مقدس میں گھس گئے اور ایسا طوفان بدتمیزی برپا کیا، جسکے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور شرافت منہ چھپاتی ہے۔ ایسی قبیح، گھناؤنی اور انسانیت سوز حرکات کیں، جو ایک ذلیل و نابکار دشمن ہی سے سرزد ہو سکتی ہیں۔ تین دن تک یہ ہنگامہ دار و گیر اسی طرح قائم رہا۔ چوتھے دن فسق و فجور کے یہ بادل چھٹے اور اہل شہر کو سکون سے سانس لینا نصیب ہوا

اس عرصہ میں نہ کسی کی عزت محفوظ رہی نہ جان اور جائداد! اہل شام نے تقریباً سات سو معزز ترین افراد کو شہید کر دیا جن میں اکابر صحابہ اور بزرگ ترین نامور اہل علم و تقوی بھی تھے۔ انکے علاوہ دس ہزار دوسرے لوگ تہہ تیغ کئے گئے۔

جب یہ طوفان بلا قدرے تھما تو مسلم بن عقبہ دربار لگا کر بیٹھ گیا۔

اسکی چچازاد بہن آئی کہ اپنے سپاہیوں کو حکم دو، وہ فلاں جگہ سے میرے اونٹ نہ لیں۔

اس نے اپنے گماشتوں سے کہا: پہلے اسی کے اونٹ پکڑ کر لاؤ۔

ایک عورت نے بیٹے کی سفارش کی تو اسے اسی وقت اسکے سامنے مروا دیا۔

عمرو بن عثمان کی ڈاڑھی کا ایک ایک بال اکھڑوا دیا۔

اس وحشت و بربریت نے ہر طرف سراسیمگی و سنسنی پھیلا دی۔ لوگوں کو جہاں پناہ گاہ نظر آئی وہیں دبک گئے۔

جناب سعید بن مسیب کہتے ہیں۔

میں اس ناگہانی آفت سے بچنے کیلئے مسجد نبوی میں بھاگ گیا۔ مگر جب محسوس ہوا کہ ان وحشی درندوں سے یہاں بھی اماں نہیں ملے گی تو روضہ اقدس میں چلا گیا۔ تین دن تک وہیں چھپا رہا۔ وہاں ایسے ایمان افروز مشاہدات نصیب ہوئے کہ ساری کلفت اور رنج و غم بھول گیا۔ نگاہ رحمت نبوی نے ایسی کرم نوازی فرمائی کہ اسی کے سرور و حضور میں گم ہو گیا۔

تین دن تک یوں ہوتا رہا، کہ جب بھی نماز کا وقت ہوتا۔ روضہ اقدس سے باقاعدہ اذان کی مترنم و شیریں آواز سنائی دیتی، پھر کچھ دیر بعد اقامت کی آواز آتی۔ میرے لئے یہ آواز ایسی دلجوئی کا باعث رہی کہ اسکی لذت میں بھول گیا کہ خونخوار دشمنوں سے بچاؤ کیلئے یہاں چھپا ہوا ہوں۔

" اذان سے نمازوں کے اوقات کا پتہ چل جاتا۔ لہٰذا وقت پر نمازیں ادا کر لیتا

اس طرح انہوں نے تین دن تک حضور نبوت سے قلب و جگر کی تسکین اور ایمان و ایقان کی بالیدگی کا خوب سامان کیا، حیات رسالت کے علانیہ مشاہدے اور نمود سے سینے کو نور و سرور سے معمور کر لیا اور عزم و یقین کی دولت سے مالا مال ہو کر باہر تشریف لائے۔

بعد میں سپاہی ان کو بھی پکڑ کر مسلم بن عقبہ کے پاس لے گئے، مگر آپ پر روضہ اقدس میں ظاہر ہونے والی اعجازی شان کا ایسا نشہ چڑھا ہوا تھا کہ انہیں مجنوں سمجھ کر چھوڑ دیا۔

قدرت نے مسلم بن عقبہ سے مدینہ منورہ کی بے حرمتی کا اس طرح انتقام لیا کہ چند روز بعد ہی مر گیا۔ یہ ۶۳ھ کے آخری دنوں کا واقعہ ہے۔ اسکے بعد یزید بھی چل بسا جسکے اقتدار کو استحکام بخشنے کیلئے مسلم نے اتنا بڑا جرم کیا تھا۔

تاریخ میں یہ خونی "حادثہ واقعہ حرہ" کے نام سے مشہور ہے۔

البدایہ والنہایہ

شرح الزرقانی، علامہ محمد بن عبدالباقی ۸۰ : ۳/۵

حجاز کی آگ

دربارِ رسالت کی خاص اور اجتماعی محفلیں ایمان و عرفان اور رشد و ہدایت کی کہکشاں تھیں جہاں نورِ علم اور حقیقت و معرفت کے دریا بہتے رہتے تھے، خود فراموش دین و ایمان علم و اخلاق اور نور و نظر سے محروم، انسانیت اور شرافت کے تقاضوں سے بے بہرہ، تہی دامن بدقسمت لوگ آتے، اور علوم و معارف، ایمان و آگہی اور حکمت و بصیرت کے بیش بہا موتیوں سے دامن بھر کر واپس چلے جاتے، یہ نورانی محفلیں ایمان کی بالیدگی کا موثر ذریعہ اور روحانی تربیت و تعمیرِ اخلاق کا اہم مرکز تھیں جہاں شرعی مسائل و قوانین بھی سکھائے جاتے، اور مظاہرِ کائنات کے مستور حقائق اور سربستہ اسرار سے آگاہی بھی بخشی جاتی، بعض اوقات ماضی و مستقبل کے حالات و واقعات بھی زیرِ بحث آجاتے ایسے موقعہ پر حاضرین کا ایمان تازہ ہو جاتا، وہ مستقبل کے نادیدہ حالات سن کر حیران بھی ہوتے اور محظوظ بھی، کیونکہ غیب کی باتیں فطری طور پر انسان کو متاثر کرتی ہیں، وہ ایسی باتیں شوق و رغبت سے سنتے ہیں اور سنانے والے کی عظمت و فضیلت کے قائل ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس عظمت و فضیلت سے اپنے محبوب کو بہرۂ وافر عطا فرمایا ہوا ہے، کیونکہ اسے یہی منظور ہے کہ امتی اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی شانوں سے آگاہ ہوں اور ان کے کمال کے گیت گائیں اور ان کی عظمت و رفعت کا اعتراف کریں ایک ایسی ہی علمی و نورانی مجلس قائم تھی، صحابہ کرام مستقبل میں رونما ہونے والے حیرت انگیز واقعات کی تفصیلات سن سن کر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علمی کمالات پر مسرور، اور رب تعالیٰ کی اس عطا پر بے حد خوش ہو رہے تھے کہ ایسا افضل و اعلیٰ، بزرگ و بالا، اکرم و اعظم اور بصیر و دانا رسول صلی اللہ علیہ وسلم انہیں عطا فرمایا، کہ اچانک نگاہِ نبوت کے سامنے ۶۵۴ھ ہجری میں وقوع پذیر ہونے والا ایک واقعہ آگیا، آپ نے اس طرح اس کی حقیقت سے آگاہ فرمایا۔

لا تقوم الساعة حتى تخرج نار بالحجاز تضيئ اعناق الابل ببصرى [1]

"قیامت قائم نہ ہوگی، یہاں تک کہ حجاز کی سرزمین سے ایک آگ نکلے گی جس کی روشنی میں اہلِ بصری اونٹوں کی گردنیں دیکھ لیں گے۔"

اس حدیث کے راوی ثقہ اکابر ہیں، اور جن محدثین و مورخین نے چھ سو سال بعد اس پیشگوئی کو پورا ہوتے دیکھا اور چشم دید حالات بیان کئے وہ بھی زمرۂ ثقات و اکابر سے تعلق رکھتے ہیں، مسلم شریف کے شارح امام نووی (۶۳۱ - ۶۷۶) اس وقت مدینہ منورہ میں موجود تھے، اور قطب قسطلانی مکہ مکرمہ میں تھے مگر اس آگ کے فلک بوس شعلے انہوں نے وہیں سے دیکھ لئے۔ اپنی کتابوں میں ان حضرات نے اس حیرت انگیز آگ کی تفصیلات درج فرمائی ہیں۔

جمادی الاولیٰ ۶۵۴ھ کی آخری تاریخیں تھیں کہ مدینہ منورہ میں کچھ جھٹکے محسوس کئے گئے، مگر وہ اتنے معمولی تھے کہ کسی نے توجہ نہ دی۔ جمادی الآخری کا مہینہ شروع ہوا تو ان میں شدت آگئی تیسری تاریخ کو منگل کی شب اتنا زبردست زلزلہ آیا کہ لوگوں کے اوسان خطا ہو گئے جمعہ تک یہ سلسلہ جاری رہا، مگر جمعہ کے روز ہولناک آواز کے ساتھ زمین نے لرزنا شروع کر دیا۔ ہیبتناک دھماکوں اور قیامت خیز جھٹکوں نے عوام کو مخبوط الحواس بنا دیا۔ ایسی جگر دوز اور ہوشربا صورتِ حال پیدا ہوئی جس کا انہوں نے کبھی سامنا نہیں کیا تھا۔

ابھی وہ زلزلوں کی اسی مصیبت میں گرفتار تھے، کہ ایک اور ناگہانی آفت نے آگھیرا جیسے بوتل سے کسی عفریت نے سر نکال لیا ہو۔ ہوا یہ کہ دہشت ناک شور کے ساتھ زمین پھٹ گئی، اور لہراتے ہوئے آگ کے خوفناک شعلوں نے تیزی کے ساتھ باہر لپکنا شروع کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے مشرق کی طرف کی ساری وادی آگ کے سمندر میں تبدیل ہو گئی، اور یوں محسوس ہونے لگا کہ سرخ و زرد سیال لاوے کی نہر بہنے لگ گئی ہے۔ اس کی تیز آنچ میں پتھر پانی کی طرح پگھلنے لگے اور پہاڑ نرم موم کی صورت اختیار کر گئے۔ اس نے لوہے پتھر کو اس طرح کھانا شروع

---

[1] مسلم شریف ۲: ۳۹۳

کیا جیسے سوکھے پتے جلائے جاتے ہیں، سنگ سوزی، تباہی و بربادی اور جلاؤ کے اس عمل سے ایسا تلخ دھواں اور غبار اٹھا کہ سورج چاند اور ستارے تک اسکی تیرگی میں چھپ گئے اور آتشِ سیال کے اس دھکتے اور موجزن سمندر میں تحلیل ہو کر رہ گئے۔

یہ آگ کئی میلوں کے رقبہ میں پھیلی ہوئی تھی، دیکھنے والوں کو یوں محسوس ہوتا تھا گویا اسے غیر مرئی فصیل میں بند کیا ہوا ہے۔ تاکہ اس سے باہر نہ نکل سکے، عجیب بات یہ تھی کہ پتھروں کو سیسے کی طرح پگھلا دیتی تھی، مگر درختوں پر اثر نہ کرتی تھی۔

اس وقت مدینہ کے امیر عز الدین تھے ظہورِ نار کی خوفناک خبر سن کر حیران و دہشت زدہ ہو گئے، عوام میں منادی کرادی کہ اعمال و نیات کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں، یہ سب گناہوں کی نحوست و نحوست کا نتیجہ ہے۔ تنبیہ کیلئے یہ ایک نشان ظاہر کیا گیا ہے۔

لوگوں نے دبائی ہوئی امانتیں اور غصب کئے ہوئے حقوق فوراً ادا کئے ایک دوسرے سے زیادتیوں کی معافیاں مانگیں، اور حصولِ امن و مغفرت کیلئے اس دربار کی طرف دوڑے جہاں جانے کا حکم قرآن پاک نے دیا ہے

ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاءو ک
فاستغفر و الله واستغفر لهم الرسول ۲ے

استغفار و توبہ کی خاطر تمام لوگ روضہ اطہر پر حاضر ہو گئے

هبط الامير للنبى صلى الله عليه وسلم وبات فى المسجد
ليلة الجمعة وليلة السبت ومعه جميع اهل المدينة

امیر، روضہ اقدس پر آئے، اور جمعہ اور ہفتہ کی رات تمام اہل مدینہ کے ساتھ وہیں گزاری۔

امام سیوطی فرماتے ہیں سارا مہینہ یہ سلسلہ یونہی جاری رہا۔

۲ے وفاء الوفا، ۱۵۱ - ۳ے تاریخ الخلفا، ۲۵۰ - ۴ے وفاء الوفا، ۱۵۱

لوگ اپنے محبوب و مہربان آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اپنے گناہوں کا اعتراف کرکے استغفار و شفاعت کی درخواستیں کرتے رہے، مسجد نبوی میں سجدہ ریز ہو کر روتے اور گڑگڑاتے رہے۔ ان ایام میں ان پر شبوں کا گداز اور دنوں کی تپش کا راز منکشف ہو گیا۔

یہ آگ بتدریج مدینہ طیبہ کی طرف بڑھتی رہی، بادن دن بعد یہ حرم مدینہ کی حدود تک پہنچ گئی، لوگوں کی گریہ وزاری، مسکینی اور عاجزی انتہا کو پہنچ گئی، وہ اس مدت میں تفرع و خشوع اور مناجات و استغفار سے کندن بن گئے۔ آخر توبہ و انابت، درود و سلام اور روضہ اطہر پر حاضری اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ کرم و شفاعت کی برکت سے اس آگ کے بجھنے کے آثار نمودار ہونا شروع ہو گئے، چنانچہ وہ حرم شریف کے اندر بالکل داخل نہ ہوئی، نہ اندر کی حدود کی کسی چیز کو کوئی نقصان پہنچایا اور مستقیم شکل میں آگے بڑھنے کی بجائے، شمال کی طرف مڑ گئی۔

اشفق منها اهل المدينة، غاية الاشفاق، والتجئوا الى نبيهم المبعوث بالرحمة، صرفت عنهم ذات الشمال، وزاحت عنهم الاوجال، وظهرت بركة تربته فى امته ۵ے

(آگ سے خوفزدہ ہو کر اہل مدینہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ میں آ گئے وہ شمال کی طرف مڑ گئی اور ان کا خوف کم ہو گیا، اور امت کے سامنے تربتِ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت ظاہر ہو گئی۔)

وہ آگ پیچھے ہٹ کر بالآخر بجھ گئی۔

اس آگ کے ظہور، زمانہ ظہور اور مقامِ ظہور میں کچھ معنی خیز اشارات ہیں!

(الف) قرآن پاک فرماتا ہے۔ وما نرسل بالآيات الا تخويفا، ہم نشانیاں لوگوں کو خوفزدہ کرنے کے لئے بھیجتے ہیں، یہ اس لئے تاکہ وہ اپنے کرتوتوں پر متنبہ ہو کر نافرمانی و معصیت کی روش ترک کردیں۔ گویا نشانات اہل سعادت اور

۵ے وفاء الوفا، ۱۰۰

اہلِ ایمان کیلئے رحمت ہیں۔ یہ آگ بھی اہلِ مدینہ اور دیگر علاقوں کے لوگوں کے لئے ایک طرح کی رحمت وارننگ اور تنبیہ تھی، جو انہیں ہوش میں لانے کے لئے ظاہر کی گئی، چنانچہ ڈیڑھ دو ماہ تک جب وہ برابر نظر آتی رہی تو لوگ از خود اصلاحِ احوال کی طرف متوجہ ہو گئے اور انسان بن کر رہنے کا وعدہ کر لیا۔

(ب) اس آگ کے عمل اور طریقہ کار سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ وہ صرف اہلِ دل کو ہوشیار و بیدار کرنے کیلئے تھی، وہ صرف پتھروں کو جلاتی تھی، متعین اوقات میں آگے بڑھتی تھی، اور تقریباً دو ماہ تک جلتی رہی، یہ سارا عمل غافل دلوں کو اس حقیقت سے آشنا کرنے کے لئے کافی تھا، کہ یہ عام آگ نہیں ہے، بلکہ مامور و محکوم ہے اور نظم و ضبط کے ساتھ کام کر رہی ہے، وگرنہ اشیاء کو جلانے میں امتیاز نہ برتتی۔

(ج) مدینہ منورہ کے نواحی علاقہ کو اسکے ظہور کے لئے اس واسطے منتخب کیا گیا تاکہ امت کے لئے رحمت ہی رہے، باعثِ عذاب و نقصان نہ بن جائے جب تک اسکی ضرورت ہو جلتی رہے۔ پھر مرکزِ رحمت و کرم کے پاس پہنچ کر بجھ جائے، انذار و تخویف کی ضرورت بھی پوری ہو جائے، اور امت پر اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تربت پاک کی برکت بھی ظاہر ہو جائے۔

ولعل الحكمة في تخصيصها بهذا المحل.... فانها لو ظهرت بغيره .... وسلطان القهر.... فانه لربما استولت على ذالك القطر ولم تجد صارفا فيعظم ضررها على الامة فظهرت بهذا المحمل الشريف لحكمة الانذار فاذا تمت قابلتها الرحمة فجعلتها بردا وسلاما [6]

(د) اس کے ظہور کے لئے جمعہ کا دن اس لئے چنا گیا کہ یہ مسلمانوں کا خاص اور مقدس دن ہے۔ تاکہ وہ اس روز اس علامت کبریٰ کو دیکھ کر سمجھ لیں، یہ دن انکے لئے خصوصیت کا حامل ہے جسے فضول ضائع کرنا زیبا نہیں، اور اس دن کی طرح سارے ایام بلکہ مسلمان کی ساری زندگی ایک خاص مقصد کیلئے ہے کھیل تماشے کیلئے نہیں، جسے اطاعت ہی میں صرف ہونا چاہیئے۔

6ے وفاء الوفاء ۱/۱۰۰، وفاء الوفاء ۱/۱۰۰ ، البدایہ ۱۳۰، ۱۸۷ ، تاریخ الخلفاء ۳۵۰

روضۂ اطہر میں نقب زنی کی کوشش

سلطان نور الدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ

آپ اتابک زنگی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ۵۱۱ھ میں پیدا ہوئے۔ ابن خلکان لکھتے ہیں۔ الاتابك هو الذي يربي اولاد الملوك - ۸:۲

"شاہی اتالیق کو اتابک کہتے ہیں"۔ آپ کا خاندان شاہان سلجوق کا اتابک تھا مگر سلجوقی فرمانرواؤں کا آفتاب اقبال گہنایا تو یہ خاندان خود مختار ہو گیا۔ اور اس کے متعدد حکمرانوں نے بڑے دبدبے اور وقار کے ساتھ حلب و موصل پر حکومت کی۔

اتابک خاندان کے سربراہ آق سنقر تھے جنکے بعد ان کے فرزند زنگی نے منصب حکومت سنبھالا ۵۴۱ھ میں جعبہ کے محاصرے میں وہ شہید ہوئے تو حلب کا علاقہ آپ کے فرزند محمود کے تصرف میں آیا۔

نور الدین محمود بچپن ہی سے خوش ادا، متواضع، پرہیزگار، باوقار، سخی اور عبادت گزار تھے حکومت کا بوجھ کاندھوں پر پڑا تو اور زیادہ محتاط، حساس اور فرائض کے معاملہ میں چوکس ہو گئے۔ ابن اثیر لکھتے ہیں، "خلفائے راشدین اور جناب عمر بن عبد العزیز کے بعد ان سے زیادہ سنت کا پیروکار، فرض شناس، بے نفس، فیاض اور درویش صفت حکمران کوئی نہیں گزرا۔ ہو بہو خلفاء راشدین کے نقشِ قدم پر تھے۔ فقہاء سے فتویٰ لیا۔ کہ بیت المال سے کتنی تنخواہ لینی جائز ہے۔ انہوں نے گزارے کیلئے جتنی رقم تباع اس سے زیادہ ایک کوڑی نہ لی۔ روٹی کے سوکھے ٹکڑوں کے ساتھ افطار فرمایا کرتے تھے۔ گھر بھر میں آپکی سیرت سے قائم شدہ فضا کا یہ اثر تھا کہ سب اطاعت و عبادت میں دلچسپی لیتے تھے۔ ایک روز آپکی اہلیہ نے گریہ و زاری سے برا حال کر لیا۔ پوچھنے پر بتایا، رات آنکھ نہ کھلنے کی وجہ سے وظائف رہ گئے ہیں، اس لئے افسوس کر رہی ہوں۔ آپنے فوراً ایک طبل خانہ بنوایا اور بھاری تنخواہ پر ایک ملازم رکھا۔ تاکہ وہ شب زندہ داروں کو، رات کے وقت طبل بجا کر جگا دیا کرے۔ حضرت یافعی فرماتے ہیں،

جناب نورالدین محمود ان سات سو اولیاء کرام میں سے تھے جن کا تعلق ابدال اور غوث کے ساتھ ہوتا ہے۔" اس لحاظ سے آپ شاہی لباس میں بلند روحانی پائے کے مالک تھے۔ اسی کا یہ اثر تھا کہ طبیعت و مزاج میں کوئی نخوت نہ تھی۔ ایک دفعہ کسی شخص نے آپ پر دعویٰ کر دیا۔ آپ بلا تردد قاضی شہر زوری کی عدالت میں پہنچ گئے اور مجرموں کے کٹہرے میں مدعی کے برابر کھڑے ہو گئے۔ بعد میں آپکے خلاف کوئی الزام ثابت نہ ہو سکا اور آپ کو بری کر دیا گیا، مگر آپ نے کسی کارروائی کا بُرا نہ منایا، نہ مدعی کو سخت سُست کہا۔

آپ میدان جہاد کے غازی اور اسلام کے نڈر سپاہی تھے۔ خود کو ہر وقت جہاد کے لئے تیار رکھتے، اس مقصد کیلئے روزانہ چوگان کھیلتے تھے۔ اس کھیل میں اتنے ماہر اور شہسواری میں اس قدر طاق تھے کہ گیند کو ضرب لگا کر گھوڑے کو تعاقب میں دوڑا دیتے اور راستے ہی میں گیند کو ہاتھوں میں دبوچ لیتے۔ کسی نے آپکی عظمت، باوقار شخصیت کی حیثیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کھیل پر اعتراض کیا، آپ نے جواب دیا اعمال کا دارو مدار نیت پر ہے۔ میں لہو و لعب، لذت نفس اور وقت گزاری کے خیال سے نہیں، بلکہ خود کو جہاد کیلئے ہمہ وقت تیار رکھنے کی نیت سے کھیلتا ہوں، اور گھوڑوں کو سدھانا بھی مقصود ہوتا ہے۔

اسی حسن نیت کا اثر تھا کہ غیب سے امداد ہوتی تھی، ایک مرتبہ آپ نے ایک امیر انگریز کو قید کر لیا۔ پھر اپنے مصاحبوں سے مشورہ لیا کہ اسے قتل کر دیا جائے، یا فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ آپکی رائے یہ تھی کہ فدیہ لے کر آزاد کر دیا جائے۔ چنانچہ اسی پر عمل ہوا۔ اسکے بدلے میں زرِ خطیر آیا جس سے آپ نے غربا کیلئے خیراتی ہسپتال تعمیر کرایا۔ مگر اس واقعہ میں حیرت کا پہلو یہ ہے کہ وہ بادشاہ اپنے ملک میں پہنچتے ہی مر گیا اس طرح مسلمانوں کو یہ ہسپتال مفت میں مل گیا، یہ سب نصرت الٰہی اور سلطان عادل کے حسن نیت کی برکت تھی۔

حق پسند بادشاہوں کی طرح آپ سیاسی مصلحتوں کے نام پر بے راہ روی کے

قائل نہیں تھے۔ نہ ہی خود کو حکومت کا ستون سمجھتے جسکے بغیر کاروبار مملکت چل ہی نہیں سکتا۔ اسی طرح شرعی آداب کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے۔ غلط بات سن کر فوراً ٹوک دیتے۔

ایک مرتبہ آپ نے بھری مجلس میں فرمایا: "ہم نے ہمیشہ شہادت کی تمنا کی ہے۔ بارہا ایسے مواقع بھی آئے، مگر یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی۔ قسمت اچھی ہوئی تو یہ عزت مل ہی جائے گی۔" قطب الدین نیشاپوری پاس ہی بیٹھے تھے۔ انہوں نے کہا:

"یا امیر! آپ ایسا نہ کہیں، آپ چلے گئے تو ملک کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔"

سلطان کو یہ جملہ بہت بُرا لگا۔ برافروختہ ہو کر کہا:

"میں کون ہوتا ہوں، جسکے سہارے یہ کاروبار چل رہا ہے: سب کچھ مدبر و ناظم ملک کے دست قدرت میں ہے۔ وہی اپنے دین اور بلاد کا مالک ہے، میں آئندہ تمہاری زبان سے یہ جملہ کبھی نہ سنوں" اور پھر رو رو کر آپ کی حالت غیر ہو گئی۔

"آپ کے کسی عامل نے لکھا، سیاسی مصلحت کی خاطر تعزیر و سزا کی آزادی حاصل ہونی چاہیئے، ہر جگہ تو گواہی میسر نہیں آسکتی۔" آپ نے جواب دیا، "خدا نے اپنی مخلوق کو پیدا کیا ہے، اسلامی شریعت کی شکل میں نظام زندگی دیا ہے، جو اپنی جگہ مکمل اور انسانیت کے لئے کامل رہنما ہے۔ اگر سیاسی مصلحت کے نام پر آزادی کی گنجائش ہوتی تو خدا تعالیٰ اپنے لافانی قانون میں ضرور یہ شق بھی شامل فرما دیتے، مگر شامل نہیں فرمائی جس کا مطلب یہ ہے کہ شریعت کامل ہے، اب جو اس میں اضافہ کرنا چاہتا ہے۔ وہ گویا اسے ناقص سمجھتا ہے"

اس لئے آئندہ ایسی احمقانہ تجویز میرے سامنے پیش نہ کرنا:

جناب نورالدین سیرت کے لحاظ سے اتنے صالح اور درویش ہونے کے باوجود ایک ذی شان اور پر جلال حکمران تھے، اپنے وقت کے بڑے بڑے جرنیل آپ کے سامنے آتے ہوئے کانپتے تھے۔ اسدالدین شیرکوہ آپ کا منظور نظر اور مقرب ترین جرنیل تھا، حکومت کے معاملات میں بھی بہت زیادہ عمل دخل رکھتا تھا، سلطان کو معلوم ہوا کہ

شیرکوہ اپنی حیثیت سے ناجائز فائدہ اٹھاکرلوگوں کی املاک غصب کر رہا ہے، آپ نے فوراً ایک دارالعدل قائم کرنے کا حکم دیا جس میں ہر خاص و عام کے لئے اذنِ عام کی گنجائش رکھدی۔ شیرکوہ نے قیام عدل کے یہ تمام انتظامات مکمل ہونے سے پہلے ہی لوگوں کی جاگیریں واپس کردیں اور ہر طرف سے اپنی پوزیشن صاف کر کے بیٹھ گیا۔

جب دارالعدل قائم ہوگیا تو سلطان نے عرصہ دراز تک اس میں فیصلے کئے مگر شیرکوہ کے خلاف کوئی مقدمہ نہ آیا۔ جس سے سلطان کو تعجب ہوا، قاضی صاحب نے بتایا!

"آپکے خوف سے شیرکوہ نے پہلے ہی تمام منصوبہ جائدادیں لوٹادی ہیں"
سلطان اظہار تشکر کے لئے سجدے میں گر گئے۔

یہی سلطان جس کے سامنے شیرکوہ جیسے بلا اجازت بیٹھنے کی جرأت نہ کرتے تھے وہ اہل علم، اصحاب فقہ و دین کا اتنا شیدا و قدردان تھا کہ جب کوئی عالم و فاضل تشریف لاتے۔ تو اٹھ کر استقبال کرتا، اور اپنی جگہ پر بٹھاتا۔

ایک دفعہ نیساپوری نے آپ کے سامنے کسی عالم کی غیبت کی۔
سلطان نے فرمایا، اگر تم سچے ہو، اور اس عالم میں واقعی یہ خامی موجود ہے تو بھی اسکو خسارہ نہیں کیونکہ اسکے پاس اتنی نیکیاں ہیں کہ وہ اس خامی کا کفارہ بن سکیں گی مگر تم نے جو غیبت کی ہے، اس کا کفارہ ادا کرنے کے لئے تمہارے پاس نیکیوں کا کوئی انبار نہیں ہے،، اس لئے یاد رکھو! آئندہ کسی کی غیبت نہ کرنا، ورنہ سخت سزا دوں گا۔

جب کسی عالم کو نوازنے کا وقت آتا تو سراپا نیاز بن جاتے، کہ
"اہل علم و اصحاب خلوص کی برکت ہی سے خدا تعالی نے ہمیں یہ خزانے عطا فرمائے ہوئے ہیں ان خزائن میں ان کا حق سب سے زیادہ ہے، اگر یہ اتنی سی چیز سے راضی ہوجائیں تو انکی بندہ پروری اور مہربانی ہے، ہم ان کی کیا خدمت کرسکتے ہیں"

گندمی رنگ کے ساتھ، تیکھے نین نقش رکھنے والے سلطان نورالدین نہایت خوش جمال، شیریں نظر، بلند قامت، علم دوست، مجاہد، عالی حوصلہ، سنی، اور متواضع و پرہیبت تھے، آپ کی ڈاڑھی گھنی نہیں تھی، بلکہ صرف ٹھوڑی تک محدود تھی۔ پیشانی پر نور جلال تاباں تھا۔

انکے ظاہری و باطنی اوصاف احاطہ تحریر میں نہیں آسکتے۔

وله من المناقب والمآثر ما يتخرق الوصف

سب سے پہلے آپ نے صلیبی جنگوں میں حصہ لیا، اور بیت المقدس پر فتح پائی، انگریزوں نے کہا: سلطان نے حرب وضرب اور آلات و افواج کے ساتھ نہیں، بلکہ دعا و عبادت اور خلوص و نیک نیتی کے ساتھ فتح پائی ہے۔
۵۶۹ھ میں آپ نے وصال فرمایا۔

ان الدعاء عند قبره مستجاب ولقد جربت ذالک فصح (ابن خلکان ۴ تعارف ۶۸۶)

آپکی قبر پر دعا قبول ہوتی ہے، میں نے تجربہ کیا تو صحیح پایا۔

سازش کا پس منظر

اسلام کے کوکب اقبال کا عروج و کمال دیکھ کر گردش دوراں تو سہم ہی گئی تھی۔ یہود و نصاریٰ بھی اپنی اپنی چالاکیوں اور سازشوں کے باوجود اس کی عظمت و ترقی کے پھریرے چار دانگ عالم میں لہراتے دیکھ کر، بلوں میں دبک گئے تھے، پانچویں صدی ہجری میں جب ان اسلام دشمن اہل مذاہب نے، عباسی خلافت پر زوال و ادبار کے سائے لہراتے دیکھے، تو یہ بوتل کے جن کی طرح لہراکر باہر نکل آئے، اور اپنی بکھری ہوئی طاقت منظم کر کے مسلمانوں سے وہ علاقے واپس لینے کی تگ و دو شروع کردی جو مسلمانوں نے دور ترقی میں فتح کرلئے تھے، چنانچہ ۴۹۰ھ میں انہوں نے بیت المقدس پر غلبہ حاصل کرلیا، اور فتح کے نشے میں وہاں کے باشندوں کو جس وحشت و سفاکی کے ساتھ ذبح کیا وہ تاریخ بہیمت کا ایک خونی اور نہایت لرزہ خیز باب ہے، اس زمانے میں ان مذہب

مذہب پرستوں کے فریب سے تہذیب و شائستگی اور انسانیت کان لپیٹ کر نکل گئی۔

چھٹی صدی ہجری میں یہ سیاسی کشمکش انتہائی عروج پر پہنچ گئی، عیسائی حکمرانوں نے صلیب کے نام پر متحد ہونا، اور عوام کو جنگ کے لئے تیار کرنا شروع کر دیا، مقدس جنگ کے نام پر سارے یورپ میں تہلکہ مچ گیا، اور ہر طبقہ کے لوگوں نے جنگ کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیا، جب اسلام کے خلاف یہ سیلاب بلا اٹھ رہا تھا اس وقت مصر میں عبیدی خاندان کی حکومت تھی جو قوت و شوکت کھو کر زندگی کے آخری سانس لے رہی تھی، اور ۵۶۷ھ میں ختم ہوگئی، اسکے آخری خلیفہ العاضد نے جب محسوس کیا کہ پورے یورپ کا مقابلہ اسکی بساط سے باہر ہے، اور بغداد کی عباسی حکومت بھی اس امڈتے ہوئے طوفان کا مقابلہ کرنے سے قاصر ہے، تو اس نے سلطان نور الدین العادل المحمود زنگیؒ کو لکھا کہ وہ صلیبیوں کے مقابلہ میں صف آرا ہوں۔

سلطان کو اللہ تعالیٰ نے اس دور زوال میں تثلیث پرستوں کے ساتھ ٹکر لینے کی سعادت عطا فرمائی چنانچہ نو لاکھ صلیبیوں کے ساتھ آپ کا تصادم ہوا جسکی آہنی اور عددی قوت کو اللہ تعالیٰ کی مدد کے ساتھ سلطان نے پاش پاش کر دیا۔ عہ

اہل صلیب کا نشہ ہرن ہوگیا، اور وہ جان گئے ابھی مسلمانوں کے فولادی بازوؤں میں دم خم ہے اور حیدری قوت کے وارث، انکی کمر ہمت توڑ سکتے ہیں

سلطان پیشقدمی جاری رکھ کر بیت المقدس واگزار کرانا چاہتے تھے، مگر موت نے مہلت نہ دی سلطان معظم کی اس خواہش کی تکمیل چند سال بعد ۵۸۳ھ میں فاتح اعظم سلطان صلاح الدین ایوبی نے کی اور بیت المقدس پر اسلامی پرچم لہرا دیا۔

مگر اس شان سے کہ عام معافی کا اعلان کر دیا۔ اور ایک سو سال پہلے عیسائیوں نے اسی جگہ جس درندگی و بربریت کا مظاہرہ کیا تھا اس کا کوئی انتقام نہ لیا، یہ اسلامی رواداری انسانیت دوستی، بلندئ اخلاقی اور تہذیب و شرافت کی ایسی مثال ہے، جسکے سامنے یورپ کا سر شرم وندامت سے ہمیشہ جھکا رہے گا۔

روضۂ اطہر میں نقب زنی :-

یہ واقعہ چھٹی صدی ہجری کے اسی دور سے تعلق رکھتا ہے جب اسلام دشمنی کی مشترک قدر کو سامنے رکھ کر عیسائی حکمران متحد ہو رہے تھے ۵۵۷ھ میں انہوں نے اسی سلسلہ میں سازش کی کہ مسلمانوں کے نبی کریم کا جسم مبارک روضہ اطہر سے نکال لیا جائے، کیونکہ یہی وجود مسعود مسلمانوں کی محبت کا مرکز، ان کی طاقت و روحانیت کا سرچشمہ اور کامیابی کا راز ہے، اس مقصد کے لئے انہوں نے دو مغربی عیسائی منتخب کئے اور سمجھایا کہ مدینہ طیبہ جاکر روضہ پاک کے قریب کوئی مکان کرایہ پر لے لیں، اور نقب لگاکر تربت شریف تک پہنچ جائیں، اور اپنے منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچائیں بے شمار زر و جواہر دے کر یہ دونوں شخص مغربی حاجیوں کے بھیس میں مدینہ طیبہ آئے اور روضۂ اطہر کے قریب ہی ایک مکان حاصل کر لیا۔ مساکین و غرباء اور ناداروں کو انہوں نے اس طرح نوازا کہ وہ انہیں اپنے شہر میں رحمت کا فرشتہ سمجھنے لگے، جب ان کو یقین ہوگیا کہ اہل مدینہ کو ان کی ذات کے ساتھ حسن ظن پیدا ہوگیا ہے تو انہوں نے اپنا کام شروع کر دیا۔ رات کو سرنگ کی کھدائی کرتے اور مٹی چرمی تھیلوں میں بھر کر رکھ لیتے، صبح باہر نکلتے اور جنت البقیع کی زیارت کے بہانے یہ مٹی وہاں پھینکتے اور دن بھر روضۂ اطہر پر گزار دیتے۔

ان کا یہ سلسلہ عرصہ دراز تک جاری رہا تاآنکہ یہ سرنگ روضۂ اطہر کے قریب پہنچ گئی۔ اس رات بجلی اس زور سے کوندی جیسے زمین کا سینہ چیر دے گی، اور اتنا زبردست زلزلہ آیا جیسے پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جائیں گے

ایک رات سلطان نور الدین محمود رحمۃ اللہ علیہ نے خواب دیکھا۔

قرار قلب حزین، پیکر نور مبین، امام الاولین والآخرین، سرور کائنات، رحمت عالمیاں، نبی الانبیاء جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تشریف لائے، طلعت زیبا پہ جلال کے آثار نمایاں تھے، آپ نے قہر آلود نگاہوں سے دو

سرخ مغربی شخصوں کی طرف دیکھا، اور سلطان کو حکم دیا۔

"ان سے بچاؤ، یہ مجھے تنگ کر رہے ہیں"

یہ ہوشربا اور حیرت انگیز خواب دیکھ کر سلطان پریشان ہوگیا، اسکی تعبیر و تاویل سمجھ میں نہ آئی، پھر آنکھ لگی تو یہی منظر دیکھا۔ تیسری بار بھی یہی واقعہ پیش آیا۔ اب تو سلطان کو یقین ہوگیا کہ واقعی کوئی بات ہے، اسی وقت اپنے وزیر جمال الدین موصلی کو بلایا، جو خلق و سیرت میں سلطان ہی کا پرتو تھے۔

"بار بار آنے والے خواب سے مطلع کیا۔ وزیر نے کہا: مدینہ طیبہ میں کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آیا ہے آپ کسی قسم کی تاخیر کے بغیر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو جائیں، تاکہ آقا علیہ السلام کے فرمان مبارک کے خلاف نہ ہو۔ میں بھی احتیاط کے طور پر کچھ فوج اور مال و اسباب لے کر آپکے پیچھے پیچھے پہنچ جاؤں گا۔ سلطان نے چند ساتھیوں کے ہمراہ مدینہ منورہ کی راہ لی، سولہ روز بعد یہ مختصر سا قافلہ منزل مقصود پر پہنچ گیا، سلطان نے سب سے پہلے اپنے آقا و مولا نبی مختار رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر حاضری دی، صلوٰۃ و سلام کے مہکتے پھول پیش کئے اور حیران ہو کر بیٹھ گیا کہ کارروائی کا آغاز کس طرح کرے؟

وزیر جمال الدین نے دریافت کیا، "کیا آپ ان دو سرخوں کو پہچان لیں گے، جن کو آپ نے خواب میں دیکھا تھا"

سلطان نے اثبات میں جواب دیا۔

جمال الدین نے فوراً اعلان کرا دیا کہ سلطان دربار رسالت کی حاضری کے لئے آئے ہیں، اور اپنے دست مبارک سے تمام اہل مدینہ کو عطایا و ہدایا سے نوازنا چاہتے ہیں، لہٰذا تمام لوگ آئیں، اور سلطان کے دریائے جود و کرم سے حصہ حاصل کریں۔"

سلطان نے آنے والوں کو مال بانٹنا شروع کر دیا، ہر سائل کو غور سے دیکھتے رہے، مگر مطلوبہ لوگ نظر نہ آئے، بڑی تشویش ہوئی، آخر وزیر نے چھان بین کی، پتہ

باقی اگلے صفحہ پر

واقعہ خسف

یہ ہراس آگین اور اندوہناک واقعہ علامہ سید شریف نور الدین علی سمہودی (م ۱۰۵۶ھ) نے اپنی مشہور تاریخی کتاب وفاء الوفاء میں "تاریخ لبغداد لابن النجار"، ابن سعدون اور محب طبری کی الریاض النضرہ سے بیان فرمایا ہے۔

عبیدی حکومت کے چھٹے حکمران الحاکم (۳۸۶ - ۴۱۱ھ) کے عہد میں کچھ شرارت پسند اور بے دین عناصر کو فتنہ آرائی کی ایک عجیب تدبیر سوجھی، جس نے مسلمانوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑا دی۔ اور وہ بے قرار ہو کر فتنہ پردازوں پر ٹوٹ پڑے اور انہیں

(بقیہ مضمون صفحہ گزشتہ)

چلا دو مغربی حاجی روضہ شریف کے جوار میں رہتے ہیں، وہ نہیں آئے لوگوں نے بتایا، "وہ تو خود بڑے دولت مند اور فیاض ہیں، اہل مدینہ کو انہوں نے مالا مال کر دیا ہے، وہ آکر کیا لیں گے؟"

مگر وزیر نے حکم دیا، انہیں بھی ضرور لایا جائے، سلطان نے ان کو پہلی ہی نظر میں پہچان لیا، ان کی ظاہری حالت اتنی شاندار اور بزرگانہ تھی کہ شک کرنے کی گنجائش ہی نہیں تھی، مگر سلطان خواب میں ان کی حیثیت دیکھ چکا تھا، لہٰذا ان کی رہائش گاہ پر پہنچا، وہاں بھی کتابوں اور مشکیزوں کے سوا کچھ نظر نہ آیا، مگر جونہی ایک جگہ مصلی اٹھایا، نیچے سے سرنگ نظر آگئی، یہ دیکھ کر سب کے ہوش اڑ گئے اور رنگ فق ہوگئے۔

بازپرس کرنے پر ان دونوں نے ساری سازش سے آگاہ کر دیا، سلطان اتنا رویا کہ حد نہ رہی۔ پھر ان کو قتل کر دیا، اور روضہ اطہر کے اردگرد خندق کھدوا کر، پاتال تک اس میں پگھلا ہوا سیسہ بھر دیا، تاکہ آئندہ کے لئے اس قسم کے خطرے کا امکان ہی نہ رہے۔ یہ اتنی بڑی خدمت تھی جس کو انجام دے کر سلطان کی خوشی کی حد نہ رہی، اور اس نے رب تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ ایسی عظیم خدمت اس کو سونپی گئی اور حضور علیہ السلام نے اس کام کے لئے اس کو منتخب کیا۔

کیفر کردار تک پہنچا دیا۔ اس واقعہ کی تفصیلات کچھ یوں ہیں کہ:۔ ؏۵

کچھ زندیق اور بے دین لوگ حاکم کے پاس آئے، اور اسے یہ پٹی پڑھائی کہ مدینہ کی طرف ساری مخلوق کا رجوع ہے۔ تم مصر میں ایک مقبرہ تیار کرا کے روضۂ اقدس کے مکینوں کے اجسام یہاں منگا کر دفن کر دو، اس طرح ساری اسلامی دنیا میں تیرا شہرہ ہو جائے گا اور لوگ زیارت کے لئے یہاں آنا شروع کر دیں گے۔

فسادی ذہن اور بے دین طبیعت رکھنے والے حاکم کو یہ بات بھا گئی، اس نے ایک شاندار مقبرہ تیار کرنے کے احکام جاری کر دیئے، شب و روز کی مسلسل محنت کے بعد بہت جلد ایک مقبرہ نما عمارت وجود میں آگئی، اب نازک ترین مرحلہ اگلا تھا، اس کام کے لئے اس نے ایک شخص کو تیار کیا جس کا نام ابوالفتوح تھا،

ابوالفتوح اپنے ساتھیوں کے ہمراہ جب اس ناپاک مقصد کی تکمیل کے لئے مدینۂ طیبہ پہنچا تو اسکا ارادہ معلوم کر کے لوگوں میں کھلبلی مچ گئی، اور پروانہ وار امڈ آئے، اور اس مذموم ارادے سے روکا۔ لوگوں کی محبت و وارفتگی اور بے مثال عقیدت دیکھ کر ابوالفتوح کو پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ وہ ایک انتہائی ذلیل حرکت کے لئے آمادہ ہو کر آیا ہے۔

اس نے عوام کے خوف سے یہ ارادہ ترک کر دیا۔ مگر ابن سعدون لکھتے ہیں کہ لوگوں نے مشتعل ہو کر اسکے تمام ساتھیوں سمیت اسے قتل کر دیا۔

؏۶ حاشیہ

مصر میں عبیدی حکومت ۳۶۲ھ میں قائم ہوئی، اور ۵۶۷ھ میں اس کا خاتمہ ہو گیا اس کے کل چودہ حکمرانوں نے حکومت کی، جو سب شیعہ تھے، اور فاطمی خلفاء کہلاتے، مگر علامہ سیوطی نے ان کی حکومت کو الدولۃ الخبیثہ کے نام سے تعبیر کیا ہے، کیونکہ ان کا نسبی طور پر اس عظیم ہستی کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں تھا، بلکہ سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے لئے لوگوں کی عقیدت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی خاطر انہوں نے یہ ڈھونگ رچایا تھا۔ جس کا ایک تاریخی ثبوت یہ ہے کہ اس خاندان کے ایک حاکم،

باقی حاشیہ آگے

محب طبری کی روایت ہے۔

اس وقت روضۂ اقدس کے خادم خاص حضرت شمس الدین صواب تھے، جو خدمت کے تمام فرائض انجام دیتے تھے، ایک روز ان کے دوست نے آکر بتایا، آج امیر کے پاس کچھ لوگ آئے تھے انہوں نے امیر کو آمادہ کر لیا ہے کہ روضۂ اقدس سے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اجسام مبارک نکال کر لے جائیں، شیعہ ہونے کی وجہ سے امیر نے یہ بات مان لی ہے۔ اور انہیں اجازت دیدی ہے کہ رات کے وقت آکر اپنے مقصد کی تکمیل کر لیں اب کچھ ہی دیر بعد امیر کے احکام آپ تک پہنچ جائیں گے۔

بقیہ حاشیہ

عزیز عبیدی نے اندلس کے اموی خلیفہ کی ہجو کہی اور اس کے نسب پر نامناسب اعتراضات کئے، اموی خلیفہ نے جواب دیا۔ تجھے ہمارا نسب معلوم تھا، اس لئے تو نے دل کی بھڑاس نکال لی، اگر ہمیں بھی تیرا نسب معلوم ہوتا تو تیری ہجو کہتے۔ یہ انتہائی ذلت آمیز جواب تھا، جس میں ان کے مجہول النسب ہونے پر کھلی تعریض تھی مگر العزیز عبیدی اس کا کوئی جواب نہ دے سکا جو ان کے فاطمی نہ ہونے کا کھلا ثبوت ہے

عباسی خلیفہ القادر نے بھی اسی قسم کی ایک دستاویز تیار کی تھی جس میں تحریر تھا کہ عبیدی حکمران نسبی لحاظ سے فاطمی نہیں ہیں۔

اس خاندان کا چھٹا حکمران الحاکم، بڑا ہی خبیث النفس، بدنہاد، شیطان سیرت اور بندہ ہوس تھا، امام سیوطی نے اسکے متعلق چند الفاظ میں سب کچھ بیان کر دیا ہے۔

والحاکم بامر ابلیس لا بامر اللہ وناھیک بما فعل [تاریخ الخلفاء ۳۹۵]

(خود کو حاکم بامر اللہ کہلانے والا حقیقت میں حاکم بامر ابلیس تھا، اسکی ابلیسیت سے آگاہ ہونے کے لئے وہی کچھ جان لینا کافی ہے، جو اس نے کیا۔)

واقعۂ خسف اسی کے دور اقتدار میں پیش آیا، جو اسکی خباثت و بدباطنی اور اعتقادی گندگی کا زندہ ثبوت ہے۔ اور اسکے ماتھے کا وہ سیاہ داغ ہے جو کسی پانی سے نہیں دھویا جا سکتا۔

حضرت صواب نے جب یہ بات سنی تو غم سے نڈھال ہو گئے، سب کچھ بھول گیا اور آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا، اتنے میں امیر کا فرستادہ آیا کہ اگر رات کو کچھ لوگ آئیں تو آپ روضۂ اقدس کی چابیاں ان کے حوالے کر دیں اور انہیں کسی بات سے نہ روکیں۔ اس حکم نے یقین دلا دیا کہ بات سچی ہے اور واقعی یہ منصوبہ تیار کر لیا گیا ہے رونے کے سوا ان کے پاس کوئی چارہ نہ تھا، لہٰذا بلک بلک کر رونے لگ گئے، تن بدن کا ہوش نہ رہا، رات ہوئی تو حرم شریف کا دروازہ کھٹکا، یہ اٹھے اور دروازہ کھولا، باہر کچھ لوگ اوزار اور شمعیں لے کر کھڑے تھے، انہوں نے اندر آنا شروع کر دیا چونکہ جناب صواب رحمۃ اللہ علیہ کے دل پر چوٹ لگی ہوئی تھی، ان کے عزائم سے آگاہ تھے اس لئے ان کو گننا شروع کر دیا، وہ چالیس آدمی تھے۔ ابھی حجرہ شریف کے نزدیک بھی نہیں پہنچے تھے۔ کہ جناب صواب نے وہ منظر دیکھا جو ہوشربا اور عبرتناک تو تھا مگر جناب صواب کی منشا و آرزو کے عین مطابق تھا۔ حضرت صواب کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں اور بے قرار دل تسکین پا گیا۔

ہوا یہ کہ وہ چالیس بدکردار ناپاک قدموں کے ساتھ روضہ اطہر کے قریب پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ زمین پھٹی اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے اس میں سما گئے، اور نام و نشان تک باقی نہ رہا۔

جب صبح اہل مدینہ کو حقیقت حال کا علم ہوا تو انہوں نے اللہ کریم کا شکر ادا کیا اور اپنے محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں صلوٰۃ والسلام کے پھول پیش کرنے کے لئے پروانہ وار امڈ آئے یہ

ان کے لئے عید سے کئی گنا بڑھ کر خوشی کا دن تھا، جسے انہوں نے روضہ اقدس پر حاضری دے کر منایا ان لوگوں کے زمین میں دھنسنے کی جگہ پر ایک پختہ نشان بنا دیا گیا تاکہ اس عبرتناک واقعہ کی یاد تازہ رہے، اور اہل دل اپنے محبوب مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان اعجاز سے واقف ہوتے رہیں، چنانچہ آج تک وہ عبرت کا نشان موجود ہے، جو دھنسنے والوں کی یاد تازہ کرتا رہتا ہے

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی

شیخ ابن عبدالوہاب نجدی، بارہویں صدی ہجری اور اٹھارہویں صدی عیسوی میں نجد کی سنگلاخ زمین میں جنم لینے والا، وہ طباع و مشہور شخص ہے، جس کی ذہانت، تعلیمات، شخصیت اور مخصوص عقائد سے متاثر وہابی گروہ، اسے اپنا امام و پیشوا مانتا اور سربراہ و مقتدا تسلیم کرتا ہے، اسی شخص نے تقریباً دو صدیاں پہلے اپنی قوت اختراع اور زور فطانت کے بل بوتے پر وہابی گروہ کو اپنی تعلیمات اور اپنے خیالات و افکار سے متاثر کیا اور امت سے جداگانہ وجود بخشا۔ اور مذہب، سیاست معاشرت اور زندگی کے ہر پہلو پر گہرے اثرات مرتب کئے۔ سیاست کے مضبوط ستونوں کو ہلا ڈالا، اور بدوی معاشرت کو ایک ایسے اندھے بہرے، بے اصول، رحمت خدا سے دور، نبی کے باغی، اسلام کے دشمن انقلاب کے خوفناک دہانے پر لا کھڑا کیا، جس نے قومی قوت کو تشتت و افتراق، تعصب و نفرت، غلط فہمی و حقارت کے دہکتے جہنم میں دھکیل دیا، جس کی آنچ میں آج بھی قومی اجتماعیت کی روح سسک رہی ہے، اور جذبۂ مودت و ایثار کی کراہیں اس وقت بھی سنائی دے رہی ہیں۔ لیکن نجد کے لگائے ہوئے ان چرکوں کا کوئی مداوا نہیں، اور چارہ گروں کے پاس ان چاک گریبانوں کو رفو کرنے کا کوئی طریقہ اور تدبیر نہیں، کیونکہ گھاؤ گہرے اور زخم پرانے ہیں۔

شیخ نجدی موصوف کے جن خیالات نے ساری دنیا کے مسلمانوں کے جذبات مجروح کئے ان میں گنبد خضراء کی عمومی ہیئت، زیارت و فضیلت اور تقدس و احترام کے باب میں منفی خیالات بھی شامل تھے، مسلمانوں کے ایمان، ان کے جذبات و احساسات اور ان کے لازوال عشق کی حسین روایات نے نجد کے

ان عقائد کو حیرت زدہ اور غضبناک نگاہوں سے دیکھا، اور سخت رنجش کبیدگی خاطر اور ناراضگی کا اظہار کیا، اور تنقید و تبصرہ اور تحقیق و استدلال کی مسلح یورش کے ساتھ نجد کے فکری قلعہ کو ہلا ڈالا۔

چونکہ اس کتاب کا محور اور موضوع گنبد خضرا ہے اس لئے شیخ ابن عبدالوہاب نجدی کی شخصیت، تعلیمات اور اس کے نتائج پر روشنی ڈالنے کی بھی ضرورت محسوس ہوئی، تاکہ موضوع اس پہلو سے تشنہ نہ رہے کہ گیارہ سو سال بعد ایک شخص نے زیارت و احترام کے سلسلے میں نئے خیالات پیش کئے تو علماء نے کس انداز سے اس کی بیخ کنی کی اور مسلمان حکومتوں اور عوام پر کیا ردعمل ہوا۔

اس نازک موضوع پر اظہار خیال مشکل بھی ہے اور انتہائی احتیاط و ذمہ داری کا متقاضی بھی! اس لئے مناسب یہی معلوم ہوا ہے، کہ شیخ نجدی صاحب کی زندگی، رجحان طبع، شخصیت اور ذاتی دلچسپیوں پر روشنی ڈالنے سے پہلے ان کے زمانہ ظہور کا پس منظر، اس وقت کے سیاسی معاشرتی حالات اور نجد کے بارے میں ضروری باتیں بیان کر دی جائیں، پھر ان کی تعلیمات عقائد اور ان کے نتائج کے بارے میں کچھ لکھا جائے، تاکہ قاری خود اندازہ لگا سکے کہ شیخ نجدی صاحب کیا تھے، اور اسلام اور اہل اسلام کے لئے ان کا وجود کیسا تھا؟

یہ طویل اور دشوار راہ اس لئے اختیار کی گئی ہے تاکہ حقیقت و بصیرت کی راہیں کھلیں، اور موضوع گفتگو صرف مجادلہ بن کر نہ رہ جائے، بلکہ اگر کوئی جویائے حق، حقیقت کی تلاش میں کسی نتیجے پر پہنچنا چاہے تو سیاق و سباق، تعلیمات و اثرات ماحول اور ہر چیز کا جائزہ لے کر حق و صداقت کے آستانہ تک پہنچ سکے

سیاسی پس منظر

عباسی خلافت کی تباہی و بربادی نے مسلمانوں کی سیاسی شوکت و حشمت معاشرتی برتری اور تمدنی آفاقی کا خاتمہ کر دیا، ۶۵۶ھ میں تاتاری یورش کے سیلاب بے اماں کی تند و تیز اور منہ زور لہروں کے طوفانی بہاؤ میں روایاتی تفوق کی ہر شان، اور جلال و کمال کی ہر عجیب داستان تنکے کی طرح بہہ گئی۔ بغداد کی تاریخی عظمت تاراج کر کے، خود سر ہلاکو ممالک شام و عراق کی طرف بڑھا، وہاں کے باشندے بھی وحشت و بربریت اور قہر و آفت کی اس یلغار کو نہ روک سکے، اور سپر انداز ہو گئے، ہلاکو کی نخوت و رعونت کی انتہا نہ رہی، اسی عالم خود سری میں مصر کو لکھا کہ تاتاری فوج کے لئے اپنے پھاٹک کھول دے، ورنہ اسے مور و ملخ کی طرح کچل دیا جائے گا۔

مصر میں خلافت کا احیاء

ہلاکو کے ظلم و ستم کی بیٹری بھر چکی تھی، اس لئے قدرت کی بے آواز لاٹھی حرکت میں آ گئی، اور خدائے توانا و بصیر نے اس فرعون کے لئے ایک عزم جلیل کا مالک موسیٰ پیدا کر دیا، جس نے اس کے پنجہ ستم کو مروڑ ڈالا، اور بتا دیا کہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر بات کرنے والے بھی ہیں۔

بدمست و مغرور اور فتوحات کے نشے میں چور تاتاری قوت سے ٹکر لینے والا یہ ایک مملوک فرمانروا محمود بیبرس تھا، جسے قدرت نے اتنا عزم و یقین اور جذبہ و حوصلہ بخشا کہ ٹڈی دل تاتاریوں کے ساتھ بھی نبرد آزما ہونے کے لئے تیار ہو گیا۔

جس جفا پیشہ، جنگ جو اور تند خو قوم کو شکست دینے کا تصور ہی ذہنوں سے نکل چکا تھا اسے رمضان مقدس ۶۵۶ھ میں روزے کی حالت میں، عین جالوت کے مقام پر وہ تاریخی اور فیصلہ کن شکست دی جس نے تاتاریوں کی نہ صرف کمر توڑ دی، بلکہ ناقابل تسخیر ہونے کا غرور و سودا بھی خاک میں ملا دیا۔

اس شاندار قابل فخر کامیابی نے محمود بیبرس کو عظمت و اقتدار کی بلندیوں تک پہنچا دیا اور وہ انعام ربانی کی بدولت ۶۵۹ھ میں مصر کا مقبول ترین، اور

جلیل ترین حکمران بن گیا۔
مسلمان خلافت کے بغیر خود کو سیاسی طور پر بے تنکوہ محسوس کر رہے تھے خلافت بغداد کی تباہی کا داغ ان کے سینے پر سجا ہوا تھا، محمود بیبرس نے خود مختار حکمران ہونے کے باوجود بڑے خلوص کے ساتھ یہ داغ دھونے کا تہیہ کر لیا، اور اس سلسلہ میں عملی تدابیر شروع کر دیں، تاکہ خلافت کا قیام دنیائے اسلام کے تمام مسلمانوں کو سیاسی نظم و اتحاد عطا کرے اور وہ اپنے آپ کو ایک عظیم قوت محسوس کرنے لگ جائیں۔

چونکہ خلیفہ کے لئے قریشی ہونا ضروری ہے اس لئے ایک ایسے ہی موزوں شخص کی تلاش کی کوششیں تیز تر کر دی گئیں، آخر ایک عباسی شہزادے ابوالعباس احمد کا پتہ چل گیا، جو تاتاریوں کی وحشت کا شکار ہونے سے بچ گیا تھا، ۶۵۹ھ میں اسے مصر لا کر مکمل اعزازات کے ساتھ تخت خلافت پر بٹھا دیا گیا، اور خود بیبرس نے اس کا نائب ہونا منظور کر لیا۔

اس طرح اس عالی ظرف، فرشتہ سیرت، بے نفس، پختہ مسلمان، نیک نہاد اور مخلص سلطان کی بدولت، اسلامی خلافت کا از سر نو احیاء ہوا، اور مسلمانوں کو ایک مرتبہ پھر خلافت کی برکات سے متمتع ہونے کا موقعہ مل گیا۔

مصر میں یہ خلافت سنہ ۹۲۳ھ تک قائم رہی، اس کے بعد ترکوں میں منتقل ہوگئی جنھوں نے سنہ ہجری ہی سے قوت حاصل کرنا شروع کر دی تھی، جس کی تفصیل یوں ہے۔

خلفائے آل عثمان

آخری سلجوقی تاجدار علاء الدین ثانی کی وفات کے بعد ایک ترکمانی امیر طغرل نے سنہ ۶۹۹ھ میں حکومت حاصل کر لی جس کے بعد اس کا پہلا بیٹا عثمان خاں اول، برسر اقتدار آیا، اسی کی آل نے سنہ ۱۲۴۲ھ تک بڑی شان و شوکت اور

و وقار و دبدبے کے ساتھ حکومت کی، اور اپنے زریں کارناموں سے نہ صرف اسلام اور اہل اسلام کو فائدہ پہنچایا، بلکہ ابتدائی صدیوں کے زہد و تقویٰ، عدل و انصاف شجاعت و جذبہ جانفروشی، اور اسلامی عزت و حمیت کی یاد بھی تازہ کر دی۔

ترکوں کے دور حکومت کو اسی کے نام پر "خلافت آل عثمان" کہا جاتا ہے۔
تقریباً ساڑھے پانسو سالہ عہد حکومت میں، اس خاندان سے کل سینتیس فرمانروا ہوئے ہیں جن میں سے بعض اپنی للٰہیت، خلوص، فضل و کمال اور تقویٰ و درویشی کی وجہ سے اپنی مثال آپ تھے۔ اور تاریخ میں منفرد مقام رکھتے ہیں۔

سلطان مراد اول (۷۶۱ھ ۷۹۱) کے بعد بایزید یلدرم تخت حکومت پر متمکن ہوئے، یہ اتنے جلیل المرتبت اور باحشمت تھے کہ مصری خلافت نے ان کی عظمت کے اعتراف کے طور پر انہیں "سلطان روم" کا لقب دے دیا، جو آخری فرمانروا تک جاری و قائم رہا۔

مشہور ترین سلاطین، سلطان مراد ثانی (۸۲۵ھ ۸۵۵) اور حضرت سلطان محمد فاتح رحمۃ اللہ علیہ (۸۵۵ھ ۸۸۶) نے بھی جلال و جمال اور ندرت فکر و عمل کے لازوال، گہرے اور درخشندہ نقوش چھوڑے، انکے بعد بایزید ثانی فرمانروا مقرر ہوتے۔

جب سلیم اول (۹۲۲ھ ۹۶۳) نے عنان اقتدار سنبھالی تو اس خاندان کے عروج و ارتقاء نے ایک نئی کروٹ لی۔ مصری خلافت جو محمود بیبرس کی برکت سے قائم ہوئی تھی اسے سلیم نے مصر سے قونیہ منتقل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ سنہ ۹۲۳ھ میں وہ خلیفہ مصر کو اپنے دار الخلافہ میں لے آیا، جہاں خلیفہ محترم نے باضابطہ انتقال خلافت کی رسومات ادا کیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تلوار اور چادر مبارک دی، علم پیش کیا، اور تمام تبرکات عطا کئے، جو اس وقت علامات خلافت متصور ہوتے تھے۔

اس طرح سلیم اول عالم اسلام کا خلیفہ بن گیا، اور سب نے اسے سیاسی

وروحانی مرکز ملت کی حیثیت سے تسلیم کرلیا، اس کے بعد جتنے حکمران ہوئے وہ خلیفہ ہی متصور ہوتے رہے۔ ۱۱۴۳ھ میں محمود خاں اول خلیفہ منتخب ہوا۔ اسی کے عہد میں شیخ ابن عبدالوہاب نجدی نے نجد میں وہابی تحریک کا آغاز کیا، اور اپنی تعلیمات کے سہارے ایک نئے فرقے کی بنیاد رکھی، جس نے بعد میں ہونے والے تمام خلفا کے عہد میں افراتفری مچائی، اور آخری خلیفہ تک ہنگامہ آرائی کا یہ سلسلہ جاری رکھا، اس لئے بعد میں ہونے والے خلفا اور ان کا زمانہ معلوم کرنا ضروری ہے تاکہ پتہ چل سکے وہابی تحریک میں عہد بعہد کیا ترقی آتی گئی، اور مسلمانوں اور حکمرانوں نے اسے کن نگاہوں سے دیکھا اور اس کے خلاف سیاسی، فکری، اور علمی میدان میں کیا ردعمل ہوا۔ اسی حقیقت کا جائزہ لینے کی خاطر عالم اسلام کے سیاسی پس منظر کی یہ مختصر سی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

محمود اول (۱۱۴۳ھ ۱۱۶۸ھ) کے بعد وہابیت سے برسرپیکار رہنے والے حکمرانوں کے نام یہ ہے۔

عثمان خان ثالث (۱۱۶۸ھ ۱۱۷۱)

مصطفی خاں ثالث (۱۱۷۱ھ ۱۱۸۷)

سلطان عبدالحمید خاں (۱۱۸۷ھ ۱۲۰۳)

سلیم خاں ثالث (۱۲۰۳ھ ۱۲۲۲)

مصطفی خاں رابع (۱۲۲۲ھ ۱۲۲۳)

محمود خاں ثانی (۱۲۲۳ھ ۱۲۵۵)

عبدالمجید خاں (۱۲۵۵ھ ۱۲۷۷)

عبدالعزیز خاں (۱۲۷۷ھ ۱۲۹۲)

عبدالحمید خاں (۱۲۹۳ھ ۱۳۲۶)

سلطان محمد خامس (۱۳۲۷ھ ۱۳۴۷)

(ج) حجاز کے حکمران

آل عثمان کے عہد خلافت میں حجاز مقدس کا علاقہ، عثمانی خلافت ہی کے ماتحت تھا، اور مکہ مکرمہ کا حکمران ان ہی کا نائب نصب کیا جاتا ہے، جسے لوگ "شریف مکہ" کے لقب سے یاد کرتے تھے، مکہ کے جن شریفوں کو وہابی تحریک اور ابن عبدالوہاب نجدی کی چیرہ دستی سے واسطہ پڑا ان کے اسماء یہ ہیں۔

مسعود بن سعید (۱۱۴۶ھ ۱۱۶۵)

مساعد بن سعید (۱۱۶۵ھ ۱۱۸۴)

احمد بن سعید (۱۱۸۴ھ ۱۱۸۶)

سرور بن مساعد (۱۱۸۶ھ ۱۲۰۲)

غالب بن مساعد (۱۲۰۲ھ ۱۲۱۸)

(د) نجد کے سردار

عالم اسلام اور حجاز مقدس کے بعد نجد کے سیاسی حالات سے آگاہ ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ نجد ہی سے شیخ ابن عبدالوہاب نجدی نے اپنی تحریک کا آغاز کیا، اور اسے مرکز بنا کر پورے عرب میں اس کی شاخیں قائم کیں۔

نجد حجاز ہی کے پہلو میں جبل سلمہ، جبل شمار، کوہ طوائق اور کوہ عجا میں گھرا ہوا سنگلاخ علاقہ ہے۔ جس کے مشرق میں خلیج فارس، مغرب میں سرزمین حجاز، جنوب میں بحیرہ قلزم اور شمال میں عراق کی سرحد واقع ہے، یہ زمین کا وہ تاریخی ٹکڑا ہے جسے اولیں مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کو جنم دینے کا فخر بھی حاصل ہے۔

جس زمانے میں ابن عبدالوہاب نجدی نے اس قدیم تاریخی جگہ میں جنم لیا اسوقت ایک شخص نہایت مختصر سے علاقے کا سردار تھا، ابن سعود کا سوانح نگار سردار محمد ولی نغم

طراز ہے۔

اس وقت اجداد ابن سعود میں سے مکرن ایک نہایت مختصر علاقے پر حکمران تھا، یہاں تک کہ عیینیہ کا شہر جو کہ اس کے دارالخلافہ درعیہ سے صرف بیس میل کے فاصلے پر تھا، اس کے زیرنگیں نہیں تھا، لیکن جب اس کا پوتا ابن سعود بن مکرن، شیخ ابن عبدالوہاب کا ہم خیال ہو گیا اور مذہب کے جوش و اصلاح کی بنا پر اپنی امارت کی وسعت و رفعت چاہی تو بیس برس کے مختصر عرصہ میں سارا عرب وہابی حکومت کے سامنے سرنگوں ہو گیا[1]

ابن سعود کے بعد ابن عبدالوہاب نجدی کی تعلیمات و نظریات سے متاثر ہو کر اور اپنے اقتدار کے لئے مفید پا کر جو نجد کے سردار وہابیت کی ترویج و اشاعت کے سرگرم رکن بنے، اور اسے عرب میں خوب فروغ دیا، اور اس کی بدولت ملک و حکومت کو وسعت دی، انکے نام یہ ہیں۔

محمد ابن سعود (۱۷۴۷ء ۱۷۶۵)

عبدالعزیز بن محمد (۱۷۶۵ء ۱۸۰۳)-۱۱۷۹ھ ۱۲۱۸

سعود بن عبدالعزیز (۱۸۰۳ء ۱۸۱۶) ۱۲۱۸ھ ۱۲۲۹

ان سرداروں کے عہد میں وہابیت کو بڑا شہرہ اور فروغ نصیب ہوا۔

ابن عبدالوہاب نجدی صاحب کے پیروکار، بلائے ناگہاں بن کر عرب کے طول و عرض پر چھا گئے اور گرد و نواح کے علاقوں کو اپنے عقائد کی ہلاکت آفرین ٹاپوں تلے روند ڈالا۔ لوگ سراپا احتجاج بن گئے، تڑپے، سسکے، مگر وہابیوں کی بے اماں تلوار کو رحم نہ آیا، تا آنکہ حرمین شریفین کا لہو بھی ان کی خونخوار تلوار سے ٹپکنے لگا۔

خودسری و تعدی کی انتہا ہو گئی، ظلم و فساد کے خلاف فغان و فریاد کی آواز پائے عرش تک پہنچ گئی، صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا، مظلوم و پرتاثیر اور دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی عاجزانہ دعاؤں نے، فرشتوں کو بھی اشکبار کر دیا۔ آخر یہ دعائیں اور

[1] سردار محمد حسن بی اے، سوانح ابن سعود ۹۵

فریادیں رنگ لائیں، انتقام کی لاٹھی حرکت میں آئی، قدرت نے ترکی سلطنت کو وہابیوں کی بڑھتی ہوئی طاقت پر کاری ضرب لگانے، اور انہیں بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کی توفیق عطا فرمائی۔

چند زبردستوں حملوں میں اس نئے مذہب کے دعویدار اور ابن عبدالوہاب کے پیروکار ملیامیٹ ہو گئے، ان کا نشان تک باقی نہ رہا، عوام نے سکھ کا سانس لیا، اور ان کی تباہی و فساد انگیزی سے نجات پائی، مگر ابھی عشق کے امتحاں باقی تھے، اس لئے سو سال بعد وہابی پھر اقتدار پر قابض ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

یہ مجمل داستان قدرے تفصیل سے پیش کی جاتی ہے۔



شیخ ابن عبدالوہاب نجدی نے ۱۱۱۵ھ / ۱۷۰۳ء میں نجد کی سرزمین میں جنم لیا، عہد طفولیت اور عنفوان شباب کی منزلیں یہیں طے کیں، جس سے نجد کے بدوی مزاج کی تمام خصوصیتیں اور شدتیں طبیعت میں راسخ ہو گئیں، اور فسادت قلبی، اکھڑپن، خشونت و خشکی اور تنک مزاجی، شخصیت کا لازمہ بن گئیں۔

انداز گفتگو، عادات و اطوار اور طرز فکر نے طبیعت و شخصیت کے ان لوازمات کو اور اجاگر کر دیا، جس کے باعث اہل نظر اور دور اندیش اصحاب نے اپنی خداداد بصیرت کے ذریعہ یہ خدشات ظاہر کرنا شروع کر دیئے کہ ابن عبدالوہاب مستقبل میں کوئی نیا فتنہ کھڑا کرے گا، اس شخص کی باتوں اور عادتوں سے مترشح ہوتا ہے کہ بے باک اور لاپرواہ ہے، اسے دینی حدود، نبوی حقوق اور مسلمانوں کی عزت و آبرو کا کوئی پاس نہیں، جو کچھ نوک زبان پہ آتے، وہ بے جھجک کہہ دیتا ہے، جو شرعی رو سے پسندیدہ بات نہیں، اور نہ سعادت و نیک بختی کی علامت ہے۔ اس لئے یہ ضرور کوئی گل کھلا کے رہے گا۔

ان خدشات کا اظہار کرنے والوں میں ابن عبدالوہاب کے اساتذہ کا نام سرفہرست اور نمایاں ہے۔ شیخ سلیمان کردی، حضرت علامہ محمد حیات سندی اور دیگر شیوخ کہا کرتے تھے، "یہ شخص خود بھی گمراہ ہوگا، اور دوسروں کے لئے بھی ضلالت و شقاوت کا باعث بنے گا، اس میں الحاد و گمراہی کی نشانیاں بڑی واضح ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا،

اشیاخه یتفرسون فیه الالحاد والضلال ویقولون سیضل هذا ویضل الله به من ابعده واشقاه فکان الامر کذالک ؎۲

ابن عبدالوہاب کے والد بڑے صالح، مقبول اور صاحب نظر بزرگ تھے، جب انہوں نے بیٹے کے ڈھب دیکھے تو فکرمند ہوئے، اور اس کے طرز عمل، انداز نظر اور عادات و مشاغل کو بالکل پسند نہ کیا، اسے سمجھایا کہ راہ ہدایت اختیار کرے، اور اہل اللہ کی تعظیم و مدح کو شعار بنائے کیونکہ مقبول بارگاہ صمدیت حضرات کی بے ادبی بڑی نحوست و ناکامی کا باعث ہوتی ہے مگر اس تنبیہ و فہمائش اور پند و موعظت کا ابن عبدالوہاب پر کوئی اثر نہ ہوا اور اس نے اپنی روش میں کوئی تبدیلی پیدا نہ کی۔

رجحانات و عقائد

ایک خاص بات جو اسکے رجحان طبع اور قلبی میلان کی وضاحت و نمائندگی کرتی ہے اور ایک معنی خیز حقیقت سے پردہ اٹھاتی ہے یہ ہے کہ

کان فی اول امرہ مولعا بمطالعۃ اخبار من ادعی النبوۃ، کمسیلمۃ الکذاب وسجاح، والاسود العنسی وطلیحۃ الاسدی ؎۳

ابتدا میں ان جھوٹے نبیوں کے حالات جاننے کا بڑا اشتیاق تھا، جنھوں نے نبوت کا جھوٹا دعوی کیا تھا، جیسے مسیلمہ کذاب، اسود، سجاح اور طلیحہ وغیرہ۔ چنانچہ پہلو میں خاص جذبات دبائے، اس نے بلاد شام و عراق، بصرہ اور ایران کے طویل دورے کئے معلومات اخذ کیں، تجربات کو وسعت دی، جس کے نتیجے میں ایک کتاب لکھی، جسے کتاب التوحید کہتے ہیں۔

کتاب التوحید، ابن عبدالوہاب کے قلب و جگر میں چھپے ہوئے عزائم کا آئینہ ہے اس کے مندرجات کے ذریعہ فوراً اندازہ ہو جاتا ہے کہ جھوٹے نبیوں کے حالات و واقعات میں دلچسپی لینے کا مقصد کیا تھا، اس کی ذاتی تحریروں کی روش ہی سے واضح

؎۲ السید احمد بن زینی، الدرر السنیہ، ۴۲ ؎۳ سید زینی، الدرر السنیہ، ۴۶

ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی ذات کے لئے غیر مشروط اور بڑی مطلق العنان اطاعت کا خواہشمند تھا، جس کے لئے اس نے اتنے پاپڑ بیلے اور اتنی تگ و دو کی۔ کتاب التوحید کے مضامین کے ہوتے ہوئے یہ کوئی الزام نہیں، جو کسی مخالف نے یونہی گھڑ دیا ہو۔ بلکہ اس دعوے کے ٹھوس اور ناقابل تردید شواہد خود کتاب التوحید میں موجود ہیں۔

اس کتاب میں ابن عبدالوہاب نے جن عقائد اور باتوں پر زور دیا ہے اور جن پر اپنے وہابی مذہب کی بنیاد رکھی ہے، وہ یہ ہیں۔

دنیا میں اب کوئی مسلمان نہیں، چھ سو سال سے سب مشرک چلے آرہے ہیں۔

تمسک فی تکفیر المسلمین بآیات نزلت فی المشرکین فحملها علی الموحدین ۴ے

(مسلمانوں کو کافر قرار دینے کے لئے بتوں کے حق میں نازل شدہ آیات ان پر چسپاں کی ہیں)

ابن سعود کے سوانح نگار نے وہابیوں کے اس عقیدے کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے "نجدی وہابی اپنے عقائد مخصوصہ میں اس قدر غلو کرتے ہیں کہ اپنے سوا دیگر مسلمانوں کو مشرک اور یہودی اور عیسائیوں سے بدتر سمجھتے ہیں" ۵ے

وہابیوں ہی کے ہم مسلک مولانا حسین احمد مدنی صاحب لکھتے ہیں۔

"محمد بن عبدالوہاب کا عقیدہ تھا کہ جملہ اہل عالم و تمام مسلمانان دیار، مشرک و کافر ہیں اور ان سے قتل و قتال کرنا، انکے اموال کو ان سے چھین لینا حلال اور جائز، بلکہ واجب ہے چنانچہ نواب صدیق حسن خان نے خود اس کے ترجمہ میں دونوں باتوں کی تصریح کی ہے" ۶ے

ابن عبدالوہاب کا یہ عقیدہ صرف زبانی جمع خرچ تک محدود نہیں تھا، بلکہ اس نے عملی طور پر بھی اس کا مظاہرہ کیا۔ اسی کا اثر تھا کہ لوگ اس کے حلقہ اثر میں آئے، وہ "ترک مسلمان کی جان لینے کو عین ثواب اور خدمت دین جانتے تھے۔ عام مسلمان کو مشرک سمجھتے تھے، اور ان کے خلاف جنگ و پیکار کو جہاد کہتے تھے،" ۷ے

ابن عبدالوہاب کو یہ ظالمانہ اور سنگدلانہ موقف اختیار کرنے کی ضرورت اس لئے پیش

۵ے حسنی، سوانح ابن سعود، ۹۵۔ ۶ے الشہاب الثاقب، ۴۳۔ ۷ے سوانح ابن سعود، ۴۲۔

۴ے سید زینی، الدرر السنیہ، ۷۴

آئی کہ لوگ مسلمانوں کے خلاف تلوار اٹھانے کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے، مسلمان کی جان لینے کے تصور ہی سے ان پر کپکپی طاری ہو جاتی تھی، شیخ نجدی نے یہ کہہ کر ان کی جھجک ختم کرا دی کہ یہ تمام لوگ مشرک ہیں، ان کو قتل کرنا گناہ نہیں بلکہ ثواب ہے۔ اس طرح جاہل دیہاتی اس کے جھانسے میں آ گئے، اور بے گناہ مسلمانوں کے حق میں سفاک خونخوار قاتل بن گئے۔

وکان یقول لهم انی ادعوکم الی الدین، وجمیع ما تحت السبع الطباق مشرک علی الاطلاق ومن قتل مشرکا فله الجنة فتابعوه وصارت نفوسهم بهذا القول مطمئنة ۸ے

وہ اپنے ماننے والوں سے کہا کرتا تھا، میں تمہیں دین کی طرف بلاتا ہوں، آسمانوں کے نیچے جتنے لوگ ہیں، وہ بلا استثنا مشرک ہیں، اور جو مشرک کو قتل کرے وہ جنتی ہے، یہ بات سن کر ان کے دل مطمئن ہو گئے، اور انہوں نے اتباع کی حامی بھر لی۔ ظلم و فساد، تاخت و تاراج، اور خون خرابہ کرانے کے لئے وہ وہابیوں کو یہ کہہ کر بھی تسلی دیا کرتا تھا کہ یہ سب کچھ توحید کے لئے ہے، یہ ایسی آڑ تھی جس میں جاہل بدوی آسانی سے پھنس جاتے تھے۔

یتستر بقوله ان ذالک بدعة وانه یرید المحافظة علی التوحید ۹ے

شیخ نجدی صاحب نے کتاب و سنت اور تمام مسلمانوں کے نظریات و جذبات کے خلاف جو عقائد، اپنے مخصوص مفادات کی خاطر گھڑے اور اپنے خطبات، رسائل اور کتاب التوحید کے ذریعہ پھیلائے ان میں اکثر ایسے بھی تھے، جن کا معتقد حلقہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، اسی وجہ سے جہاں جہاں کتاب التوحید پہنچی یا لوگوں کو اس کے خیالات کا علم ہوا، وہاں عام بے چینی پھیل گئی اور غم و اضطراب کی فضا قائم ہو گئی، مسلمانوں میں ان وضعی عقائد کا اتنا شدید رد عمل ہوا کہ تمام عالم اسلام، عرب و عجم ابن عبدالوہاب کا دشمن بن گیا۔

آخر کون مسلمان یہ گوارا کر سکتا تھا کہ کوئی بدزبان انکے نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم

۸ے درر سنیہ، ۴۳ ۹ے درر سنیہ، ۱۷۱

کی حیات پاک کے بارے میں منفی انداز نہیں سوچے، یا قابل اعتراض کافرانہ گستاخانہ لہجہ اختیار کرے، آج تک کسی ایماندار، صاحب دل اور عشق صادق رکھنے والے مسلمان نے اس موضوع پر غلط انداز میں سوچنے کا تصور بھی نہیں کیا تھا، نگاہ عشق و مستی میں اس موضوع پر غلط اور منفی رنگ میں اظہارِ خیال ایمان کی موت، اور شیوہ کافری تھا، اس لئے سب اس حقیقت کبریٰ سے آگاہ چلے آرہے تھے کہ اللہ کریم کے عظیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باکمال حیات کے مالک ہیں، جن کی قوتِ حیات کا یہ عالم ہے کہ ایک حیات بخش نگاہ تنِ مردہ میں تازہ روح پھونک دیتی ہے۔ اس پر امت کا اجماع ہے اور اہلِ نظر اکابرین کا بھی مشاہدہ ہے، جو ان کے دستِ کرم سے جامِ حیات پی کر حیات جاودانی حاصل کر چکے ہیں۔

مگر ابن عبدالوہاب نجدی نے اس اجماعی اور قرآن و سنت سے ثابت عظیم اعتقاد و نظریہ کے خلاف، عدم حیات کا شیطانی اور من گھڑت نظریہ پیش کیا، اس باب میں ایسا گستاخانہ لب ولہجہ اختیار کیا کہ مسلمانوں کے کلیجے چھلنی ہو گئے۔

ابن سعود کا سوانح نگار بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ

"دیگر مسلمان حیات النبی کا کامل عقیدہ رکھتے ہیں لیکن وہابیوں کا اعتقاد ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عام انسانوں کی طرح اس دار فانی سے رحلت فرما چکے" [۱۳]

دوسری جگہ رقمطراز ہے۔

"یہ تسلیم کر لینا نہایت ضروری ہے کہ، گو وہابی حیات النبی کے قائل نہیں، اور نہ ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ و شفاعت کو مانتے ہیں"۔

"حیات النبی کے مسئلہ میں ان کا لب و لہجہ قابل اعتراض ہوتا ہے۔"

وہابیوں ہی کے ہم مسلک مولانا حسین احمد صاحب نے وہابیوں کے اس خوفناک اور ایمان سوز عقیدے کا ان لفظوں میں اعتراف کیا ہے۔

"و نجدی اور اسکے اتباع کا اب تک یہی عقیدہ ہے کہ انبیاء کی حیات فقط اسی زمانے تک ہے جب تک وہ دنیا میں تھے، بعد ازاں وہ اور دیگر مومنین موت میں برابر ہیں۔"

۱۳ے سوانح ابن سعود، ص ۹

آگے لکھا ہے۔

اور متعدد لوگوں کی زبان سے (یعنی وہابیوں کی زبان سے) بالفاظ کہ یہ "جن کا زبان پر لانا جائز نہیں"، دربارہ حیات نبوی سنا جاتا ہے۔ [۱۱]

شیخ نجدی نے اپنے مخصوص مفادات کے حصول کے لئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شاندار اور جلیل و جمیل صفات کا بھی انکار کیا اور اس سلسلہ میں اپنے ماننے والوں کو مشورہ دیا کہ حضور اکرم، پاک و اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ اوصاف بیان نہ کیا کریں۔

لاینبغی اوصافہ باوصاف المدح والتعظیم [۱۲]

لائق نہیں ہے کہ آپ کے اوصاف، مدح و تعظیم کے ساتھ بیان کئے جائیں (العوذ باللہ) اس سلسلہ میں نجدی کے خیالات اتنے گھناؤنے اور لرزہ خیز ہیں کہ نقل کرتے ہوئے بھی دل دہلتا ہے مگر اس توحید کے دعویدار نے انہیں اس طرح برملا اور بے خوف ہو کر بیان کیا ہے کہ یقین کرنا پڑتا ہے اسے قرآن کے فرمان کے مطابق ڈھیل دے دی گئی ہے۔

شیخ نجدی نے جو عقائد گھڑے، ان میں گنبد خضراء کی زیارت کو بھی حرام و شرک قرار دیا، مزارات پر گنبد کی تعمیر کو ناجائز بتایا، وسیلہ و شفاعت کے عقیدۂ مسلمہ کا انکار کیا اور اسے شرک بنا ڈالا۔ ایصالِ ثواب، دعائے مغفرت و برکت، زیارت قبور اور اسی قسم کے اسلامی شعائر چھوٹے بڑے، اہم غیر اہم، مستحب، واجب، فرض، ضروری غیر ضروری، سب کا یک قلم انکار کر ڈالا اور سب کے بارے میں فتوی صادر کر دیا کہ شرک و کفر ہیں

ایمان صرف یہ ہے کہ

"پیر پیغمبر، مقبول بارگاہ اولیاء اللہ، نیک مقرب، اصحاب عظمت و جلال کو پرکاہ جتنی بھی حیثیت نہ دی جائے، مسلمانوں کو کافر و مشرک سمجھا جائے، ان کا بے دریغ خون بہایا جائے، جو اسلامی رسومات، شعائر، علامات، اطوار طریقے رائج ہیں سب کو ختم کر دیا جائے، نہ کوئی فاتحہ پڑھے نہ درود۔ یہی سمجھے کہ سب مر کر مٹی میں مل گئے

۱۱ے الشہاب الثاقب، ۹۵ - ۱۲ے خوارج قرن ۱۲، ۷ ۱۲

ہیں، جن کی قبور اور قبرستان پر جانے کی ضرورت ہے، نہ عظمت و شان اجاگر کرنے کی! دیکھنے والا یہی تاثر لے کہ مسلمانوں میں کوئی باکمال مردِ جلیل دقریب نہیں گزرا کہ اسکی یادگار قائم ہو۔ سب جاہل و ناکارہ ہوئے ہیں کہ اوصافِ جلیل رکھتے ہی نہ تھے جنہیں بیان کیا جائے۔

عام مسلمانوں میں اس وضع واختراع کے خلاف جو جوابی کارروائی ہوئی تھی، وہ کسی کے تصور سے مخفی نہیں، ان مردود و باطل خلاف قرآن و حدیث و اجماع مخالف عقل و درایت اور گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر گھڑے ہوئے گھناؤنے خیالات نے ممالک اسلامیہ کے مسلمانوں کے قلب و روح میں آگ لگادی، ہر طرف طوفان مچ گیا اور نفرت و حقارت، غصہ و غم اور بے کلی و اضطراب کا ردِ عمل تحریر و تقریر کی صورت میں ظاہر ہوا۔ علماء نے نجدی کی کتاب و رسائل کے پرزور اور مدلل رد لکھے اور عوام نے اس ابھرنے والے فتنے کے خدوخال اور مضمرات سے آگاہ ہو کر اس سے مکمل طور پر اظہار برأت کیا۔ جس کا مفصل بیان آگے آئے گا۔

مرزائے قادیان اور شیخ نجدی

کچھ ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ پھونکوں سے نورِ حق اور چراغِ ہدایت بجھانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگانے والے باطل کی سرشت اور طرزِ فکر ایک ہی ہے۔ مقام و مرکز بدلنے سے ان کے ہتھکنڈوں اور اطوار و عادات میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ وہ ایک ہی انداز پر سوچتا اور یکساں خطوط پر جھانسے میں آنے والوں کو ٹھگتی دیتا اور ورغلاتا ہے یہ عجیب اتفاق یا سانحہ ہے، مگر ہے بہت دلچسپ!

کہ مرزائے قادیان نے جب اپنی جھوٹی نبوت کی ہموار کرنے کے لئے مسیح موعود ہونے کا سوانگ رچایا تو پہلے حضرت مسیح عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت و توقیر دلوں سے مٹانے کے لئے کچھ ابتدائی اقدامات کئے۔ اول، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا ڈھنڈورا پیٹا، تاکہ ذہنوں سے ان کی حیات کا نقش مٹ جائے، اور اس دعوائے وفات کے کھنڈر پر اپنے لئے اس عظمت کا مینار تعمیر کیا جاسکے، ثانیاً، بیان و تحریر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مبارک اور بے داغ شخصیت، پاکیزہ اخلاق معصوم ذات اور پسندیدہ و منفرد اوصاف و کمالات پر انتہائی رکیک، واہیات، تہذیب و شرافت سے گرے ہوئے بھیانک حملے کئے، جن کے تصور ہی سے ایک مسلمان کا ایمان کانپ اٹھتا ہے۔ مگر اس نے بڑی شرح و بسط سے ان گھڑے ہوئے افسانوں کی تفصیل لکھی صرف اس خاطر کہ انکی عظمت و شخصیت کا تقدس مجروح کر سکے، اور جنسی بے راہ روی و بد اخلاقی کے قصے تصنیف کر کے، دلوں کو ان کی طرف سے برگشتہ کر دے۔ اور پھر دلوں کے اس سنگھاسن پر خود قبضہ جمالے۔

مسیلمہ کذاب کے شہر کے باشی شیخ نجدی نے بھی مسیلمہ پنجاب کے ان ہی اطوار و اوضاع کو نجد کی سرزمین میں اپنایا۔

اول: حیاتِ نبوت کا انکار کیا تاکہ مرکزِ عقیدت و محبت کی حیثیت سے عظمت و جلال کا وہ نورانی محل ہی ڈھے جائے، جو حیات کے تصور سے قائم و آباد ہے اور جسے مسلمان سینے اور آنکھوں میں سجائے پھرتے ہیں۔

ثانیاً: حضور نبی اکرم مکرم و اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ستائش اور شان و فضیلت کے بیان سے روکا، ایسی باتیں آپکی طرف منسوب کیں جن سے نبوی عظمت کا پاکیزہ تصور مجروح ہوتا ہے اور رسالت کے عظیم و جلیل منصب پر فائز نبی کی تصویر ایسی ابھرتی ہے جیسے کوئی عام سا انسان ہو جس کے لئے تعظیم و توقیر ضروری نہیں ہوتی۔

مسلمانوں کے ایمان و عقیدے اور نورانی جذبۂ عشق کے خلاف اس مکروہ سازش اور گھناؤنے منصوبے سے اس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے نبی اکرم کے ساتھ محبت کے روحانی رشتے کمزور پڑ جائیں، دلوں سے ان کی محبت کا نور نکل جائے، قرب و عقیدت کے درمیان اجنبیت کی دیوار حائل ہو جائے، مدینہ سے محبت کا رشتہ ٹوٹ جائے، اور نجد کے ساتھ استوار ہو جائے۔ اس لئے گنبد خضراء شریف کی زیارت کو اس نے بدعت و

حرام قرار دیا، اور اپنے پیروؤں کو تہدیدی انداز میں تنبیہ کی کہ وہ گنبدِ خضراء کی زیارت کے جرم عظیم کے ارتکاب کا تصور بھی نہ کریں۔ یہ اخلاقی جرم سے بھی بڑھ کر ہے۔

مدنی صاحب نے ان کے اس عقیدے کو اس طرح بیان کیا ہے۔

"زیارتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم، وحضوری آستانہ شریفہ،

وملاحظہ روضہ مطہرہ کو یہ طائفہ بدعت وحرام لکھتا ہے۔

آگے لکھا ہے۔

بعض ان میں کے سفر زیارت کو معاذ اللہ تعالیٰ زنا کے درجے کو پہنچاتے ہیں،[۱۳]

مرزائے قادیان اور شیخ نجدی صاحب کے اس یکساں طرزِ فکر اور طریق عمل سے بڑی آسانی کے ساتھ وہابیت کی اصلیت سے آگاہی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اور اس موازنہ کے ساتھ وہابی عقائد کی حقیقت جان کر بہت اچھی طرح ایک خاص نتیجے تک پہنچا جاسکتا ہے۔

(۷) ابتدائے عشق

جب شیخ نجدی نے من گھڑت عقائد وخیالات کا ایک ایسا مجموعہ تیار کر لیا جسکی طرف دعوت دے کر ایک جتھا تیار کیا جاسکتا تھا، تو اس نے باقاعدہ مہم چلانے کا منصوبہ تیار کیا اس مقصد کے لئے سب سے پہلے اس نے قریبی علاقے عیینیہ کے قبائلی سردار ابن معمر کو منتخب کیا اور آخر ایک روز اپنا پیغام لے کر اس کے پاس پہنچا۔

ابن معمر ان عجیب وغریب خیالات سے بہت حیران ہوا، مگر چونکہ بدوی ذہن وسرشت کا مالک تھا۔ پھر اسے اس نئے مذہب کے ذریعہ سیاسی استحکام وقوت حاصل ہونے کی کرن نظر آئی۔ اس لئے کچھ لیس وپیش کے بعد اس نئے وہابی مذہب کو قبول کر لیا۔

شیخ نے اس نئے مذہب کے سلسلے کی پہلی کڑی پر عمل کی یہ صورت تجویز کی کہ قرب وجوار میں صحابہ کرام کے جو مزارات ہیں وہ گرا دیئے جائیں، چنانچہ ایک روز کلہاڑے

۱۳؎ شہاب ثاقب، ۴۵، ۴۶

لیے اٹھا کر، اپنے زعم میں ایک عظیم مہم سر کرنے کیلئے "منزلِ شوق" کی طرف روانہ ہو گئے، جیسے قلعہ فتح کرنے جا رہے ہوں، یا کسی سرحد پر کفار کے ساتھ جہاد کے لئے، جوش وجذبے کے ساتھ رواں دواں ہوں۔ لیکن آلات انہدام لے کر پہنچے کہاں؟ جہاں محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے "محبوب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم" کے مزارات تھے، جن کے بارے آپ کا ارشاد مبارک ہے کہ ہدایت کے ستارے اور اندھیرے کے اجالے ہیں

بڑی بے دردی اور شقاوت وقساوت قلبی اور بے حرمتی کی تمام لازمی صورتوں کے ساتھ مقدس ہستیوں کی آخری آرامگاہوں کو منہدم کیا، گنبد گرائے، نورانی قبریں مسمار کیں اور پھر فاتحانہ انداز سے واپس آئے۔

قرب وجوار میں جو اس کا ردعمل ہونا تھا۔ وہ پوری شدت کے ساتھ ہوا۔ مگر اس ابتدائی کارنامے سے سب کو معلوم ہو گیا کہ وہابی مذہب کا رخ کس طرف ہے؟ اور مسلمانوں کے قابلِ فخر اکابرین اور انکے مزارات وقبور کے بارے میں ان کے خیالات کیا ہیں، اور یہ کس قسم کے لوگ ہیں جو دعوائے مسلمانی کے ساتھ، مسلمانی ہی کے شعائر مٹانے کے لئے بے قرار ومضطرب ہیں۔

حسنی بی اے، رقمطراز ہے۔

شیخ محمد بن عبد الوہاب کا پہلا قابل ذکر ہم خیال عثمان بن معمر والی عیینیہ تھا، شیخ نے اس سے حلف لیا کہ وہ مزارات اور متعلقات کو تلف کرنے میں امداد دے گا، ابن معمر نے قبول کیا، دونوں ہم مشورہ ہو کر جبلیہ گئے، یہاں چند صحابیانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مزارات تھے، دونوں نے مزارات مسمار کر دیئے، اور درخت کاٹ ڈالے[۱۴]

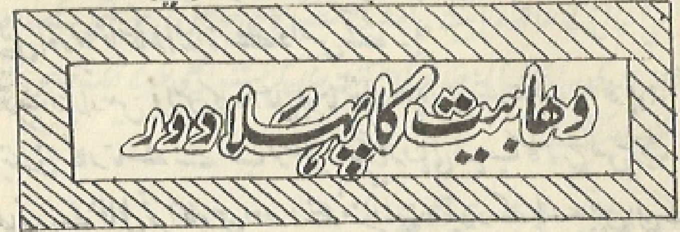
ابن معمر صوبہ الحصا کے حاکم سلیمان کے ماتحت تھا، جب اسے ابن معمر اور شیخ نجدی کے کرتوتوں کا علم ہوا تو اس نے ایمانی جذبات سے مغلوب ہو کر سخت باز پرس کی، اور حکم دیا نجدی کو فوراً علاقہ بدر کر دو، وگرنہ سخت تادیبی کارروائی

۱۴؎ ابن مسعود، ۴۲

کی جائے گی۔

شیخ نجدی کے سر سے توحید کا سارا نشہ ہرن ہوگیا، اور خدا سے ڈرنے کی بجائے ایک حاکم کے عتاب سے ڈر کر عیینہ سے نکل کھڑا اور امیر درعیہ ابن سعود کے پاس جاکر پناہ لی۔

یہیں سے وہابیت کا وہ پہلا دور شروع ہوتا ہے جب اس نئے مذہب نے پر پرزے نکالے اور ایک فیصلہ کن سیاسی قوت حاصل کر کے علاقے کے امن وامان میں آگ لگادی۔ اس دور میں نجدی نے کتنی قوت اور کامیابی حاصل کی اور عوام کے سامنے وہابیت کو کس روپ میں پیش کیا، اسکی تفصیلات پیش کی جاتی ہیں



بصرہ کے جنوب مشرق میں ایک مقام ہے جسے "درعیہ" کہتے ہیں۔ یہ نجد کا حصّہ شمار ہوتا ہے مسیلمہ کذاب اسی جگہ کا باشی تھا۔ [۱۵]

ابن سعود (۱۷۴۷ء ۱۷۶۵ء) اسی درعیہ کا حاکم تھا، جب شیخ نجدی اس سردار کے پاس پہنچا، اس وقت حجاز مقدس پر مسعود بن سعید (۱۱۴۶ھ ۱۱۶۵) کی حکومت تھی، اور عالم اسلام کے خلیفہ سلطان روم محمود خاں اول (۱۱۴۳ھ ۱۱۶۸) تھے، مصر وحجاز کے علاقے بھی ان ہی کے ماتحت اور زیر نگین تھے۔

شیخ نجدی کے سینے میں الحسا کے حاکم سلیمان کے خلاف انتقام اور غصے کی آگ بھڑک رہی تھی جس نے اسے علاقے سے خارج کر دیا تھا۔ اس نے اپنے مقصد کے حصول کے لئے نئے مذہب کی آڑ میں یہ مقصد حاصل کرنے کی کوشش شروع کردی۔ مگر وہ اپنے میزبان ابن سعود کو اپنے مقاصد کے چوکھٹے میں فٹ کرنے اور شیشے کے اندر اتارنے میں ناکام رہا، تاہم اس نے ہمت نہ ہاری اور ابن سعود کی بیوی اور بھائی کو متاثر کرنے میں کامیاب

[۱۵] خوارج قرن ۱۲، ۱۲۶

ہوگیا، ان دونوں کی مساعی نے اسے امیر ابن سعود کے قریب کردیا اور پھر رفتہ رفتہ ان دونوں میں پوری طرح گٹھ جوڑ ہوگیا۔

ابن سعود نے اندازہ لگا لیا کہ اس نئے مذہب کو پھیلانے سے سلطنت کو وسعت دینے اور مخالفین کو کچلنے کے روشن امکانات ہیں، چنانچہ اس نے ان شرائط پر شیخ نجدی کا ساتھ دینے کی حامی بھر لی کہ مذہب نجدی شیخ کا ہوگا، اور تلوار ابن سعود کی۔ ابن سعود کا مستند سوانح نگار لکھتا ہے!

"امیر اور شیخ میں مودت اور موافقت کے اقرار ہوئے، چنانچہ تلوار ابن سعود کی تھی اور مذہب شیخ ابن عبدالوہاب نجدی کا۔" [۱۶]

توقع کے مطابق جب ابن سعود اور نجدی کو مفت میں جمعیت فراہم ہوگئی تو انہوں نے گردوپیش کے علاقوں کو تاخت وتاراج کرنے کا منصوبہ بنایا، اس سلسلے کا پہلا نشانہ ریاض کا امیر ابن دواس بنا۔ پہلے اسے پیغام بھیجا گیا کہ وہابی عقائد قبول کرے مگر جب اس نے بے سروپا اور خلاف کتاب وسنت عقائد قبول کرنے سے انکار کیا تو طاقت کے نشے میں چور شیخ نجدی اور امیر درعیہ نے ریاض پر حملہ کردیا، اور ۱۷۷۳ء میں اس پر قبضہ جمالیا۔

پھر الحسا کے حاکم کے ساتھ بھی معرکہ آرائی ہوئی مگر وہابی اتنی جمعیت فراہم کرچکے تھے کہ چھوٹے چھوٹے علاقوں کے لئے ان کا مقابلہ دشوار ہوگیا تھا، اس لئے وہ بھی شکست کھاگیا۔

مورخ حسنی کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ

"شیخ نجدی اور اس کے وہابی علاقوں پر قبضہ حاصل کرنے وہاں کے باشندوں کو بزور شمشیر وہابی عقائد قبول کرنے پر مجبور کرتے تھے۔ جسکی دلیل یہ ہے کہ کسی علاقے کے ساتھ جنگ میں الجھنے سے جونہی وہابیوں کی گرفت کمزور ہوئی وہ لوگ وہابی عقائد کے خلاف بغاوت کر دیتے کے دشمن کا ساتھ دیتے جو مسلمان سنی عقیدے کا مالک ہوتا۔"

[۱۶] سوانح ابن سعود، ۲۴۔

حسنی مورخ کا بیان ہے۔

لیکن ابن سعود کو بھی ایک نقصان ان لڑائیوں سے یہ ہوتا رہا، کہ وہ قبائل جو بنوک شمشیر موحد کئے گئے تھے۔ دشمن کی آمد آمد سن کر ابن سعود اور شیخ دونوں سے باغی ہو جاتے تھے، اور حملہ آوروں سے نپٹنے ہی باغیوں کی سرکوبی کے لئے حکومت کو مصروف ہونا پڑتا تھا۔ [17]

دماغ یہ معمہ حل کرنے سے قاصر ہے کہ

وہابی خود کو بڑا موحد اور قرآن کا پیروکار قرار دیتے ہیں، پھر نجانے وہ کس دلیل کی بنا پر عوام کو اپنا دین بدلنے پر مجبور کرتے تھے جبکہ قرآن پاک کا حکم ہے۔

لا اکراہ فی الدین

دین میں کوئی زبردستی اور جبر نہیں۔

ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ مقصود صرف سیاسی مفادات کا حصول تھا، چاہے وہ کسی طرح حاصل ہو، خواہ قرآن پاک ہی کے احکام کو پس پشت پھینکنا پڑے۔ سچے دل اور خلوص کے ساتھ قرآن وسنت کی طرف دعوت دینے والے، رب تعالیٰ کے فرمان و ہدایت کی اس طرح خلاف ورزی نہیں کر سکتے۔

ابن سعود کا جانشین

١٧٦٥ء میں ابن سعود کا انتقال ہو گیا، اور زمام حکومت اس کے بیٹے عبدالعزیز (١٧٦٥ء۔ ١٨٠٢ء) نے سنبھال لی۔

اس عرصہ میں حکومت اور شیخ نجدی کی پوزیشن کافی مستحکم ہو چکی تھی، جس مذہب نے انہیں ایک چھوٹے سے علاقے سے نکال کر بڑی سلطنت اور بھاری جمعیت بخش دی تھی وہ اس کی ترویج واشاعت کے لئے شب و روز اور دل وجاں سے کوشاں اور مصروف تھے۔ جو ان عقائد کو قبول کرنے میں پہلو تہی کرتا اسے بلا

[17] نمحا ابن سعود، ٣٠م

دریغ موت کے گھاٹ اتار دیتے۔ یا سخت سزائیں دیتے۔ گنبد خضراء پاک کی زیارت کی سختی سے ممانعت کر دی گئی تھی، کسی کو اجازت نہ تھی کہ مدینہ طیبہ کی طرف زیارت کی نیت سے سفر کرے، اگر پتہ چل جاتا تو زائرین کی سخت بے عزتی کرتے اور مذاق اڑاتے۔

درعیہ سے قریب "احسا" ایک جگہ تھی، وہاں سے کچھ مسلمان دل کے جذبۂ بے قرار کے ہاتھوں مجبور ہو کر، ہر قسم کے خطرات اور ان کے خوفناک نتائج کے احساس کے باوجود عشق و محبت کے سدا بہار پھولوں کے ہار گلے میں ڈالے، اور درود وسلام کے نغمے الاپتے، زیارت روضۂ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے روانہ ہو گئے۔

نبی کا کلمہ پڑھنے کا دعوی کرنے والے ان موحدوں کو پتہ چل گیا، یہ ان کی تاک میں بیٹھ گئے، جب وہ زیارت روضہ انور سے قلب وروح کو تسکین دے کر واپس آئے اور درعیہ کے قریب سے گزرے تو وہابیوں نے پکڑ لیا، شیخ نجدی نے ان کی ڈاڑھیاں منڈوا دیں اور گدھوں پر الٹا سوار کر کے انہیں احسا کی طرف روانہ کر دیا۔ [18]

شیخ نجدی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ رسالت میں درود وسلام کا نذرانہ پیش کرنے سے بھی وہابیوں کو روکتا تھا، اور درود شریف کے مقدس و نورانی کلمات سے اسے بہت اذیت پہنچتی تھی، روضۂ اقدس کے سامنے بھی درود پڑھنا گوارا نہ کرتا تھا۔

مولانا مدنی صاحب وہابیوں کے بارے میں لکھتے ہیں

"اگر مسجد نبوی میں جاتے ہیں تو صلوٰۃ وسلام ذات اقدس نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نہیں پڑھتے۔ اور نہ اس طرف متوجہ ہو کر دعا مانگتے ہیں" [19]

علامہ سید احمد بن زینی دحلان رحمۃ اللہ علیہ نجدی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

وکان ینھی عن الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویتاذی من سماعھا [20]

وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھنے سے منع کیا کرتا تھا اور درود کے کلمات سن کر اذیت محسوس کرتا تھا۔

[18] درر سنیہ، ٤٠م [19] شہاب ثاقب، ٤٧م [20] درر سنیہ، ٤٠م

ایک نابینا خوش الحان موذن کو اس نے مینار پر درود پڑھنے سے منع کیا مگر وہ عاشقِ صادق باز نہ آیا، اس نے حکم دیا کہ اسے قتل کر دیا جائے، چنانچہ اسے بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا گیا۔ ۲۱ے

علماء میدانِ عمل میں

جب نجدی کے مظالم، نئے مذہب کے بے سروپا عقائد و خرافات اور وہابیوں کی چیرہ دستیوں اور گستاخیوں کا شہرہ ہوا، تو سارے عالمِ اسلام میں ہیجان بپا ہو گیا۔ علماء سب سے پہلے اس طوفان بلاخیز کے خلاف میدانِ عمل میں آئے اور اس کا علمی و تحقیقی محاسبہ شروع کر دیا۔

اس سلسلہ میں جو مقدس و بارعب آواز سب سے پہلے بلند ہوئی، اور نجدی اور اس کی تعلیمات کے خرمن خاشاک پر برق تپاں بن کر گری وہ نجدی شیخ کے اپنے ہی بھائی حضرت سلیمان کی تھی، جنہیں خدا تعالیٰ نے اسی گھر میں موسیٰ اور خضر کا کردار ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

حضرت سلیمان اہلسنت و جماعت کے عقائد و نظریات کے حامل قابل و باصلاحیت بزرگ اور نہایت بلند پایہ محقق نکتہ رس عالم تھے، جب انہوں نے اپنے ہی گھر سے اوہام و اباطیل اور خلاف قرآن و سنت خیالات کا لاوا پھٹتے دیکھا تو متاعِ صبر و سکوں کھو کر بے قرار ہو گئے اول تو بھائی کو سمجھایا کہ "تم نے جو طرزِ عمل اختیار کیا ہے وہ انتہائی خطرناک اور اہل ایمان کی صراطِ مستقیم سے ہٹا ہوا ہے، جس کے متعلق قرآن کا فیصلہ ہے۔ یتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولی ونصلہ جھنم

"جو مومنین کی راہ چھوڑ کر کوئی دوسری راہ اختیار کرے گا تو ہم اسے ادھر ہی پھیر دیں گے، جدھر وہ پھرا اور جہنم میں داخل کریں گے،"

"تم اس صراطِ مستقیم اور جادہ حق کو نہ چھوڑو جو مومنین، اولیاء اللہ، اہل دین

۲۱ے درر سنیہ، ۴۱

اور تمام مسلمانوں کا راستہ ہے۔"

مگر شیخ نجدی باز نہ آیا، اور اپنی ہی دنیا میں منہمک رہا، بر ملا یہ کہنا شروع کر دیا کہ چھ سو سال سے سب مشرک چلے آ رہے ہیں۔

اس پر اعتراض کیا گیا۔

جب بقول تمہارے، اتنے طویل عرصہ سے تمام مشرک چلے آ رہے ہیں تو دین صحیح حالت میں تمہیں کیسے حاصل ہو گیا۔ جس کی دعوت دے رہے ہو؟

اس نے جواب دیا! مجھے الہام کے ذریعے اپنے موقف کی صحت کا علم ہوا ہے

اس مضحکہ خیز جواب پر اعتراض کیا گیا کہ،

یہ تو کوئی سند نہیں، اس طرح تو ہر کوئی اپنی بیہودہ خرافات و مہملات کو الہام کا درجہ دے سکتا ہے۔

اپنے موقف کی تائید میں کوئی وزنی جواب پیش کرو، مگر نہ کر سکا پھر بھی اپنی ہٹ دھرمی اور ضد سے باز نہ آیا،

جب حضرت سلیمان نے دیکھا کہ یہ مذموم کوششوں اور مسلمانوں کو کافر و مشرک کہنے سے باز نہیں آتا، تو ایک روز اس سے پوچھا:

"ارکان اسلام کتنے ہیں؟"

نجدی نے جواب دیا: کلمہ، نماز، روزہ، حج، زکات، کل پانچ ارکان ہیں۔

حضرت سلیمان نے فرمایا:

"مگر تمہارے نزدیک ارکانِ اسلام چھ ہیں، جو تمہارا مذہب قبول نہ کرے تمہارے نزدیک وہ بھی کافر ہے، خواہ اسلام کے پانچ ارکان کا قائل ہو۔"

گھر میں اسے راہ راست پر لانے کا سلسلہ جاری رہا، مگر جب اس میں ہدایت پذیری کے آثار نظر نہ آئے، اور معاملہ روز بروز بگڑنے اور بد سے بدتر ہونے لگا تو حضرت سلیمان نے نازک صورتِ حال پر سنجیدگی سے غور کیا، آخر اس نتیجے پر پہنچے کہ اس خوفناک بدعت اور خطرناک وبا کا علاج یہی ہے کہ علمی سطح پر اس کا محاسبہ

کیا جائے، اور مسلمان عوام کو گھر سے نکلنے والی اس بدعت کی تباہ کاری سے بچایا جائے
چنانچہ اللہ پر توکل کر کے، ایمان کا سہارا لئے میدان عمل میں آ گئے اور اپنے بھائی اور اس کے پیروکار وہابیوں کے رد میں ایک معرکہ آرا مدلل کتاب لکھی

الصواعق الالٰھیۃ فی الرد علی الوھابیۃ ۲۲؎

یعنی وہابیوں کے رد میں ربانی بجلیاں

ان بجلیوں نے وہابیوں کا واقعی خرمن اجاڑ دیا۔

اس علمی کوشش کے بعد مسلمان عوام کو وہابیوں کی حقیقت سے آگاہ کرنے کا سلسلہ چل نکلا، چنانچہ مذکورہ تصنیف کے بعد جو کتابیں لکھی گئیں وہ یہ ہیں

حضرت علامہ سید علوی بن احمد نے

جلاء الظلام فی الرد علی النجدی الذی اضل العوام

لکھی، یعنی نجدی کی پھیلائی ہوئی ان تاریکیوں کے خلاف اعلان جہاد، جس نجدی نے عوام کو گمراہ کیا۔"

شیخ طاہر سنبل حنفی نے الانتصار لاولیاء الابرار لکھ کر وہابیوں کی دھجیاں اڑائیں اور شیخ محمد بن عبد الرحمان نے تھکم المقلدین بمن ادعی تجدید الدّین لکھی اور ان کے تمام اعتراضات کا محققانہ اور علمی جائزہ لیا۔

ان علمی اور جوابی کوششوں کے مختصر خاکے سے اس جدوجہد کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے، جو شیخ نجدی کی گمراہ کن، غیر اسلامی تعلیمات کے نتیجے اور ردعمل کے طور پر ظاہر ہوئی، ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک بیداری و اضطراب کی لہر دوڑ گئی، اور اہل نظر علماء اس کے تعاقب میں چل نکلے، ایسے گہرے اور دقیق سوالات مرتب کئے جنہیں شیخ نجدی، سمجھنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتا تھا، علامہ غلاق نے اس سے پوچھا؛

۲۲؎ کچھ عرصہ قبل علامہ حکیم غلام معین الدین نے اسے شائع کیا تھا، اب حال ہی میں ٹرکی سے کافی نسخے پاکستان پہنچے ہیں جو مفت تقسیم کئے گئے۔

سورۃ العادیات میں موجود قوانین بلاغت کی اس طرح نشاندہی کرو کہ پتہ چل جائے، مجاز مرسل، استعارہ حقیقیہ، تبعیہ، مرشحہ، اسناد حقیقی اور مجاز عقلی کہاں ہے؟ کن جگہوں پر ایجاز، اطناب اور مساوات ہے؟ کس جگہ اسم ظاہر کی جگہ ضمیر اور کس جگہ اس کا الٹ ہے؟ ضمیر شان، التفات، اور مقام فصل و وصل کی نشاندہی کرو اور بتاؤ کمال اتصال اور کمال انقطاع کہاں ہے؟

مگر ان کا جواب دینا نجدی کے بس کا روگ نہ تھا،

ایک صاحب علم نے گرفت کی: بتاؤ! رمضان کے مقدس مہینے میں اللہ تعالیٰ کتنے لوگوں کو بخشتا ہے؟

نجدی نے جواب دیا، ہر رات ایک لاکھ گنہ گاروں کی بخشش ہوتی ہے، اور آخری رات اتنے لوگ بخشے جاتے ہیں جتنے سارے مہینے میں بخشے گئے ہوں۔

سائل نے اپنی گرفت مکمل کر لی: بتاؤ! اتنے ڈھیر سارے لوگ کون ہیں، اور کہاں ہیں جن کی ان راتوں میں بخشش ہوتی ہے؟ تمہارے پیروکار تو ہو نہیں سکتے، کیونکہ ان کی تعداد نہایت حقیر ہے، اور دوسرے مسلمانوں کو تم بخشش و مغفرت کے قابل نہیں سمجھتے، آخر وہ لوگ کہاں ہیں، جو رمضان کی راتوں میں اس کثرت کے ساتھ بخشے جاتے ہیں؟ نجدی اس معقول سوال کا کوئی جواب نہ دے سکا اور ہکا بکا رہ گیا۔

اسی طرح کسی نے پوچھا:

اگر تمہیں ایک شخص آکر بتائے کہ اس پہاڑ کے عقب میں ایک لشکر جرار موجود ہے جو تم پر حملہ آور ہونے والا ہے، اس کے مقابلہ کے لئے ایک ہزار سپاہی بھیجو۔ ایک ہزار سپاہی دوسری طرف جا کر واپس آ جائیں اور بتائیں، ادھر کوئی لشکر نہیں ہے۔ تم اس پہلے جھوٹے آدمی کی بات مانو گے، یا ہزار سپاہیوں کی؟

شیخ نجدی نے بلا تامل جواب دیا: ہزار سپاہیوں کی بات مانوں گا۔

اس زیرک عالم نے کہا: مسئلہ حل ہو گیا۔ تمام مسلمان اپنے اعتقادات کو صحیح بتاتے

ہیں تم انہیں مشرک قرار دیتے ہو، ہم تمہاری بات نہیں مانیں گے، بلکہ ان ہزاروں لاکھوں کی بات تسلیم کریں گے، جو تمہاری اس لائی ہوئی بدعت کے مخالف ہیں۔

پھر اس نے دوسرا سوال کیا "

تم حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسل کو کفر قرار دیتے ہو، حالانکہ تمام مسلمان ابتدا سے اس نظریہ کے قائل چلے آ رہے ہیں ؟

نجدی نے جواب دیا: ایک دفعہ حضرت عمر نے بارش کے لئے حضور کے چچا حضرت عباس کو وسیلہ بنایا، اگر نبی کے ساتھ توسل جائز ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عباس کو وسیلہ نہ بناتے۔

مسلمان نے کہا: اس سے تو میرے دعویٰ کی تائید ہوتی ہے۔ کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر مقدس اکابرین کے ساتھ بھی توسل جائز ہے۔

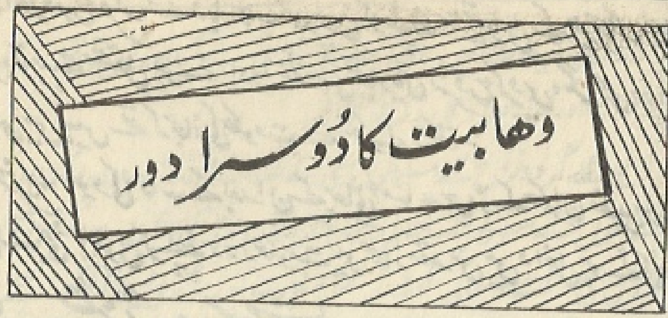
نجدی بولا: یہ بات نہیں، چونکہ حضور فوت ہو چکے تھے۔ اس لئے حضرت عمر نے آپ کو وسیلہ بنانا جائز نہ سمجھا، اور عباس زندہ تھے ان کو وسیلہ بنایا۔

اس عالم مسلمان نے فوراً گرفت کی: ٢٣ے

تم حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر یہ افترا پردازی کس طرح کر سکتے ہو کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد توسل کو جائز نہیں سمجھتے تھے، حالانکہ اس مشہور حدیث کے آپ ہی راوی ہیں جس میں یہ ذکر ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں محبوب اکرم محمد رسول اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پیش کیا تو ان کی توبہ منظور ہوئی۔

اس معقول اور مستند جواب پر نجدی حیران رہ گیا اور کچھ نہ بول سکا

علما کرام نے میدانِ عمل میں اگر تحریر، تقریر، سوال، جواب اور ہر طرح سے اس کا مقابلہ کیا اور وہ فرض بحسن و خوبی انجام دیا جو اس بدعت و ضلالت کے ظہور کے بعد ان پر عائد ہوتا تھا



جب وہابیوں نے نجد اور قرب و جوار کے علاقوں میں فتنہ و فساد اور ضلالت و بدعقیدگی کی یہ متعفن مہم زور شور کے ساتھ چلائی ہوئی تھی اس وقت ترکی فرمانروا غازی سلطان عبد الحمید خاں (١١٨٧ھ ١٢٠٣) کی حکومت تھی، ان کے اقتدار سنبھالنے سے پہلے ہی یہ مہم شروع ہو چکی تھی مگر تا ہنوز ترکی تک اس نئے مذہب اور اس کے عجیب و غریب غیر اسلامی خیالات کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں پہنچی تھی۔ بلکہ ابھی تک حجاز کی حکومت اور عوام بھی اس کی حقیقت، مقصد و مدعا اور اس کے خد و خال اور حدود اربعہ سے نابلد تھے، شریف مسعود (١١٤٦ھ ١١٦٥) کے کانوں تک جب اس سلسلے کی حیرت انگیز خبریں پہنچیں تو وہ بہت حیران ہوئے، کیونکہ ایک کلمہ پڑھنے والے شخص کے بارے میں یہ معلوم ہونا کہ وہ زیارت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بدعت و حرام کہتا ہے، یا درود پاک سے اذیت و کرب محسوس کرتا ہے۔ یقیناً تعجب انگیز بات تھی۔

انکے عہد میں نجد کے وہابیوں نے مکہ مکرمہ پہنچ کر اپنے نئے مذہب کی تبلیغ کا پروگرام بنایا چنانچہ ان کے تیس عالم اس کام کے لئے منتخب کئے گئے، جب وہ حرمین میں پہنچے تو انہیں بلا کر علماء کے ایک بورڈ کے سامنے پیش کیا گیا، اور ان سے عقائد و مقاصد پوچھے، گفتگو کے بعد پتہ چلا یہ لوگ سرے سے بدعقیدہ، علم سے بے بہرہ اور بالکل مسخرے ہیں جنہیں جواب دینا تو کجا رہا، بات سمجھنے کا بھی سلیقہ نہیں۔ ٢٤ے شریف مسعود نے انہیں گرفتار کر لیا اور عبرتناک سزائیں دیں۔ اور حرم شریف میں

ان کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا۔ جب نجدیوں کو اپنے ساتھیوں کے عبرتناک انجام کا علم ہوا تو بہت مشتعل ہوئے، اور انتقام کی تیاریاں شروع کر دیں، مگر ابھی وہ اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ حجاز کی حکومت سے ٹکر لے سکتے۔

شریف مسعود کی وفات کے بعد ان کے بھائی مساعد حجاز کے حکمران مقرر ہوئے۔ انہوں نے بھی وہابیوں کو اپنے دورِ حکومت میں حجاز مقدس میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی

شیخ نجدی کی وفات

عبدالعزیز نجد کے حکمران کے عہد میں تاخت و تاراج اور وہابیت کی اشاعت کا سلسلہ جاری تھا، عبدالعزیز کو شیخ نجدی کی شہ اور پوری حمایت و سرپرستی حاصل تھی، شیخ نجدی بدوی لوگوں کو اپنے خیالات سے متاثر کر کے وہابیت کے جال میں پھنسا تا، اور عبدالعزیز کی فوج میں اضافہ کرتا رہتا، تا آنکہ اجڈ، گنوار اور جفاکش بدویوں کی کثیر جمعیت اسکے جھنڈے تلے جمع ہو گئی۔

عبدالعزیز کو مفت میں اتنے ڈھیر سارے رضاکار، دین اسلام کے مخالف خیالات اور فسادات کی تخم ریزی کے تحفے دے کر شیخ نجدی صاحب ۱۲۰۶ھ میں اس کارگاہ شر و فساد میں اپنے پیروکار چھوڑ کر عالم عدل و جزا کی طرف سدھار گئے، اور اپنے پیچھے ایک ایسا مذہب چھوڑ گئے، جو انہیں قبر میں بھی بدعت، بدعت سیئہ کی عملی یادداشت کا مفہوم سمجھاتا رہے گا۔

(الف)

وہابیت کے کارنامے

شیخ نجدی کی تعلیمات اور پچاس سالہ رفاقت نے عبدالعزیز کو بڑا پرجوش فعال اور کٹر وہابی بنا دیا تھا، شیخ کی موت کے بعد اس کی سرگرمیوں اور تبلیغی کاموں میں کوئی فرق نہ آیا، اس کا بیٹا سعود جو اس کے بعد اقتدار کا وارث ہوا

وہ وہابی خیالات میں باپ سے بھی بازی لے گیا اور کسی توقف کے بغیر ہر طرف مار دھاڑ، اور گھراؤ جلاؤ کا پروگرام بنا لیا۔

یہ حملے گرد و نواح کے مسلمانوں ہی کے خلاف اتنے شدید، اچانک اور سفاکانہ تھے جنھوں نے سعود کو ایک ظالم و جفا پیشہ جنگ باز کی حیثیت سے مشہور کر دیا۔ اور وہابیوں کی وحشت، سفاکی، لوٹ مار، قتل و غارت اور سنگدلی دیکھ کر لوگ انکے نام ہی سے متنفر ہو گئے، اور انہیں خونخوار درندہ سمجھنے لگے۔

ان کی چیرہ دستیوں اور شر انگیزیوں سے کربلا معلی شریف، طائف اور مکہ مکرمہ جیسے مسلّمہ پاکیزہ مقامات بھی محفوظ نہ رہے، اور انہوں نے وہاں بھی وہ اودھم مچایا جسکی کسی غیر مسلم، بے دین سے بھی توقع نہیں ہو سکتی، اور کوئی ایمان کا دعویدار ایسی حرکات کا مرتکب ہونے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

ان زیادتیوں اور ستم رانیوں کا اعتراف خود ابن سعود کے سوانح نگار نے بھی کیا ہے، اس نے ان مقامات پر وہابیوں کے مظالم و سفاکی کی پوری تفصیلات بیان نہیں کیں کیونکہ اس نے اپنی کتاب کے دیباچے ہی میں لکھ دیا ہے کہ

انہدام مقابر اور ملوکیت حجاز وغیرہ پر نہایت حزم و احتیاط سے عرض مطلب کیا گیا ہے، اور ان سے جلد از جلد گزرنے کی کوشش کی گئی ہے صرف نفس واقعہ کو ملائم سے ملائم الفاظ میں بیان کیا ہے[25]

اس احتیاط اور ملائم الفاظ کا خیال رکھنے کے باوجود اس نے جو کچھ چند الفاظ میں بیان کیا ہے۔ وہ ان مقامات پر ظلم و ستم کے ٹوٹنے والے پہاڑ کا اندازہ لگانے کے لئے کافی ہے۔ یہ مظالم عمان، بحرین، احسا، طائف، کربلا معلی اور مکہ مکرمہ کے باشندوں پر یکساں طور پر توڑے گئے۔ جو وہابی تعلیمات اور انکے "خوبصورت" کارناموں کا جلی عنوان ہیں۔

[25] حسنی، سوانح ابن سعود، مقدمہ کتاب۔



سعود، وہابیت کو عملی شکل میں متشکل دیکھنے اور اپنے اقتدار کی سرحدیں دور دور تک پھیلانے کے لئے فوج کشی و تبلیغ میں جنون کی حد تک مصروف ہو گیا، اس معاملہ میں عبدالعزیز بھی کچھ کم نہیں تھا۔

لیکن اس کا بیٹا سعود، باپ سے بھی زیادہ گرم جوش ثابت ہوا، اس نے اپنے والد کی اجازت کے بغیر نجف اشرف اور کربلا معلی پر حملے کئے اور وہاں کے مزارات مقدس کو تہہ و بالا کر دیا، لوٹ اور غارت کا تو کچھ حساب ہی نہیں، ان مقامات پر اہل نجد کی طرف سے بے حد بد اعتدالیاں اور گستاخیاں سرزد ہوئیں۔ [۲۶]

" وہابیوں نے ۱۸۰۱ء میں سعود بن عبدالعزیز کی قیادت میں، کربلا معلی پر حملہ کیا، اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے مقدس مزار کو منہدم کر دیا۔ کربلا معلی کی نہتہ اور امن پسند آبادی کا بیشتر حصہ بلا فصل تہہ تیغ کر دیا۔ کربلا معلی سے بصرہ تک کا تمام علاقہ خاک سیاہ کر دیا، کروڑوں روپیہ کا مال و اسباب لوٹ لیا۔

فتنہ تاتار کے بعد عراق میں ایسا ظلم و فساد کبھی نہ ہوا تھا۔ دنیا بھر کے مسلمانوں میں ماتم کی صفیں بچھ گئیں، لیکن درعیہ نجد کے دارالسلطنت میں فتح و نصرت کے شادیانے بج رہے تھے۔ [۲۷]

---

[۲۶] حسنی؛ سوانح ابن سعود ۴۴ ؛ [۲۷] حسنی؛ سوانح ابن سعود

فتنہ تاتار اور ہلاکو خاں کے ظلم و تشدد اور وحشت و بربریت کی یاد تازہ کرنے والے اس واقعہ کے متعلق، علامہ السید شریف نے اپنی تاریخ وہابیہ، صدق الخبر میں یہ الفاظ نقل فرماتے ہیں۔

ان سعود الوهابي الخارج في ارض نجد، اخترع ما اخترع في الدين واباح دماء المسلمين وتخريب قبور الائمة المعصومين فاغار سنة ۱۲۱۶ على مشهد الحسين عليه السلام وقتل الرجال والاطفال ونهب الاموال وعاث في الحضرة المقدسة، فاهدم بنيانها وهدم اركانها [۲۸]

نجد سے خروج و بغاوت کرنے والے، سعود وہابی نے نیا دین گھڑا اور مسلمانوں کا خون مباح کیا، معصوم اماموں کی قبریں خراب کیں ۱۲۱۶ھ ہجری میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے مشہد مبارک پر حملہ کیا مردوں اور بچوں کو بلا دریغ قتل کیا، بے اندازہ دولت لوٹی اور روضہ مقدس کی عمارت کو خراب و منہدم کیا۔

عبدالعزیز کا قتل

کربلا شریف کی بے حرمتی اور امام پاک رضی اللہ عنہ کے روضہ اقدس کی تخریب کے باعث تمام مسلمانوں میں ہیجان بپا ہو گیا، صدمہ سے کلیجے چھلنی ہو گئے، اور وہابیوں کے خلاف عوام کے دلوں میں جو دبی ہوئی نفرت تھی، وہ کوہ آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑی، جس کا پہلا شکار عبدالعزیز کو ہونا پڑا۔

۴ نومبر ۱۸۰۳ء کا واقعہ ہے کہ

عبدالعزیز ظہر کی نماز میں امامت کر رہا تھا، کہ مقتدیوں میں سے ایک شخص آگے بڑھا، اور عبدالعزیز کے سینے میں خنجر گھونپ دیا، یہ شخص شیعہ تھا، دو برس بیشتر

---

[۲۸] صدق الخبر خوارج قرن الثانی عشر ۶ ۴۱

اس کے اہل و عیال، کربلا معلی میں تہہ تیغ کر دیئے گئے تھے، یہ شخص انتقام کی غرض سے "درعیہ" آیا، اور دو برس تک وہابی بنا، مناسب موقعہ کی تاک میں لگا رہا موقعہ غنیمت جان کر وار کر دیا۔

وہابیوں نے قاتل کو زندہ جلا دیا، لیکن وہ انتقام لے چکا تھا، اور ظلم و فساد کے بانی کو گہری نیند سلا چکا تھا،

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت مسلمانانِ عالم وہابیوں کی حرکات کو کس نگاہ سے دیکھتے تھے [29]

طائف کی بربادی

غازی سلطان عبدالحمید خاں (۱۱۸۷ھ ۱۲۰۳) ترکی خلافت کی شاندار روایات کے امین مدبر جانشین اور ہونہار وارث تھے مگر آپ کا جانشین سلیم خان ثالث، (۱۲۰۳ھ ۱۲۲۲) اعلیٰ صلاحیتوں کا ثبوت نہ دے سکا، ایک عظیم سلطنت کے نظم و نسق کے لئے بالکل نااہل ثابت ہوا، نتیجہ یہ نکلا کہ طاقتور صوبوں نے آزاد ہونے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنا شروع کر دیئے، جس کے باعث ملک میں افراتفری مچ گئی، اور ہر حکمران اپنے ہی حالات میں مگن ہو گیا۔

ان کمزور سیاسی حالات سے سعود نے مکمل فائدہ اٹھانے کا تہیہ کر لیا، حجاز کی کمزور فوجی قوت اس کے علم میں تھی، شریف غالب (۱۲۰۲ھ ۱۲۲۰) کو اپنے جرار لشکر ہی سے خوفزدہ کر دینا اس کے لئے مشکل نہ تھا، اس لئے اس نے حملہ کی تیاریاں تیز تر کر دیں۔

سب سے پہلے طائف کو زیرِ نگیں لانا ضروری تھا، چنانچہ ۱۲۱۷ھ میں سعود کی وہابی فوج نے طائف کی طرف پیش قدمی کر دی۔

---

[29] سوانح ابن سعود، ۸۴

شریف غالب کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی، فوراً مرکزِ خلافت کو سنگین حالات اور ان کے خطرناک نتائج سے آگاہ کیا۔ مگر مرکزی حکومت خود ایسے مسائل میں گھری ہوئی تھی کہ اس کے لئے کسی طرف توجہ دینا ممکن نہ تھا، سلیم خان اپنی نااہلی کی وجہ سے مضبوط ترین سلطنت کی جڑیں کھوکھلی کرتا جا رہا تھا۔ سعود ہوا کے دوش پر منزلیں طے کرتا ہوا، طائف کے سامنے جا دھمکا، ایک لاکھ سے متجاوز جرار لشکر کے ساتھ طائف کے دروازوں پر دستک دی، اہل شہر کے اتنی فوج دیکھ کر ہی اوسان خطا ہو گئے، چنانچہ ان کے لئے دروازے کھول دیئے گئے، اس کے بعد بے گناہ نہتے شہریوں، معابد و مقابر اور مقدس مقامات کے ساتھ جو کچھ ہوا اس کی محزن تفصیلات لکھنے سے قلم عاجز اور سننے سے کان قاصر ہیں، سعود جو اس وقت رسوائے عالم ہو چکا تھا حجاز کی طرف بڑھا اور طائف پر قابض ہو گیا [30]

علامہ سید احمد بن زینی دحلان رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں اس واقعہ کی مختصر روئداد یوں ہے

لما ملکوا الطائف فی القعدة سنة ۱۲۱۷ قتلوا الکبیر والصغیر والمامور والآمر ولم ینج الامن طال عمره وکانوا یذبحون الصغیر علی صدر امه ونهبوا الاموال وسبوا النساء وفعلوا اشیاء یطول الکلام بذکره [31]

جب ذی قعدہ ۱۲۱۷ھ میں، وہابیوں نے طائف فتح کیا، تو چھوٹے بڑے، رعایا اور عوام سب کو بے دریغ قتل کیا، وہی نجات پا سکا جس کی عمر لمبی تھی، (وہ اتنے بے رحم تھے کہ) ماں کے سینے پر اس کے بچے کو ذبح کر ڈالتے تھے، انہوں نے مال و اسباب لوٹ لیا اور عورتوں کو قیدی بنا لیا، اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ کیا، جس کا ذکر طوالتِ کلام کا باعث ہے۔

سید شریف لکھتے ہیں۔

---

[30] حنی بی لے، سوانح ابن سعود، ۸۴، [31] دحلان، درر سنیہ، ۲۶

وهدم المضائفی بالطائف' قبة ابن عباس الغريبة الشكل والوصف ۳۲ ے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مزار کا نہایت دلآویز اور خوبصورت گنبد بھی گرادیا۔

مکہ مکرمہ کی بے حرمتی

طائف کے مظلوم عوام کو تہہ تیغ کرنے کے بعد، وہابیوں کی مکہ مکرمہ پر چڑھائی اور اس مقدس شہر کی بے حرمتی وہابیوں کا تیسرا عظیم کارنامہ اور ان کی خدا پرستی کا زندہ ثبوت ہے۔

سعود کو شریف مکہ غالب کی فوجی طاقت کا مکمل اندازہ ہو چکا تھا۔ اس نے کسی تاخیر کے بغیر اگلے سال ۱۲۱۸ھ میں مکہ مکرمہ پر بھی چڑھائی کردی۔

حجاج بن یوسف اور یزید کے درجے کے لوگوں کے سوا یہ سعادت کسی کو نصیب نہیں ہوئی تھی۔ شریف غالب نے مرکزی حکومت سے مدد مانگی، مصری حکومت سے بھی درخواست کی ان کے ماتحت ہونے کی وجہ سے ان کا فرض تھا کہ وہابیوں کی یلغار سے حجاز مقدس کی زمین کو بچانے کے لئے شریف غالب کی امداد کرتے، مگر تمام اپنے اپنے معاملات میں اتنے الجھے ہوئے تھے کہ اس طرف توجہ دینے کی کسی کو فرصت ہی نہ ملی

ہر طرف سے مایوس ہو کر مقابلے کی سکت نہ پاتے ہوئے شریف غالب مکہ مکرمہ کے باشندوں کو ان کے رحم وکرم پر چھوڑ کے جدہ چلا گیا، اس خیال سے کہ آنے والے کلمہ گو ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، ہو سکتا ہے شہریوں کو بے یار و مددگار اور مسلمان دیکھ کر صرف مکہ پر قابض ہونے ہی پر اکتفا کریں اور طائف کی تاریخ یہاں نہ دہرائیں سعود نے شہر سے باہر خیمے لگا دیئے، مکہ مکرمہ کے معززین امان طلب کرنے کے لئے اس کے پاس گئے، ان میں شیخ محمد طاہر سنبل، سید محمد مرغنی، شیخ عبدالحفیظ عجمی

۳۲ ے خوارج قرن الثانی عشر ۱۳۰

اور سید محمد بن حسن عطاس جیسے افاضل و اکابر بھی تھے۔

فاجابهم انما جئتكم لتعبدوا الله وحده وتهدموا الاصنام والطواغيت، ولا تشركوا بالله الذى يحيى ويميت.

سعود نے جواب دیا:

میں اس لئے آیا ہوں تاکہ تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، بت گرادو اور جو خدا زندگی بخشتا اور مارتا ہے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔

شیخ طاہر نے جواب دیا:

والله ما عبدنا ولا نعبد الا الله ۳۳ ے

خدا کی قسم! ہم تو اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے،

سعود نے ان کو یہ امان نامہ لکھ کر دیا۔

من سعود بن عبدالعزيز الى كافة اهل مكة والعلماء السلام على من اتبع الهدى - اما بعد فانتم جيران الله وسكان حرمه، آمنون بامنه، انما ندعوكم لدين الله ورسوله قل يا اهل الكتاب تعالوا الى كلمة سواء بيننا وبينكم الا نعبد الا الله ولا نشرك به شيئا ولا يتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله، فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون.

سعود بن عبدالعزیز کی طرف سے اہل مکہ اور علماء کے نام

سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی، اس کے بعد،

تم اللہ کے ہمسائے اور حرم کے باشندے ہو، مامون اور محفوظ ہو،

ہم تمہیں پکارتے ہیں اللہ اور رسول کے دین کی طرف۔

اے اہل کتاب! آؤ ایک کلمہ کی طرف جو ہمارے تمہارے درمیان مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اور نہ شرک کریں۔ اور ہم میں سے بعض لوگ بعض کو ارباب من دون اللہ نہ بنالیں، اگر وہ پھریں تو کہو

۳۳ ے خوارج قرن ۱۲/ ۱۲۸

گواہ ہو جاؤ، ہم مسلمان ہیں، ۳۴؎

پھر سعود نے بتایا:

میں آٹھ محرم ۱۲۱۸ھ میں مکہ میں داخل ہوں گا، اور عبدالمعین کو تمہارا امیر مقرر کرتا ہوں۔

سعود حرم شریف میں داخل ہوا تو لوگوں کو جمع ہونے کا حکم دیا پھر جن الفاظ میں خطبہ دیا، وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں، مکہ کے کفار و مشرکین پر فتح یاب ہو کر آپ نے وہ کلمات کہے تھے، مگر سعود نے وہی کلمات مسلمانوں پر چسپاں کئے۔

۳۴؎ اہل نظر جانتے ہیں اس امان نامہ کے تیور کس حقیقت کی غمازی کر رہے ہیں۔ سعود نے اس میں اہل مکہ کو کافروں اور مشرکوں کی طرح خطاب کیا ہے، یہ بعینہ ان خطوط کی نقل ہے، جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب اور کافروں کو لکھے تھے۔ وہی مضمون یہاں اختیار کرنا، اہل مکہ کے بارے میں سعود کی ذہنیت اور اس کے جذبات کو واضح کر دیتا ہے۔

ایک پہلو اور بھی ہے، جو سنگین بھی ہے اور ہوشربا بھی:
اور کوئی انتہائی بے باک اور سنگدل ہی اسے اپنانے کی جرأت کر سکتا ہے۔

وہ یہ کہ امان نامہ میں خود کو نبی کے مشابہ قرار دینے کی شعوری کوشش شامل ہے، جو اس حقیقت کی عکاس ہے کہ ایسا خطبہ دینے والے کا دل منصب رسالت کی نزاکتوں سے یکسر ناآشنا ہے۔ اور احترام رسالت کے اس تصور سے بالکل خالی اور محروم ہے، جو ایک سچے امتی اور باکمال مومن کو بارگاہ نبوی میں محتاط رویہ اختیار کرنے کا نورانی شعور بخشتا ہے، یہ بے احتیاطی اور بیباکی وہ ہے جس کے ڈانڈے گستاخی و بے ادبی سے جا ملتے ہیں، اور بے ادبی اس بارگاہ میں ازلی محرومیت کی علامت ہے، جس کے ساتھ کوئی خوشگوار تصور وابستہ نہیں کیا جا سکتا۔

۳۴؎ بارھویں صدی کے خوارج، ۱۳۹

اللہ اکبر، لا الٰہ الا اللہ وحدہ، صدق وعدہ، ونصر عبدہ، انجز وعدہ، واعز جندہ، لا الٰہ الا اللہ ولا نعبد الا ایاہ مخلصین لہ الدین، ولو کرہ الکافرون، اعلموا ان مکۃ حرام ما فیہا، لا یختلی خلاہا ولا ینفر صیدہا ولا یعضد شجرہا وانما احلت ساعۃ من نہار ۳۵؎

اللہ اکبر، اللہ ایک ہے، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندے کی مدد کی، اپنے لشکر کو غلبہ دیا، ہم خلوص کے ساتھ اسکی عبادت کرتے ہیں، اگرچہ کافر ناپسند کریں جان لو مکہ کی ہر چیز حرمت والی ہے یہاں کی گھاس کاٹنا، درخت توڑنا، اور یہاں کے شکار کو برانگیختہ کرنا جائز نہیں، یہ مکہ صرف دن کی ایک ساعت کے لئے حلال کیا گیا۔

فاحمدوا اللہ الذی ہداکم للاسلام، وانقذکم من الشرک وانا ادعوکم ان تجدوا اللہ وحدہ وان تقلعوا عن الشرک الذی کنتم علیہ

(پس اللہ کی تعریف کرو جس نے تم کو اسلام کی ہدایت دی، اور شرک سے بچایا اور میں تمہیں ایک خدا کی عبادت کی دعوت دیتا ہوں اور یہ کہ شرک سے رک جاؤ جس پر تم کاربند تھے۔)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، خدا تعالیٰ کے رسول ہیں، اللہ پاک نے مکہ مکرمہ پر حملہ کی اجازت صرف آپ کو عطا فرمائی تھی۔ اب قیامت تک یہ رعایت کسی کو نہیں مل سکتی، ان الفاظ کو استعمال کر کے اپنے لئے یہ رعایت و اجازت ثابت کرنا رعونت کے ساتھ شان رسالت میں گستاخی و بے ادبی بھی ہے۔

اسی طرح اہل مکہ سے یہ کہنا کہ تم شرک سے باز آجاؤ، یہ انہیں خواہ مخواہ مشرک قرار دینا ہے، وہ حرم کے باشندے شرک کی لعنت سے پاک اور اس گندگی سے کوسوں دور تھے۔ سعود کے نزدیک مقدس مزارات کی زیارت، فاتحہ خوانی، دعائے مغفرت گنبد یہی چیزیں شرک تھیں، جس کا اس نے دوسرے روز اظہار کیا۔ لوگوں کو حکم دیا کو توڑ کے کہ ایسی سے کر و پہنچ جائیں۔

۳۵؎ ایضاً

دوسرے روز سب سے پہلے وہ گنبد گرایا، جو اہل دل نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت باسعادت کی جگہ پر بنایا ہوا تھا، تاکہ ظہور قدسی کی یاد تازہ ہوتی رہے، اور آنے والی امت کو پتہ چلتا رہے، کہ یہ وہ مقدس جگہ ہے جہاں دعائے خلیل، اور نوید مسیحا، پہلوئے آمنہ سے ہویدا ہوئی تھی۔

پھر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا قبہ منہدم کیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جائے پیدائش پر جو یادگار گنبد بنے ہوئے تھے، انہیں توڑا، مقدس و متبرک آثار مٹائے، اور قبریں مسمار کیں۔ اس دوران یہ لوگ قبوں کو گالیاں بھی دیتے رہے، اور ایسے رجزیہ اشعار پڑھنے میں مصروف رہے، جن سے فاتحانہ غرور ٹپکتا تھا تین دن تک یہی کچھ ہوتا رہا، اپنے باطل مزعومات کی رو میں وہابیوں نے چن چن کر اسلامی شعائر کا خاتمہ کیا، اور ان نشانات کو ملیامیٹ کر دیا، جو تاریخی و مذہبی اعتبار سے بڑی اہمیت کے حامل تھے۔

پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بلند آواز سے درود پڑھنے سے بھی روک دیا، اور کہا یہ شرک اکبر ہے۔ (معاذ اللہ)

سید شریف نے ان تمام حالات کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

فهدموا جميع ما فى المعلى من آثار الصالحين وكانت كثيرة ثم هدموا قبة مولد النبى صلى الله عليه وسلم، ثم قبة مولد ابى بكر الصديق رضى الله عنه، والمشهور بمولد سيدنا على رضى الله عنه وقبة السيدة خديجة ام المومنين رضى الله عنها، هم فى اثناء هدمهم يضربون الطبول ويرتجزون مبالغين فى شتم القبور التى هدموها ...... منعهم ايضًا من اعلان الصلاة على النبى صلى الله عليه وسلم ..... وقال ان هذا شرك اكبر [۳۶]

وہابیوں نے مکہ مکرمہ میں تمام آداب بالائے طاق رکھ کر، جو بے باک اور قابل اعتراض

---

[۳۶] ایضاً، ۱۶۱

طرز عمل اختیار کیا اور توہین و بے حرمتی کو شعار بنایا اور گستاخی و بے ادبی کے ایمان سوز مظاہرے کئے ان تمام "توحیدی کارناموں" کا اندازہ مورخ حسنی کے ان مختصر الفاظ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے جو انہوں نے اپنی کوشش اور احتیاط کے مطابق بڑے ملائم استعمال کئے ہیں، تاکہ اصلیت واضح نہ ہو، مگر چند الفاظ میں مکہ مکرمہ پر ڈھائے گئے مظالم کی ساری داستان اگلی ہے۔

"وہابی مدت سے ادھار کھائے بیٹھے تھے کہ اصل اصلاح مکہ سے کی جائے گی، اور ہر وہ چیز جس میں کفر و شرک کا شائبہ پایا جاتا ہو، فنا کر دی جائے گی، چنانچہ اب مقدس مزارات توڑ پھوڑ دیئے گئے، زیارت گاہوں کی بے حرمتی کی گئی، حرم کعبہ کے غلاف پھاڑ دیئے گئے وہابی معتقدات کے مطابق "جس قدر شعائر یا رسومات قرآن و سنت کے خلاف تھیں یک لخت ممنوع قرار دی گئیں" [۳۷]

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ، وہابیوں کے شرک کا دائرہ اتنا وسیع تھا، کہ حرم کعبہ کا غلاف بھی اس سے خارج نہ تھا، جسے پھاڑنا انہوں نے ضروری سمجھا، اس سے اہل نظر اس تحریک کی ذہنیت اور شدت اور اسکے اصلی خد و خال کا صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں۔

(۴) مدینہ منورہ

وہابیوں کے حوصلے بہت ہی بلند ہو چکے تھے، حالات نے انہیں دل کی حسرتیں نکالنے کا موقعہ فراہم کر دیا تھا، اس لئے ان کی ہوس ملک گیری بہت ہی ترقی کر گئی۔ چنانچہ مکہ مکرمہ پر قبضہ مکمل کرنے کے بعد مدینہ طیبہ کی طرف بھی متوجہ ہو گئے حضور علیہ الصلوٰۃ نے مدینہ طیبہ کو حرم قرار دیا ہے، اور اسکی عزت و حرمت ملحوظ رکھنے کا تاکیدی حکم ارشاد فرمایا ہے۔ اور اسکی خلاف ورزی کرنے

---

[۳۷] سوانح ابن سعود، ۴۸

والے پر لعنت فرمائی ہے۔

ان ابراھیم حرم مکۃ وانی احرم مابین لابتیھا

حضرت خلیل نے مکہ کو حرم بنایا تھا، میں مدینہ کے دونوں کناروں کے درمیان والی زمین کو حرم قرار دیتا ہوں۔

لا یختلی خلاھا ولا یعضد شجرھا ولا ینفر صیدھا

نہ اس کی گھاس کاٹی جائے گی نہ درخت توڑے جائیں، اور نہ شکار بھگایا جائے گا:

من احدث فیھا حدثا فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین ۳۸

جس نے اس میں خلاف دین حرکت کا مظاہرہ کیا، اس پر اللہ تعالیٰ، ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت

مگر وہابی ان امتناعی احکام سے بے نیاز، مدینہ طیبہ کی حرمتیں پامال کرنے کیلئے اس طرف بھی روانہ ہوگئے، چونکہ راہ روکنے والا کوئی نہ تھا، اس لئے منزلیں طے کرتے اور راستے میں آنے والے تمام مقدس آثار مٹاتے آگے بڑھتے رہے۔ جہاں اہل عشق کے مذہب میں سر کے بل جانا بھی بے ادبی شمار ہوتا ہے، جس راہ پہ آنکھیں بچھانا اور پلکوں سے جھاڑو دینا ایمان و سعادت کی علامت اور قرب و محبت کی عطا سمجھا جاتا ہے، جہاں کے خار مغیلاں نگاہ کو چبھتے نہیں، بلکہ گل تر دکھائی دیتے ہیں، جہاں کے سنگریزے حریر و پرنیاں بن کر آتے ہیں، اور دامن دل میں جگہ پاتے ہیں، جہاں کا شفا بخش غبار اہل نظر کی آنکھوں کے لئے سرمہ بصیرت ہے، اور ذرہ ذرہ قابل احترام ہے۔

دل والوں کی اس گلبدن سرزمین میں وہابی دندناتے ہوئے گھس گئے اور وہی تاریخ دہرائی جو طائف و مکہ میں دہرا چکے تھے، جنۃ البقیع کی قبور کو مسمار کر دیا۔ گنبد گرائے، مزارات کی بے حرمتی کی اور دستور کے مطابق آثار و تبرکات مٹا ڈالے

۳۸؎ بخاری، ۲۵۱

حجرہ شریف سے تمام زر و جواہر لوٹ لئے، قالین اٹھا کر اپنے شہر درعیہ میں لے گئے

وفی سنۃ احدی وعشرین ایضا اخذ الوھابی کل ما کان فی الحجرۃ النبویۃ من الاموال والجواھر ۳۹

"۱۲۲۱ھ میں وہابی نے حجرہ مطہرہ کے اموال و جواہر لوٹے"

حضرت فضل رسول بدایونی رحمۃ اللہ علیہ، سیف الجبار میں لکھتے ہیں۔

ان وہابیوں نے گنبد خضرا شریف کو بھی گرانے کا ارادہ کر لیا تھا۔

مگر قدرت نے اس کی حفاظت فرمائی اور ان کے شر و فساد سے محفوظ رکھا۔



وہابیہ کا استیصال

سلیم خاں ثالث کی کوتاہ اندیشی اور نااہلی نے وہابیوں کو نجد و حجاز میں اپنی سلطنت کی حدود وسیع کرنے کا اچھا موقعہ فراہم کر دیا۔ وہ اپنی کمزوری کے باعث اپنے طویل دور اقتدار کے باوجود ان کا زور نہ توڑ سکا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مرکزی حکومت کے کارپرداز حال مست رہے اور وہابیوں کا داؤ چل گیا۔

مگر قدرت کا قانون ہے، ہر فرعون کے لئے ایک موسیٰ مقدر ہوتا ہے۔

سلیم کے بعد مصطفیٰ خاں رابع نے اقتدار پر قبضہ جما لیا مگر ۱۲۲۳ھ ہی میں اس کا خاتمہ ہو گیا۔

اس کے بعد محمود خاں ثانی (۱۲۲۳ھ ۱۲۵۵) ترکی سلطنت کے وارث قرار پائے۔ یہ بالغ نظر، معاملہ فہم اور نکتہ رس حکمران تھے، گذشتہ حکومتوں کی غلطیوں اور کوتاہیوں کا عرصہ سے بنظر غائر مطالعہ کر رہے تھے، حجاز میں وہابیوں کی بغاوت

۳۹؎ ۱۳۱ البلد الحرام، ۲۹۴

اپنے تمام لوازمات اور شر و فساد سمیت ان کی نگاہ میں تھی، وہ اس اٹھنے والی تحریک اور مذہب کے زنّار لبادہ میں لپٹی ہوئی شورش کی حرمتیوں سے آگاہ تھے۔

ایک مومن اور بصیر دماغ کے مالک ہونے کی حیثیت سے وہ توحید و شرک میں فرق کرنے کی صلاحیت بھی بہرہ ور تھے، وہابیوں نے شرک کے نام پر حرمین شریفین میں بے حرمتی کا جو بازار گرم کر رکھا تھا، وہ اسے ناپسندیدہ اور غضبناک نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ ان کے نزدیک سب سے پہلا کرنے کا کام یہ تھا کہ پہلے ان باغیوں سے حجاز کی مقدس سرزمین کو پاک کیا جائے، اور وہاں ان سرپھروں نے آثار و مقابر کو جو نقصان پہنچایا ہے اسکی تلافی کی جائے۔

طائف، کربلا معلی، مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں ان لوگوں نے بے گناہ عوام کے ساتھ جو بہیمانہ سلوک کیا تھا، ان مظالم کی داستان اب ملک کے طول و عرض میں پہنچ چکی تھی، کچھ لٹے پٹے قافلے اور جلا وطن لوگ دربار خلافت میں بھی پہنچے اور روداد غم سنائی ان میں مدینہ منورہ کے شاہی خاندان کے افراد بھی تھے۔

محمود خان بادشاہ کا دل بھر آیا، ان واقعات نے اس کے دل پر گہرا اثر کیا، اب تاخیر کے جواز کی کوئی صورت نہ تھی، انہوں نے فوراً اپنے مصری گورنر محمد علی پاشا کو لکھا کہ وہابیوں کی سرکوبی کی طرف اولیں فرصت میں توجہ دے۔

خدیو مصر محمد علی پاشا نے اپنے سرفروش بیٹے طوسون پاشا کو ۱۲۲۶ھ میں جرار لشکر دے کر وہابیوں کی طرف روانہ کیا اس عرصہ میں وہابی دور دور تک اپنی سلطنت کی حدود پھیلا چکے تھے۔

حسنی رقمطراز ہے۔

"عرب کا مشرقی ساحل بھی ان کے قبضہ میں تھا، بحرین بھی فتح ہو گیا۔۔۔۔۔ نجدیوں نے نواح بغداد کے علاقوں کو تاخت و تاراج کر دیا، اسی سال میں شام پر وہابیوں نے حملہ کیا، اور حلب کو فتح کر لیا، شامیوں نے دب کر صلح کر لی۔ لیکن اوپر بیان ہو چکا ہے، اس زمانے کے وہابی پیمان شکنی

میں طاق تھے، معاہدہ کے باوجود حملے کرتے رہتے، ۱۸۱۰ء میں وہابی حوران تک بڑھ گئے، اور وہاں بیسیوں گاؤں کو لوٹ لیا۔[48]

"اب صرف مغرب کی جانب، مصر کی راہ سے ترک حملہ آور ہو سکتے تھے، ترکی سلطان نے محمد علی پاشا خدیو مصر کے نام فرمان صادر کیا، کہ پاشائے موصوف حجاز پر حملہ کرے، اور حرمین شریفین کو فتنہ نجدیہ سے نجات دلائے۔[49]

سعود غافل نہیں تھا، طوسوں پاشا کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو کر نکلا، ابن المبارک بمقام صفراء ۱۲۲۶ھ کو صفراء کے مقام پر دونوں لشکروں کا تصادم ہوا، محرم ۱۲۲۷ھ میں ایک اور زوردار جھڑپ ہوئی، اسی سال صفر کے مہینے میں محمد علی پاشا نے طوسوں کی امداد و کمک کے لئے ایک اور لشکر روانہ کیا، جھڑپیں اور معرکہ آرائیوں کا یہ سلسلہ جاری رہا، کوئی فیصلہ کن جنگ نہ ہو سکی، تاہم مصری مسلمانوں کا پلہ بھاری تھا، اور ان کی کامیابی کے امکانات روشن تھے، مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ کے لوگ دل سے مسلمانوں کی کامیابی کے خواہشمند تھے تاکہ وہ وہابیوں کی جبری تعلیم اور اختراعی ڈھکوسلوں سے نجات حاصل کر سکیں، کیونکہ ان علاقوں کے اکثر لوگ جبری طور پر وہابی بنائے گئے تھے، انہیں وہابیوں کے مہمل اور بیہودہ عقائد کے ساتھ کوئی دلچسپی نہ تھی۔

حسنی لکھتا ہے

یہ بدوی حال ہی میں جبراً وہابی کئے گئے تھے[50]

۱۲۲۸ھ میں محمد علی پاشا نے خود بھی جنگوں میں حصہ لیا مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ اگلے سال سعود مر گیا اور اسکی جگہ امیر عبداللہ حکمران ہوا، اس نے باپ کی جگہ سنبھال لی، جنگوں اور تصادموں کا سلسلہ جاری رہا۔ مگر طوسون نے ہر معرکہ میں عبداللہ کو پسپا کرنا شروع کر دیا۔ دو سال تک یہ سلسلہ جاری رہا، اور طوسون نے وہابیوں سے تمام علاقے واپس لے لئے مدینہ طیبہ کے لوگوں نے مسلمانوں کا بڑی گرمجوشی

---

۴۸ حسنی بی اے، ۹۴ ۔ ۴۹ ایضاً، ۵۰ ۔ ۵۰ ایضاً

سے استقبال کیا، اور خود آگے بڑھ کر شہر کے دروازے کھولے اور رب کا شکر ادا کیا کہ وہابیت کی سیاہ رات کٹی، اور تاریک سائے دور ہوئے۔ اس روز ان کی مسرت و شادمانی کا کچھ ٹھکانہ نہ تھا، یہی حال باقی مقامات کے باشندوں کا تھا، جو وہابیوں سے نجات پاکر امن و سکون کی دنیا میں آئے۔

۱۲۳۲ھ میں محمد علی پاشا نے ابراہیم پاشا کو نجد کا علاقہ بھی فتح کرنے کے لئے بھیجا۔ اب صرف یہی شہر ان کے قبضہ میں رہ گیا تھا۔ ابراہیم برق و رعد کی طرح نجد کے علاقہ درعیہ میں ان کے سر پر جا دھمکا، مقابلہ ہوا، مگر وہابیوں کا سردار عبداللہ ہمت ہار چکا تھا، اس لئے گرفتار ہو گیا، اس کے خاندان کے باقی لوگ بھی حراست میں آ گئے یا قتل کر دیئے گئے، وہابیوں کو ایسی فیصلہ کن شکست ہوئی، کہ کوئی بھی نہ بچا، ان کا نام و نشان تک مٹ گیا، اس لڑائی میں شیخ نجدی کا پوتا سلیمان بھی مارا گیا جو دادا ہی کی طرح متعصب اور کٹر وہابی تھا، اس طرح ۱۲۳۳ھ میں وہ فتنہ اپنی موت آپ مر گیا، جس نے ایک سو سال سے مسلمانوں کا سکون برباد اور کفر و شرک کے فتووں سے ان کا جگر چھلنی کیا ہوا تھا۔

حسنی کا بیان ہے۔

وہابی فوجیں مختلف مقامات پر ہزیمت اٹھا کر پسپا ہوئیں، حملہ آوروں نے ایک ایک کر کے وہابی سلطنت کے تمام علاقے چھین لئے، یہاں تک کہ ۱۸۱۸ء میں درعیہ دار السلطنت پر بھی قبضہ کر لیا، مجبور ہو کر عبداللہ نے اپنے تئیں فاتحین کے حوالے کیا، انہوں نے درعیہ کو تباہ و برباد کر دیا، امیر عبداللہ کو اسیر کر کے پہلے قاہرہ بھیجا گیا، پھر قسطنطنیہ، ترکوں نے سلطان کے حکم کے مطابق، مجمع عام کے روبرو امیر عبداللہ کو مسجد ایا صوفیہ کے چوک میں بڑی ذلت سے تہہ تیغ کیا۔

اس طرح پر وہابی سلطنت کے پہلے دور کا خاتمہ ہوا۔ [۴۳]

فتنہ وہابیہ کے عقائد و حالات اور استیصال کے بارے میں علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں۔

[۴۳] ایضاً، ۵۱

کما وقع فی زماننا فی اتباع عبدالوهاب الذین خرجوا من نجد وتغلبوا علی الحرمین وکانوا ینتحلون الی الحنابلة لکنهم اعتقدوا انهم المسلمون وان من خالف اعتقادهم مشرکون، واستباحوا بذالک قتل اهل السنة، وقتل علماءهم حتی کسر الله شوکتهم وخرب بلادهم وظفر بهم عساکر المسلمین عام ثلاث وثلثین ومائتین والف [۴۴]

ہمارے زمانے میں نجد سے خروج کرنے والے، عبدالوہاب نجدی کے مقلدین اسی قسم کے ہیں، جو حرمین پر قابض ہو گئے، وہ خود کو حنبلی کہتے تھے، اور اپنے سوا کسی کو مسلمان نہیں سمجھتے تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ ان کی جماعت کے سوا سب مشرک ہیں۔ اس لئے اہل سنت و جماعت کا خون بہانا اور ان کے علماء کو قتل کرنا مباح سمجھتے تھے، یہاں تک کہ خدا نے ان کی قوت کو توڑا، ان کے شہر تباہ و برباد کئے اور ۱۲۳۳ھ میں اسلامی لشکر کو ان پر فتحیاب کیا۔

حضرت فضل رسول بدایونی رحمۃ اللہ علیہ نے وہابیہ کی بیخ کنی کا منظر یوں کھینچا ہے

"اب تمام ملک عرب، حجاز و شام و یمن وغیرہ میں اس مذہب کا نام و نشان باقی نہیں، سوائے چند گنواروں کے، کہ نام اس قبیلے کا اسیر ہے، کہتے ہیں کہ کچھ باقی ہیں، والعلم عند اللہ، اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ اور تمام مسلمانوں کے شہروں میں جو روم و شام و مصر و عراق کے ہیں، کوئی اس مذہب کو ظاہر نہیں کر سکتا۔ یہ حال ہے عرب کے نئے دین والوں کا۔" [۴۵]

مولانا محمد حسین شوق نے اپنی تاریخ میں اس وہابیت کے آغاز و انجام پر اس طرح روشنی ڈالی ہے۔ "اس دوران میں ایک مذہبی وہابی فرقے نے عرب میں اقتدار حاصل کر لیا۔ زمانہ ۱۶۹۱ء سے ۱۷۹۱ء تک یعنی پوری ایک صدی تک رہا۔ ابن عبدالوہاب اس فرقے کا بانی تھا۔ اس کے پیروؤں نے کربلا معلی اور مکہ مکرمہ کو

[۴۴] ابن عابدین شامی، باب البغاۃ
[۴۵] سیف الجبار، ۴۸

کو ۱۸۰۱ء میں فتح کیا، اور مدینہ کو ۱۸۰۴ء میں تسخیر کر لیا۔

لیکن ان تمام علاقوں کو ابراہیم پاشا، محمد علی پاشا والی مصر کے لڑکے نے ۱۸۱۶ء میں وہابیوں سے فتح کر لیا، سلطان نے ابراہیم پاشا کو بہت انعام واکرام دے کر خاص عزت کی۔

اگرچہ وہابی فرقہ کی سرکوبی ہو گئی، لیکن آج تک یہ فرقہ چلا آتا ہے۔"[46]

مورخ حسنی پی کے آئزر رقمطراز ہے۔

"اٹھارہویں اور انیسویں صدی عیسوی میں تحریک وہابیت نے نجدیوں میں بے حد جوش پیدا کیا، عام مسلمانوں سے خصومت تو تھی ہی، مذہب اور غزوہ کی آڑ میں نجدیوں نے گرد و نواح میں چھاپے مارنے شروع کئے، تنگ آکر مصری اور ترکی افواج نے نجد کو ایسا پامال کیا کہ وہابی سلطنت تو ایک طرف، وہابی عقائد کا بھی قلع قمع ہو گیا۔"[47]

---

۴۶ تاریخ اسلام ۵۰، ۷۹۶ ؛ ۴۷ حسنی، ۹۵

وہابیت کا تیسرا دور

ترکی حکومت نے وہابی تحریک، عقائد، سلطنت اور ان کے صنادید و عمائدین کا نام و نشان مٹا دیا۔ وہابیت جس طرح آناً فاناً پیدا ہوئی تھی، چند روز اپنا زور شور اور اثر و رسوخ دکھا کر ختم ہو گئی۔ اہل اسلام نے شکر کا کلمہ پڑھا اور اس بدعت اور خوفناک وبا کی شر انگیزی و فتنہ آرائی کی طاقت ٹوٹنے سے بہت خوش ہوئے۔

ترک حکومت کو نجد حضر موت، الحصا اور اسی قسم کے صحرائی علاقوں کے ساتھ کوئی خاص سروکار نہ تھا، یہاں قبائلی سرداروں کی اپنی حکومت تھی جس میں وہ الجھے رہتے تھے۔ اس وقت ترک حکومت کو عرب کے ان قبائل کے ساتھ لڑنے اور مداخلت کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی تھی کہ وہاں وہابیت مذہب کا لبادہ اوڑھ کر نئے رنگ میں ابھری تھی، اور اس کے پیروکاروں نے عام مسلمانوں کو مشرک اور کافر قرار دے کر قتل کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس زبردست فتنہ انگیزی کو مومن دل و دماغ رکھنے والی حکومت نے تشویش کی نگاہ سے دیکھا اور اس کا محاسبہ کرنا ضروری سمجھا۔

وہابیت کے خلاف فوری کارروائی کی ضرورت اس لئے بھی پیش آئی کہ:

وہابیوں نے حجاز مقدس پر قابض ہو کر نسری سربرہ اور سلطان ترکی کو بھی ٹکھ مارا کر وہ وہابی عقائد اختیار کر لیں ساتھ ہی انہوں نے ترکی حاجیوں کے قافلے کا حرم میں داخلہ بھی ممنوع قرار دے دیا[48] اس نے مرکزی حکومت کو ان کے خلاف بھرپور جہاد کرنا پڑا۔ تاہم وہابیوں کا مکمل استیصال کر کے مصری افواج کا جرنیل ابراہیم پاشا واپس چلا گیا اور قبائل پر اپنی گرفت مضبوط رکھنے کی ضرورت محسوس نہ کی، کیونکہ مقصد حاصل

---

۴۸ شاہکار انسائیکلو پیڈیا قسط ۲ ۵۵

ہو چکا تھا،

اب حجاز مسلمانوں کے قبضہ میں تھا،

جنگِ اقتدار

یہ حالات دیکھ کر بچے کھچے وہابیوں میں ایک بار پھر اقتدار کی خواہش انگڑائیاں لے کر بیدار ہو گئی، اور انہوں نے زبردست ہاتھ پاؤں مارنا شروع کر دئیے، تیسرا دور ۱۸۲۰ء سے لے کر ۱۹۰۲ء تک حصول اقتدار کی اسی جدوجہد اور کشمکش پر پھیلا ہوا ہے۔ جس میں وہابیوں نے اپنے ہی بھائیوں کا گلا کاٹا، غیروں کے ساتھ مل کر اپنے عزیزوں کے خلاف خونی سازشیں کیں، غیر اللہ کی پناہ میں رہے، غیر اللہ سے امدادیں طلب کیں، مگر لیلائے اقتدار کے وصال کی خاطر سب کچھ گوارا کرتے رہے۔

یہ ساری داستان حیرت انگیز بھی ہے، اور عبرتناک بھی!

حیرت انگیز اس لئے کہ کٹر وہابیوں نے ان ہی حرکات کا ارتکاب کیا، جن کی بنا پر وہ عام مسلمانوں پر شرک کا فتویٰ لگاتے تھے، اور دیدۂ عبرت نگاہ کے لئے عبرتناک اس لئے کہ وہ سبق حاصل کرے

غیروں کے لئے جو شرک ہے، اپنے لئے طیب و حلال ہے
دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو،

اسی خاطر اس دورِ ہوش ربا کی کچھ تفصیلات پیش کی جاتی ہیں

نجدیوں کے آخری وہابی سربراہ امیر عبداللہ کو قسطنطنیہ میں سرِعام قتل کر دیا گیا تھا۔ اس کے بیٹے ترکی نے ۱۸۳۰ء میں ریاض کو دوبارہ حاصل کر لیا، مشاری نے ۱۸۳۴ء میں اسے قتل کر ڈالا، مگر ترکی کے بیٹے فیصل نے اسے بھی جینے کی مہلت نہ دی، اور اسے قتل کر کے خود اقتدار پہ قبضہ کر لیا، ۱۸۳۴ء سے ۱۸۳۹ء تک اور دوبارہ ۱۸۴۳ء سے ۱۸۶۵ء تک حکومت پر قابض رہا، اس عرصہ میں جنگ جدال اور طغیان و فساد کے کئی انقلاب اور سیلاب آئے۔

فیصل کے بعد اس کے بیٹے عبداللہ نے ۱۸۶۵ء سے ۱۸۷۱ء تک اور دوبارہ ۱۸۷۴ء سے لے کر ۱۸۸۴ء تک حکومت کی، عبداللہ کے دو بھائی اور تھے، سعود تو اپنے بھائی کو قتل کرنے کی فکر میں رہتا تھا، اس کے مقابلے میں دوسرا بھائی عبدالرحمان اگرچہ اقتدار کا شدید خواہشمند تھا، مگر سعود کے مقابلے میں امن پسند تھا، صرف اس خاطر کہ آپس کی ناچاقی سے فائدہ اٹھا کر کوئی اور دشمن ان کا علاقہ نہ چھین لے، جو انہوں نے جہدِ بسیار کے بعد حاصل کیا تھا۔

سعود، لیلائے اقتدار کی چاہت میں اندھا ہو چکا تھا، تمام مصلحتیں نظرانداز کر کے قبیلہ عجمان کے ساتھ جا ملا، اور ان کی سیاسی پناہ حاصل کر لی، پھر اس قبیلے سے ایک جنگ جو جتھا لے کر حملہ آور ہوا اور عبداللہ کو اقتدار سے ہٹا دیا، مگر شومئی قسمت سے اس کی زندگی کی کمند اس وقت ٹوٹی، جب لبِ بام اقتدار دو چار ہاتھ رہ گیا تھا، جب اپنی موت مر گیا تو عبداللہ پھر قابض ہو گیا۔

مگر سعود کی اولاد نے پھر حملہ کر دیا، اور چچا سے ریاض چھین لیا۔ اس موقعہ پر ان کے ساتھ وہی معاملہ ہوا جسے پنجابی زبان میں یوں ادا کیا جاتا ہے۔

"موراں نوں پئے گئے چور، چوراں نوں پئے گئے ہور"

ایک طاقتور دشمن ابن رشید نے اچانک ہلہ بول کر سب کو پسپا کر دیا اور ریاض پر قبضہ جما لیا

ابنِ رشید کا ارتقا

(ب)

ابن رشید علاقہ حائل کا فرمانروا تھا، جب اس نے وہابیوں کو باہم دست و گریبان دیکھا تو موقعہ غنیمت جان کر فوج لے کے آ گیا، اور وہابیوں کا دارالحکومت ریاض فتح کر کے تمام وہابیوں کو وہاں سے نکال دیا اور اپنے ایک

معتمد سلیم کو نائب مقرر کر کے چلا گیا۔

البتہ عبدالرحمان کو امن پسند سمجھ کر وہیں رہنے کی اجازت دے دی۔ کچھ عرصہ بیت گیا، عبدالرحمان نے غلامی اور محکومی کی اس زندگی سے نجات پانے کے لئے خفیہ طور پر منصوبے شروع کر دیئے اور سلیم کی حکومت کا تختہ الٹنے کے منصوبے بنانے لگا، ابن رشید کو پتہ چل گیا، اس نے سلیم کو حکم دیا کہ تمام وہابیوں کو قتل کر دو، عبدالرحمان کو اس خفیہ حکم کا علم ہو گیا، اس نے فوراً مکمل دفاع کا انتظام کر لیا، سلیم چند فوجی لے کر آیا، اس کا خیال تھا اتنے ہی آدمیوں سے کام چل جائے گا، یہ نہیں جانتا تھا کہ عبدالرحمان مقابلے کے لئے تیاری اور انتظام کر چکا ہے، اس لئے گرفتار ہو گیا۔

ابن رشید کو پتہ چلا تو وہ حائل سے فوج لے کر ریاض کی طرف چل پڑا اور اسے دوبارہ فتح کر لیا، اس دفعہ اس نے پکا ارادہ کیا ہوا تھا، کہ تمام وہابیوں کو تہ تیغ کر دے گا تاکہ کسی کے سر اٹھانے کا خدشہ ہی نہ رہے۔

عبدالرحمان کو ان ہولناک عزائم کا علم ہو گیا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ اتنا بڑا خاندان گاجر مولی کی طرح کٹ جائے، لہذا شب کی تاریکی میں بچوں، عورتوں، مردوں کو لے کر نکل کھڑا ہوا، اور اسی قبیلہ عجمان میں پہنچ گیا، جہاں اس کے بھائی سعود کے لڑکے رہتے تھے، مگر انہوں نے آنے والے پناہ گزینوں کو بالکل منہ نہ لگایا۔

غیر اللہ کی پناہ میں

عبدالرحمان کے دل میں ہر قیمت پر کھویا ہوا وقار و اقتدار حاصل کرنے کی شدید خواہش موجود تھی، وہ اس مقصد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے خطرات و مصائب کا سامنا کرنے اور طوفان بلا سے ٹکرانے کے لئے بھی تیار تھا، اس لئے تمام عورتوں کو بحرین بھیج دیا اور جتنی جمعیت فراہم ہوئی اس کے ساتھ ریاض پر حملہ کر دیا، مگر ایسی شکست کھائی کہ اٹھنے کے قابل نہ رہا، قبیلہ عجمان نے دھتکار دیا تھا، ابن رشید کی انتقامی کارروائی کا بھی خوف تھا، اس لئے جان بچا کر اپنے نو عمر بیٹے عبدالعزیز کے ساتھ صحرائے ربع الخالی کی وسعتوں میں گم رہنے والے غیر مہذب قبائل کے پاس جا کر ایک قبیلہ مرہ کی پناہ حاصل کر لی۔ اور باپ بیٹا دونوں نے گمنام بدوی زندگی بسر کرنا شروع کر دی۔

صحرائے ربع الخالی کی وسعت اور زہرہ گداز طول و عرض کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ ہزاروں مربع میل پر پھیلا ہوا ہے، ایک دفعہ کوئی اس کی پہنائیوں میں گم ہو جائے تو پھر اس کا کائنات ہستی کے ساتھ "اپنا تعلق" قائم کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ وہی قبائل یہاں رہ سکتے ہیں جو اس دشتِ دوال پا کی زلفِ محبوب کی طرح الجھی ہوئی راہوں کے تیور شناس ہوں۔ خانہ بدوش قبائل، متمدن دنیا سے الگ اس کی پھیلی ہوئی آغوش میں گم رہتے ہیں، اور جہاں زیست کے آثار پاتے ہیں وہیں خیمہ زن ہو جاتے ہیں، یہی ان کی زندگی اور یہی سادہ معاشرت ہے، جس میں کوئی تصنع، ظاہری تکلف، رکھ رکھاؤ اور بناوٹ نہیں، بس ایک سپاٹ طرز حیات ہے۔

جس کو پناہ دیں اس کے ساتھ دینا ان کا شیوہ اور مہمانداری ان کی وضع ہے انہوں نے عبدالرحمان اور عبدالعزیز کو پناہ دی اور اپنی وضع اور اپنے شیوہ کو سالہا سال تک نبھایا، عبدالرحمان نے اس عرصہ میں اپنے نو عمر بیٹے میں بھی حصول اقتدار کی جوت جگا دی، اور اس کے امنگوں بھرے جواں دل میں ایک ایسی لگن لگا دی، جس کا منتہائے مقصود صرف اقتدار کا حصول تھا۔ عبدالرحمان نے اس قبیلے کے نوجوانوں کو منظم کر کے بارہا ریاض پر حملہ کرنے کی ترغیب دی، مگر وہ تیار نہ ہوتے، بالآخر مایوس ہو کر اس نے یہ سنگلاخ اور نرم نہ ہونے والی سنگت ترک کر دی، اور والی کویت سے پناہ کی درخواست کی، جو فوراً منظور کر لی گئی۔ عبدالرحمان نے سارا خاندان کویت میں بلا لیا اور والی کویت کی پناہ میں زندگی بسر کرنے لگا، جس نے نہ صرف پناہ دی بلکہ گزر اوقات کے لئے ماہانہ وظیفہ دینا بھی شروع کر دیا۔

غیر کی پناہ میں اگرچہ یہ بے کسی اور مجبوری کی زندگی تھی، مگر عبدالرحمان کے دل میں اب بھی حکومت کی خواہش کروٹیں لیتی رہتی تھی،

حسنی رقمطراز ہے

"یقیناً یہ زندگی، ذلت و بدحالی کی تھی، یہ مفلوک الحال، خانماں برباد جلاوطن اپنے پاکیزہ وطن سے دور، دل میں ناقابل حصول امیدیں لئے، افلاس و پریشان حالی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔" [49]

"عبدالرحمان غریب الوطنی کے زمانے میں بیٹے کے عزم راسخ کو دیکھ رہے تھے، اور جہاں تک ہو سکتا تھا، اسکی حوصلہ افزائی کرتے تھے لیکن مشکل یہ تھی کہ اس ارادے کو جامۂ عمل کیسے پہنایا جائے۔" [50]

"عبدالرحمان عزم راسخ کر چکے تھے، یا تو وہ خود یا ان کی اولاد، سعود اعظم کی پوری سلطنت پر قبضہ کرے گی، اور تمام عرب کو متحد اور وہابی کرکے، از سر نو ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیاد رکھے گی، انہوں نے اپنا ارادہ اپنی اولاد کو اچھی طرح ذہن نشین کرا دیا تھا۔ [51] مگر غیروں کی پناہ میں رہتے ہوئے یہ حسرت پوری ہوتی" دکھائی نہ دیتی تھی۔

تشنہ آرزو کی تکمیل

آخر حسرت اقتدار کی شب تار ڈھل گئی، امید کے افق سے کامیابی کی کرن نظر آنے لگی، عبدالعزیز نے ۱۹۰۲ء میں بائیسویں سال میں قدم رکھا تو اسکی جوانی، جنون کی حد تک حکومت حاصل کرنے کی تڑپ، اور جوش و جذبہ دیکھ کر، عبدالرحمان کو اپنے دیرینہ خواب کی تعبیر نظر آنے لگی۔

عبدالعزیز نے ایک جتھا منظم کیا، اور نہایت خاموشی سے اس عزم کے ساتھ ریاض کی طرف چل پڑا کہ یا تو ریاض فتح ہو جاتے یا خود میدان جنگ میں مر جائے [52]

ابن رشید کو کسی حملے اور مقابلے کا گمان تک نہ تھا، اچانک شب خون نے اسے ریاض چھوڑنے پر مجبور کر دیا، عبدالعزیز نے ریاض پر قابض ہوتے ہی دوسرے علاقوں پر تاخت و تاراج کا سلسلہ شروع کر دیا، اور گوریلا طرز جنگ کو ترجیح دی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ابن رشید میدان ہار بیٹھا

[49] حسنی، بی اے، ۲۴ [50] ایضاً، ۲۲، [51] ایضاً ۱۰، [52] ایضاً،

وہابیت کا چوتھا دور

وہابیت کا چوتھا دور ۱۹۰۲ء ہی سے شروع ہوتا ہے، جس کے ابتدائی بائیس سال گرد و نواح کے علاقوں پر تاخت، سلطنت کے پھیلاؤ اور حکومت کو منظم و مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر استوار کرنے میں گزرے۔ تمام علاقوں پر ۱۹۲۵ء تک مکمل قبضہ ہوا، جن میں مسلمانوں پر اسی طرح مظالم کئے گئے، اور مسلمانوں کے مقدس مقامات، آثار اور اللہ کے مقبول و محبوب بندوں کے مزارات کی اس طرح بے حرمتی کی گئی، جس کی گھناؤنی مثال ایک سو سال پیشتر وہابی پیش کر چکے تھے، اس ظالمانہ اور بہیمانہ تاریخ کو انہوں نے ایک بار پھر دہرایا، اور مکہ مدینہ اور مقدس مقامات پر بالکل غیر مسلموں کی طرح یورش کی اور اہل مکہ پر اس طرح ستم کے پہاڑ توڑے، جس طرح کسی غیر مسلم سے توقع رکھی جا سکتی تھی، وہابیوں نے مکہ مکرمہ کے باشندوں کو ذبح کیا، مکانات اور اسباب لوٹ لئے، اور مسلمانوں کی قبروں کو پامال کیا جس طرح ہندو سکھ مسلمانوں کے قبرستان سے انتقام لیتے ہیں، اور قبریں ڈھا کر چٹیل میدان بنا دیتے ہیں۔

اس جگر پاش اور دلگداز سلسلہ کی تفصیلات ایسی ہیں، جنہیں پڑھ کر پتھر کا کلیجہ شق ہوتا ہے، اور پہاڑوں کا جگر کانپتا ہے، بشرطیکہ ان میں ایمان کی حرارت، محبت رسول کی رمق، اور عشق و ذوق کی دولت موجود ہو، اور سعادت اور نیک بختی اور توفیق خیر کی روشنی ہمرکاب ہو۔

منظم وہابیت کی ضرورت کا احساس

(الف)

ایک صدی پیشتر شیخ عبدالوہاب نجدی کے زمانے میں، عبدالعزیز کے آباؤ اجداد درعیہ کے ایک مختصر اور گمنام علاقے پر حکمران تھے، مگر شیخ نجدی کی تعلیمات کی بدولت انہیں

[52] ایضاً، ۲۸

مفت میں پیر دکار اور رضا کار مل گئے، جنہوں نے مسلمانوں سے علاقے چھین کر انہیں دے دیئے، مگر بہت جلد ان کی تمام مساعی اور کئے کرائے پر پانی پھر گیا، اور ترکی حکومت نے سب کچھ واپس لے لیا۔

ایک سو سال بعد بڑی محنت اور آرزوؤں کے بعد انہیں دوبارہ حکومت نصیب ہوئی عبدالعزیز نے اس پہلو پر اپنی سوچ مرکوز کر دی کہ سلطنت کو کن بنیادوں پر استوار کیا جائے تاکہ پہلے کی طرح زوال نہ آئے، اور اتنی طاقت حاصل ہو جائے کہ پھر کوئی چھین نہ سکے

اس کی ذہنی قوتوں نے اس مشکل کا یہی حل سوچا کہ ماتحت علاقوں کو مکمل وہابی بنا کر یہ مقصد حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جب تک اہلسنت وجماعت آباد ہیں یہ دھڑکا لگا رہے گا کہ کب انقلاب آجائے۔

پہلے وہابی حکمرانوں سے بھی فروگذاشت ہوئی تھی کہ انہوں نے وہابیت کی سطحی تعلیم پر ہی اکتفا کی تھی، اور اسے منظم پیمانے پر پھیلانے کا اہتمام نہیں کیا تھا، چونکہ تمام علاقوں کی آبادی سنی تھی، اس لئے اس نے دل سے وہابیت کو کبھی تسلیم نہ کیا۔ جب اس کے تسلط کے سائے اٹھ گئے اور اہلسنت وجماعت حکمران آئے تو انہوں نے مسرت سے ان کا استقبال کیا اور وہابیوں کے استیصال سے خوش ہوئے۔

ابن سعود کے سوانح نگار نے خود اعتراف کیا ہے۔ کہ

"حجاز میں عام آبادی سنی المذہب ہے" ۵۳

آگے لکھا ہے

حقیقت یہ ہے کہ بدوی قبائل صحیح معنوں میں موجودہ سلطان سے پیشتر کبھی وہابی نہیں ہوتے تھے۔ تحریک کی تبلیغ واشاعت شہری آبادی اور تعلیم یافتہ گروہ تک ہی محدود تھی، چنانچہ وہابی سلطنت کے دور اول میں بدوی صرف لوٹ اور غارت کے لالچ سے ہی سلطان کا ساتھ دیتے تھے، ۵۴

"سلطان نے نجدیوں کی معاشرت اور عدم استقلال کو دیکھ کر یہ لائحہ عمل اختیار

---

۵۳ حسنی، ۴۸ : ۵۴ سوانح ابن سعود، ۹۶،

کیا کہ سب سے اول ان کو مطیع کیا جائے، پھر ان کو صحیح مذہبی تعلیم دے کر پکے وہابی بنا دیا جائے ۵۵

گردو پیش تمام مسلمان حکمران تھے، جن سے علاقے چھینے تھے، کسی خاص ذریعہ سے اپنے آدمیوں کو تمام علاقوں کے مسلمانوں کے خلاف ابھارے بغیر، یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے لئے حسین اور آسان صورت یہی تھی کہ انہیں وہابیت کی تعلیم دے کر دنیا بھر کے مسلمانوں سے متنفر کر دیا جائے اور ان کے بدوی ذہنوں میں سختی سے یہ بات بٹھا دی جائے کہ سب مشرک ہیں، ان سے نفرت کرنا، کافر سمجھنا اور ان کی جان لینا ثواب ہے

چنانچہ بعد کے حالات شاہد ہیں کہ

جب سرکاری سطح پر اس منصوبے پہ عمل کیا گیا، اور تحریک اخوان کے ذریعہ وہابیوں کی ایسی منظم جماعتیں قائم کی گئیں تو جہاں ایک طرف وہابی سلطنت کو استحکام نصیب ہوا وہاں وہابیوں کی نفرت بھی ایک مثال بن گئی، اس وہابی تعلیم نے ایسے نفرت کدے تعمیر کئے جنہوں نے ہر قدر حیات انسانی کو مٹا دیا، اور وہابیوں کی صورت میں ایسے ہیولے تیار کر دیئے جن کے خمیر کے آب دگل میں بد اخلاقی، سفاکی، نفرت وتعصب اور تشدد کی ہر قدر آکر شامل ہو گئی تھی۔

ان تیار شدہ وہابیوں کے اخلاق پر حسنی یوں تبصرہ کرتا ہے۔

وہابی چونکہ اکثر، بدوی، اور جاہل عرب تھے، رفتہ رفتہ اس قدر متعصب ہو گئے کہ ترک مسلمانوں کی جان لینے کو عین ثواب اور خدمت دین جانتے تھے، عام مسلمانوں کو مشرک سمجھتے تھے اور ان کے خلاف جنگ وپیکار کو جہاد کہتے تھے۔ ۵۶

دوسری جگہ ہے۔

عام مسلمانوں کو تعصب اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، خود سر اور سرکش بھی ہیں۔ حکومت کے منشا کے خلاف غزوات بھی کر بیٹھتے ہیں ۵۷

---

۵۵ ایضاً، ۹۱، ۵۶ ایضاً ۴۶، ۵۷ ایضاً، ۹۸

جب ایسے لوگ تیار ہو گئے، جو تمام مسلمانوں کو مشرک سمجھتے تھے تو انہیں مسلمانوں کے خلاف لڑنے میں باک نہ رہا، علاقوں پر تاخت کرنے، تمام مسلمانوں کا خون بہانے اور وہابی سلطنت پھیلانے میں مردانہ وار حصہ لینے لگے۔ تا آنکہ مکہ مکرمہ پر حملہ آور ہوئے تو وہاں کے باشندوں کو بھی مشرک قرار دے کر قتل کرنا شروع کر دیا۔

عبدالعزیز نے وہابیت کو منظم کر کے وہ مادی فوائد حاصل کئے، جو پیش رو وہابیوں کو نہیں سوجھے تھے اور یہی اسکا مقصد تھا جس میں وہ کامیاب رہا۔ نئے وہابی مذہب نے اس کی دیرینہ آرزوؤں کے شیش محل سجا دیئے، اور دنیا بھر کے مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لئے ایک ایسی سرکش قوم عطا کر دی جو اسکے اشارۂ ابرو پر بے دریغ خون بہانے کے لئے تیار رہتی تھی۔ یہ قوم تمام مسلمانوں سے اس قدر متنفر اور ان کے خون کی اس خوفناک حد تک رسیا ہو گئی کہ خوں ریزی کے معاملہ میں عبدالعزیز کے احکام بھی نظر انداز کرنے لگی، مکہ مکرمہ پر دوبارہ حملہ کے حالات میں اس صورتِ حال کی جھلکیاں بڑی نمایاں ہیں جن کا تذکرہ آگے آ رہا ہے

سنہ ۱۹۲۴ء کا عالمِ اسلام

سنہ ۱۹۲۴ء میں عالمِ اسلام سیاسی و مذہبی اور اخلاقی لحاظ سے ایسے تنزلِ و انحطاط کا شکار رہا جس کی مثال گذشتہ صدیوں میں نہیں ملتی، گذشتہ ادوار میں بلا وجود سیاسی اعتبار سے کئی بار ایا بیج ہوا، مگر اس میں اخلاقی قوت اور خود نگری کی ایسی صفت موجود رہی، جس نے اسے بہت جلد عزم و ہمت کے ساتھ اپنی ہی روایات کے سہارے ابھرنے، اور اقوام و ملل کے دوش بدوش کھڑا ہونے کے قابل بنا دیا۔

لیکن اس دور میں سیاسی حیثیت کے ساتھ یہ اعلیٰ اخلاقی قدریں اور انفرادی روایات بھی پامال ہو گئیں، ہوا یہ کہ ۳ مارچ سنہ ۱۹۲۴ء کو مصطفیٰ کمال نے ترکی میں مسلمانوں کی اس خلافت کا خاتمہ کر دیا جو ساڑھے پانسو سال سے مسلمانوں کی شوکت کی امین اور عظمتِ رفتہ کی روایات کی وارث تھی، مگر اینوں نے اسکے پہلو میں ایسے چرکے دیئے کہ جان بر نہ ہو سکی۔ اور اس کے کھنڈرات پر ایسے تمدن کی عمارت کھڑی کی جو اسلامی قدروں کے منافی اور مومن کی گردوں وقار زندگی کی شایان شان روایات کے لئے پیغام موت تھی

تمام عالم اسلام کے مسلمانوں نے استنبول کی فضاؤں سے یہ پیغامِ موت سنا مگر جگر پہ ہاتھ رکھ کے رہ گئے اور کچھ بھی نہ کر سکے۔

بلکہ نجد میں اس کا الٹا اثر یہ ہوا کہ مسلمانوں کو بے دست و پا دیکھ کر وہابیوں نے مکہ پر حملہ کرنے کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا کہ حالات بڑے سازگار ہیں، خلافت کے خاتمہ سے لوگوں کے دل مجروح ہیں، کوئی سیاسی قوت اور مرکزی حکومت نہیں اس لئے آسانی سے مکہ مکرمہ پر قبضہ ہو سکتا ہے۔ عجب طرفہ تماشا ہے، مسلمانوں کو دورِ خلافت کی برکات سے محروم ہونے کی فکر دامنگیر تھی، اور وہابیوں کو حملہ کی سوجھ رہی تھی اور وہ بھی قلب اسلام اور مرکزِ دینی پر۔ سچ ہے

فکرِ ہر کس بقدرِ ہمت اوست

مورخ حسنی اس داستانِ عزیب کو یوں زیبِ قرطاس کرتا ہے۔

"نجد کے قبائل اور اخوان حملہ کے لئے مصر ہو رہے تھے"

مگر ابنِ سعود عبدالعزیز پس و پیش کر رہا تھا، اس کی وجہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس وقت حج کا موقعہ تھا اور ابنِ سعود خوب جانتا تھا کہ اگر اخوان نے حج کے موقعہ پر حجاز پر حملہ کر دیا، تو تمام عالم اسلام میں وہابیوں کی سخت بدنامی ہو گی۔ اور حالات ایسے ہی ناقابل برداشت ہو جائیں گے۔ جیسا کہ مکہ مکرمہ کی پہلی فتح کے موقعہ پر ہو گئے تھے۔ ۵۸ے

چنانچہ وہ اس کے کہنے پر وقتی طور پر باز رہے۔ تاکہ عالمی رسوائی سے بچیں اور دنیا بھر کے مسلمانوں کی نگاہوں میں مزید ذلیل اور بدنام نہ ہو جائیں، کیونکہ وہ مزارات ذفیورا اور مسلمانوں کا سفاک و خونخوار قاتل ہونے کی حیثیت سے طول و عرض میں خاصی

۵۸ے حسنی بی اے، ۱۵۱

شہرت حاصل کر چکے تھے۔

وہ خود کو زیادہ عرصہ قابو میں نہ رکھ سکے، جو عالم اسلام کے دل میں درد کی ٹیس اٹھ رہی تھی انہوں نے اسے یکسر نظر انداز کر دیا۔ اور ہر طرف سے آنکھیں بند کر کے حج کا موسم گزرتے ہی اور حاجیوں کے وہاں سے روانہ ہوتے ہی مکہ مکرمہ پر چڑھائی سے پہلے طائف پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہو گئے

طائف میں خون،

(ج) وہابی شوق کے پروں پر اڑتے ہوئے ۲۹ اگست سنہ ۱۹۲۴ء کو طائف کے سامنے پہنچ گئے اور پورے شہر کو نرغے میں لے لیا۔ وہابیوں کی منظم اور سفاکی میں ماہر فوج کا مقابلہ کرنے کی اہل شہر میں ہمت نہ تھی حسنی کے الفاظ ہیں۔

" اس لئے انہوں نے امن کا سفید جھنڈا لہرا دیا، اور ۵ ستمبر کو شہر کے دروازے حملہ آوروں کے لئے کھول دیئے، وہابیوں کو اس غیر متوقع کامیابی کی امید نہ تھی، جب وہابی شہر میں داخل ہوئے تو ہراول کا افسر شیخ خالد تھا حملہ آوروں کی جماعت میں ایک گولی اتفاقیہ غلطی سے لگ گئی، اس پر حملہ آوروں کا غیظ و غضب بھڑک اٹھا۔ اور شہری آبادی کا قتل عام شروع ہو گیا، عورتیں اور بچے تک تہہ تیغ کر دیئے گئے۔ شہر لوٹ لیا گیا۔ رات کے اندھیرے میں بھی یہ کشت و خون جاری رہا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک پوری صدی گزرنے پر بھی وہابیوں کی قساوت و بربریت بدستور سابق موجود ہے[59]

وہابیوں نے مسلمانوں کے قتل و غارت اور مار دھاڑ سے خوب دل کی حسرت نکالی اور جو کچھ وہ کرنا چاہتے تھے کسی نہ کسی بہانے سے وہ انہوں نے کر دکھایا حسنی نے بڑے محتاط اور ملائم الفاظ میں ان کے ظلم و جفا کے بارے میں یہ چند باتیں لکھی ہیں، کیونکہ وہ پہلے کہہ چکے ہیں، میں تفصیلات نہیں لکھوں گا۔ مگر صورت حال کا نقشہ کھینچنے والے

۵۹ ایضاً

یہ الفاظ چلا چلا کر کہہ رہے ہیں

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

جس تفصیل کا یہ اجمال ہے۔ وہ تفصیل کتنی بھیانک، دردناک، وحشت انگیز اور کیسی داستان کرب و غم اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہو گی۔ اس کا آسانی سے تصور کیا جا سکتا ہے۔

مکہ پر دوبارہ حملہ،

(د) وہابی طائف میں اپنی دلاوری، اور جوانمردی کے جوہر دکھانے کے بعد نچلے نہ بیٹھے بلکہ ایک اور معرکہ سر کرنے کے لئے روانہ ہو گئے۔ اس دفعہ ان کا نشانہ "بلد امین" "ام القری" شہر مقدس، مکہ مکرمہ تھا جہاں خون ریزی کی کسی کو اجازت نہیں، بلکہ جوں بھی مارے تو کفارہ دینا پڑتا ہے جہاں کے درخت کاٹنے اور کانٹے توڑنے کی بھی ممانعت ہے

حالات ایسے تھے کہ کوئی فوجی قوت وہابیوں کا راستہ روکنے والی نہ تھی اس لئے ان کے حوصلے بھی بڑھے ہوئے تھے، وندناتے ہوئے شہروں میں گھسے اور آبادیوں کا قتل عام شروع کر دیتے، اس سلسلہ میں کسی جگہ یا شخصیت کا تقدس و احترام ان کے نزدیک کوئی وقعت نہیں رکھتا تھا، انہیں ایک ہی چیز دکھائی دیتی تھی کہ سب مشرک ہیں، اور ان کا قتل جائز ہے۔ ان کا مال حلال اور غنیمت ہے، یہ بات ان کے ذہنوں میں بیٹھی ہوئی تھی، کیونکہ اسی چیز کی انہیں تربیت دی گئی تھی۔

چنانچہ کعبہ معظمہ کی ہیبت و جلالت بھی ان کے دلوں پر سایہ فگن نہ ہوئی، اور نہ اہل مکہ کے لئے ان کے سینوں میں کوئی جذبہ رحم و احترام پیدا ہوا۔ باوجودیکہ انہوں نے امن و امان کے ساتھ شہر کے دروازے کھول دیئے، مگر انہیں وہ مشرک ہی نظر آئے۔ اور انہیں دیکھ کر غیظ و غضب سے بھر گئے اور بپھرے ہوئے شہر میں داخل ہوئے۔ بقول مورخ۔

امن و امان قائم ہو جانے کے باوجود اخوان بپھرے ہوئے تھے۔ انہیں اصرار تھا کہ اگر مکہ کے مشرکین کی جانیں بچ جائیں تو بچ جائیں، لیکن مقابر و مزارات ضرور منہدم کر دیئے جائیں گے، اور مساجد کی آرائش ضائع کر دی جائیں گی۔[60]

وہابیوں نے ۵ ستمبر کو طائف میں خون کی ندیاں بہائی تھیں ۱۵ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو ان کا مکہ مکرمہ پر قبضہ ہوا، اور انہوں نے وہاں اپنے باطل اور لایعنی عقیدے کے مطابق، قبروں اور مسجدوں کو اپنی تنگ مزاجی اور جفاکشی کا تختہ مشق بنایا ہے حرمتی تو قبروں کو مسمار کرنے اور ڈھانے کا لازمہ ہے اس لئے

اس کارروائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام عالم اسلام میں غصہ و اضطراب کی لہر اٹھی، ہندوستانی مسلمانوں میں ماتم کی صفیں بچھ گئیں، لوگ وہابیوں سے بدگمان تو پہلے ہی سے تھے، جو کچھ ان کے متعلق کہا گیا بلا تحقیق و تدقیق صحیح تسلیم کر لیا گیا ہے[61]

ابن سعود کا سوانح نگار آگے لکھتا ہے۔

جب وہابی حجاز فتح کر چکے تو دنیائے اسلام میں ان کے خلاف غم و غصہ کے جذبات موجزن ہو چکے تھے، اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ پہلی وہابی سلطنت نے عام مسلمانوں پر طرح طرح کے ظلم برپا کئے تھے، اور لوگ اب تک ان کے نام سے خائف اور متنفر تھے ہے[62]

عالم اسلام میں وہابیوں کے بارے میں ان ہی تاثرات، اور ان کے مظالم و مفاسد سے پیدا شدہ دلوں میں نفرت و خوف کی وجہ سے، حجاز فتح کرنے کے بعد ابن سعود کو سب سے زیادہ یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ حج کا زمانہ نزدیک ہے، ایسا نہ ہو مسلمان مختلف علاقوں سے، وہابیوں کے ساتھ نفرت کے باعث حج کرنے کے لئے نہ آئیں، اگر ایسا ہوا تو دنیا بھر میں بڑی بدنامی ہو گی اور وہابی لوگ اخلاقی اعانت سے محروم ہو جائیں گے۔

۶ جنوری ۱۹۲۵ء کو ابن سعود نے جدہ کا محاصرہ کیا ہوا تھا، مگر اس وقت ابن سعود کو جدہ کی تسخیر سے زیادہ فکر اس بات کی تھی کہ حج خیر و عافیت سے گزر جائے وہ خوب جانتا تھا کہ اگر امسال حج نہ ہوا تو نہ صرف دنیا بھر کے مسلمان اس سے برگشتہ خاطر ہو جائیں گے، اور اپنی اخلاقی مدد سے محروم کر دیں گے، بلکہ غیر حکومتوں کو بھی، خالص حجازی معاملات میں مداخلت کرنے کا معقول بہانہ مل جائے گا۔

لوگ وہابیوں سے پہلے ہی نفرت کرتے تھے، اور بدگمان تھے...... اس غرض کے لئے یہ ضرور تھا کہ

لوگ معقول تعداد میں حج کے لئے آئیں۔ ہے[63]

گنبد خضرا پر فائرنگ

(۵)

حج کا زمانہ گزرا تو کسی توقف کے بغیر اگست ۱۹۲۵ء میں وہابیوں نے مدینہ منورہ کی طرف پیش قدمی کر دی، کیونکہ وہ حالات سے فائدہ اٹھا کر جلد سے جلد عرب کے تمام علاقوں پر قابض ہونا چاہتے تھے۔

چنانچہ انہوں نے اپنی اعتقادی روایات کے مطابق ادب و احترام سے خالی وحشیانہ یورش میں گنبد خضرا شریف کے قدسی آداب کا بھی پاس و لحاظ نہ کیا، جیسا کہ ان کا عقیدہ ہے، مزارات کا گرانا ضروری ہے، انہوں نے گنبد خضرا پر بھی فائرنگ کی، یہ اندوہناک خبر جب ممالک اسلامیہ تک پہنچی تو ان کی بے کلی و اضطراب کی حد نہ رہی، صدمے سے جگر پھٹ گئے، اور عشق کے ہاتھوں کو پسینہ آ گیا۔ اہل درد نے دل تھام لئے اور کلیجے مسوس کر بیٹھ گئے۔

حسنی رقمطراز ہے

مسلمانوں میں پھر غیظ و غضب برپا ہوا، مسلمان حکومتوں کی طرف سے احتجاج شائع ہوئے، فرداً فرداً مسلمان بھی روضۂ اقدس کے تحفظ کے لئے کوشش کرتے

---

[60] حسنی ص ۱۵۵ ؛ [61] ایضاً ؛ [62] ایضاً ص ۱۶۷

[63] سوانح ابن سعود، ۱۵۷

رہے ہے ایرانی حکومت نے ایک وفد تحقیق حالات کی غرض سے بھیجا، ۱۹۲۵ء کے آخر میں اس وفد نے بیان شائع کیا کہ واقعی گنبدِ خضرا پر پانچ گولیاں لگی ہیں [۶۴]

یہ کوئی معمولی جرم نہ تھا، اس لئے ابن سعود کو اچھی طرح اندازہ تھا کہ حساس مسلمان اس کا یہ جرم کبھی نہیں بخشیں گے، مگر اس وقت وہ اپنا مقصد حاصل کر چکا تھا، اب اسکی سب سے بڑی خواہش یہی تھی کہ تمام دنیا کے مسلمانوں کو اپنے امن پسند ہونے کا یقین دلایا جائے اور انہیں دعوت دی جائے کہ وہ بلا روک ٹوک آئیں، اور آکر حالات کا جائزہ لیں حرمین پاک میں ان ہی خطوط پر کام کیا جائے گا جو وہ پسند کریں گے۔

ابن سعود کے پیغام کا خلاصہ حسنی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

اب جبکہ ظلم و بے داد کا دور ختم ہو چکا ہے، ہماری دلی خواہش یہ ہے کہ حرمین شریفین عام لوگوں کے لئے کھلے ہیں۔ اور ان کا نظم و نسق جمہور کی رائے کے مطابق ہو میں خود مکہ شریف جاؤنگا، اور برادران اسلام کے نمائندوں کا انتظار کھینچوں گا۔ میں درخواست کرتا ہوں کہ مسلمان اپنے ممالک سے نمائندوں کو ضرور بالضرور بھیجیں [۶۵]

بعد میں مسلمانوں نے مقدس مقامات و آثار کا احترام ملحوظ رکھنے اور منہدم مزارات کی از سرِ نو تعمیر کرنے پر زور دیا، مسلمانوں کے مذہبی و اعتقادی جذبات کے مطابق کام کرنے کے خطوط متعین کئے، ان پر عمل کی صورت میں وہابیوں کو بھرپور تعاون و امداد کا بھی یقین دلایا، مگر اپنے آغازِ آفرینش کے وقت وہابی حکومت نے جو وہ پہلے وعدے کئے تھے وہ بالکل پورے نہ کئے وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہو گیا

(د) وہابیت کے خلاف دنیائے اسلام کا زبردست احتجاج

جب وہابیوں کا حرمین پاک پر مکمل قبضہ ہوا، اس وقت عیسوی سن ۱۹۲۵ اور ہجری سن ۱۳۴۴ کے لگ بھگ تھا، وہابیوں نے جس وقت اپنی دیرینہ عادت کے مطابق

[۶۴] سوانح ابن سعود، ۱۵۷، [۶۵] ایضاً، ۱۵۹

اسلام کی نامور مایۂ ناز اور قابل تکریم ہستیوں کے یادگار مزارات گرائے، خوبصورت و شاندار مساجد کو مسمار کرایا، اور جو جگہیں مقدس و متبرک تھیں، انکی بے حرمتی کی تو دنیائے اسلام میں غم و اضطراب اور درد و بے چینی کے ساتھ، غیظ و غضب کی لہر دوڑ گئی جس کا اظہار انہوں نے ہر اس صورت میں کیا جو ممکن اور قابل عمل تھی، اس طرح خدا اور رسُول کے ساتھ شدید روحانی تعلق، انتہائی خلوص و محبت اور زبردست جذباتی لگاؤ کا ثبوت دیا، جو ایمان کی پختگی جذبے کی صداقت اور عشق کی دردمندی کی دلیل ہے۔

(الف) ابن سعود کے پاس اپنے اپنے ملکوں سے وفود روانہ کئے کہ وہ مسلمانوں کے اکابر کی آرامگاہوں کی توہین سے باز آجائے، یہ کوئی اسلام کی خدمت نہیں ہے کہ شرک وغیرہ کی آڑ لے کر خواہ مخواہ اہلِ اسلام کے مجروح دلوں کو مزید ٹھیس پہنچائی جائے اور قبروں میں ان کے بزرگوں کو ستایا جائے۔ اس سلسلے کا ایک وفد جو برصغیر پاک و ہند سے حجاز مقدس پہنچا اور ابن سعود سے مذاکرات کئے، اس کی تفصیل مولانا شوق نے یوں دی ہے

ہندوستان کے مسلمانوں نے فرقہ وارانہ اثر سے متاثر ہو کر ۱۹۲۶ء میں خود سلطان ابن سعود کی خدمت میں وفد روانہ کر کے ان سے یہ مطالبات کئے۔

۱۔ مسجد و حجاز کی جنگ میں جو مقابر مسمار کئے گئے ہیں ان کو از سرِ نو تعمیر کر دیا جائے۔

۲۔ جن لوگوں نے "ہدم قباب" (گنبد گرانے) کے جرم کا ارتکاب کیا ہے، ان کو سزائیں دی جائیں۔ ان مطالبات کے متعلق اگرچہ وفد کو پہلے اس بات کا یقین دلا دیا تھا کہ جو مقابر مسمار ہوئے ہیں، وہ فوج کی ناواقفیت اور غفلت کے باعث منہدم ہوئے ہیں، اگر مذہب اسلام میں ان قبوں کا جائز ہونا مجھ پر ثابت کیا جاسکے تو میں انہیں از سرِ نو تعمیر کرا دوں گا۔

لیکن ہمیں افسوس ہے کہ بعد میں بھی سلطان کے حکم سے کئی مقدس روضے اور قبرستان حتیٰ کہ جنت البقیع تک کی متبرک قبریں مسمار کر دی گئیں [۶۶]

(ب) وفود بھیجنے کے علاوہ مسلمانوں نے زبردست احتجاجی جلسے منعقد کئے اور ان میں پر زور و پرجوش قراردادیں منظور کر کے وہاں روانہ کیں، تاکہ مسلمانی کا دعویٰ کرنے

[۶۶] عبدالرحمان شرق، تاریخ اسلام ۵: ۸۶۸

والوں کو پتہ چل جائے، کہ جن کے طفیل ہم آج کلمہ توحید کے اسرار و رموز سے آگاہ ہیں ان ہی کی قبروں کی بے حرمتی کرنا احسان شناسی اور انسانیت کی دلیل نہیں، غیر مہذب قومیں ہی دشمنوں کے شہر فتح کرکے وہاں قبرستانوں کو روندتی اور مردوں کی ہڈیاں نکال کر خراب کرتی ہیں۔ مسلمان کہلا کر مسلمانوں ہی کی قبریں پامال کرنا، مسلمانی اور اپنائیت کی ضد ہے، اپنے لوگ اپنوں کی اس طرح توہین و ہتک نہیں کیا کرتے۔

عابد نظامی صاحب نے اس زمانے کے ایک جلسے کی قرارداد یوں بیان فرمائی ہے

"۱۹۲۵ء میں ابن سعود نے اپنے متشددانہ عقائد و نظریات کی تکمیل کے لئے مقدس مقامات و مقابر کو گرانا شروع کر دیا جس سے پورے عالم اسلام میں اضطراب کی ایک لہر دوڑ گئی، مولانا حسرت موہانی نے مولانا عبد الباری فرنگی محل کی قیادت میں "خدام الحرمین" کے نام سے ایک انجمن کی بنیاد رکھی، جس کے زیر اہتمام لکھنؤ میں ایک "آل انڈیا حجاز کانفرنس" منعقد ہوئی، جس کی صدارت مولانا حسرت نے کی۔ اپنے پرجوش خطبہ صدارت میں انہوں نے فرمایا۔

آج کے اجتماع کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ابن سعود اور اہل نجد کے ہاتھوں، سرزمین حجاز میں مقابر و مساجد کی تباہی اور بالقصد بے حرمتی کی جو ناشائستہ حرکات اس وقت تک سرزد ہو چکی ہیں، ان کی نسبت ہم انتہائی بیزاری کا ایک قطعی اور آخری اعلان کریں۔

چونکہ نجدیوں کی وحشت اور بربریت کے محرک ان کے مذہبی عقائد ہیں جن پر وہ اس وقت سختی سے قائم ہیں، اور رہیں گے، اور جن کے وثوق پر وہ "تخریب حرم" کو بہ کمال بے باکی "تطہیر حرم" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اس لئے آئندہ کے لئے بھی ان سے کسی بہتر طرز عمل کی توقع نہ رکھتے ہوئے، ہم صاف صاف اعلان کرتے ہیں کہ مقامات مقدسہ پر ان کی حکومت یا اقتدار کو کسی حیثیت سے اور کسی حالت میں منظور یا گوارا نہیں کر سکتے۔"

(ج) قراردادوں کے علاوہ قلم و کاغذ کے ذریعہ بھی اہل علم نے وہابی نجدی عقائد کے

کھوکھلا پن اور سطحی ذہنیت اور خام و نا تمام فکر کے کمزور پہلوؤں سے اہلسنت و جماعت کے افراد کو آگاہ کیا اور ان کی دینی راہنمائی کا قابل قدر فریضہ بحسن و خوبی انجام دیا۔

اس دور کے رسائل دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے، مزارات و قبور پر گنبد بنانے کے مسئلہ نے بڑی اہمیت اختیار کرلی تھی، اور رسائل و کتب میں دلائل و جوابات کا زبردست سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

یہ بھی پتہ چلتا ہے، برصغیر کے جو علماء اسماعیل دہلوی صاحب کی بدولت شیخ نجدی کی تعلیمات سے متاثر ہو کر وہابی ہو چکے تھے، انہوں نے ابن سعود اور وہابیوں کی حمایت و دفاع میں اہلسنت و جماعت کے علماء کا مقابلہ شروع کر دیا تھا اور یہ بحث پورے زور شور سے جاری تھی۔

اسی دور کا ایک رسالہ میرے پیش نظر ہے، جس پر ۱۳۴۵ھ لکھا ہوا ہے انہائت دقیق اور مدلل اردو ہے، جس کے مصنف حکیم احمد قادری ہیں۔

انداز بیان کی اٹھان اور اس کے طنطنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حجاز میں نجدیوں کی حرکات سے سخت برافروختہ ہیں اور اہل اللہ کے مزارات کے انہدام کی خبر سن کر آپ کو بہت صدمہ پہنچا ہے۔ رسالے کا تعارف ان الفاظ میں ہے۔

"رسالہ عربیہ ساطعہ، مقالہ مذہبیہ نافعہ، ضلالات نجدیہ کا قالعہ، بدعات وہابیہ کا قاطعہ جس میں اہل حق کے مذہب کو بدلائل قویہ و اخبار صحیحہ مرویہ ثابت کر دکھایا ہے اور نجدی و ھرم کے ادلہ امتناعیہ کو داب علمی کے ساتھ تار عنکبوت بلکہ بے اصل و بے ثبوت بنایا ہے۔"

اس تعارف اور انداز بیان سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے، کہ علمی تحقیق کس رخ پر چل نکلی تھی اور علماء کے طبقہ میں حجاز کی سرزمین میں توڑے جانے والے مظالم کا کتنا شدید ردعمل ہوا تھا۔

اسی زمانہ میں اور اسی موضوع پر تصنیف ہونے والا ایک مشہور رسالہ اسواط العذاب ہے جسے حضرت نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا تھا۔

اس کے دیباچے سے پتہ چلتا ہے کہ وہابی حضرات کے مولویوں نے ابن سعود کے موقف کو درست کہنا شروع کر دیا تھا، جس کے جواب میں آپ نے قلم اٹھایا۔ دیباچہ پڑھنے سے اس دور کی تحریک کا سارا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ یہاں اس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

"ابن سعود نے سرزمین حرم میں جو مظالم کئے ہیں انہوں نے مسلمانان عالم کو تڑپا دیا ہے اس نے قبروں اور مزاروں کے قبے ہی ڈھانے پر اکتفا نہیں کی، اس نے مسجدیں بھی شہید کی ہیں، بے گناہوں کو قتل کیا ہے، مسجدوں اور مزاروں کے مقام پر نجاستیں ڈالی ہیں، امکنہ متبرکہ کو گدھوں کی لید سے بھرا ہے۔ قبروں پر پیٹرول ڈال کر آگ لگائی ہے...... باوجود اس کے کہ مسلمان اس سے مقابلہ کے لئے تیار نہیں ہوئے، طائف و مکہ مکرمہ میں لوگوں نے بے روک ٹوک اس کو داخل ہونے دیا اس پر لوٹ مار، قتل و غارت، خون ریزی، بے حرمتی کے جو واقعات اس سے ظہور میں آئے، یہ وہابی علماء اس سے چشم پوشی کر لیتے ہیں...... میں نہیں سمجھ سکتا ابن سعود اور اس کے ہوا خواہ یہ وعدہ کس طرح کرتے ہیں کہ مدینہ طیبہ میں کوئی خلاف شرع امور، آزار دینے والا کام نہ کیا جائے گا۔ اور...... کہ اب وہ آئندہ کسی مزار کی توہین نہ کرے گا...... مسلمانوں کو اس کی طرف سے مطمئن کرنا یہی معنی رکھتا ہے کہ آج انہیں مغالطہ میں ڈال جائے...... یہ بھی عرض کر دینا ضروری ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں یہ مظالم اس کے لشکر نے کئے ہیں، ان سادہ لوحوں کے خیال میں بادشاہ کی طرف وہی فعل منسوب ہو سکتا ہے جو وہ اپنے ہاتھ سے کرے۔ قلعہ بنانا ملک فتح کرنا کون بادشاہ اپنے ہاتھ سے کرتا ہے یہ سب کام اس کے خدام ہی انجام دیتے ہیں، میری استدعا ہے جہاں انہوں نے قبوں کی حرمت پر فتویٰ دے کر ان الزاموں سے نجدی کو بری کرنا چاہا ہے وہاں وہ خون ریزی و مساجد گرانے کی اباحت پر بلکہ وجوب پر اپنا زور قلم صرف کر کے نجدی کی پوری پوری اعانت کریں اور جرات کے ساتھ اپنے عقیدے اور مذہب کو دنیا کے سامنے پیش کریں۔

غرض وہابیت کے طرز عمل کے خلاف ہر میدان میں احتجاج و محاسبہ کا شدید طوفان اٹھا، اور فکری محاذ سے اس پر تنقید کی ایسی یورش ہوئی کہ اسے باز رہنے اور سابقہ کوتاہیوں کی تلافی کا وعدہ کرنا پڑا، مگر اس کے ایفا کی نوبت کبھی نہ آئی۔

وہابیت اپنے کردار کے آئینے میں

جب نجد کے قشون قاہرہ نے حجاز مقدس پر قابض ہو کر اسلامی تاریخ کے تابندہ نقوش اور مقدس و قابل تکریم آثار، دشمنوں اور بیگانوں کی طرح بڑی بے رحمی سے مٹانا شروع کر دیئے، جیسے انہیں اسلام، اہل اسلام ان کے کارناموں اور ان کی یادگاروں سے کوئی سروکار ہی نہ ہو، بلکہ دشمنی اور حسد ہو کہ ہر نقش کہن مٹا کے ہی دم لیں گے۔

تو اس کے جواب میں، ہر قسم کے احتجاجات کا سلسلہ شدت اختیار کر گیا، جیسے مقدس مقامات و مقابر پر اٹھنے والی ہر کدال کی نوک عالم اسلام کے قلب میں اتر رہی ہو، مسلمان درد و کرب سے تڑپ اٹھے، اور اپنے جذبات کے رستے زخم وہابیوں کے سامنے کھول کے رکھ دیئے۔

سلطان عبدالعزیز ابن سعود نے اتنی قدر افزائی فرمائی کہ، وعدہ کیا:

اگر کتاب و سنت کی روشنی میں قبور و آثار اور مقدس جگہوں کی حرمت و تکریم ملحوظ رکھنے کا حکم مل گیا، تو قبور کو ضرور تحفظ دیا جائے گا، اور شکست و ریخت کا سلسلہ بند کر دیا جائے گا،

اس جواب باصواب سے ایک سچے مسلمان کے دماغ میں حسین تصورات سے چراغاں ہو جاتا ہے کہ جس قوم کے سربراہ کا یہ عقیدہ و تصور اور اتنا بلند خیال ہے۔ وہ قوم اپنے ایک ایک فرد سمیت، کتاب و سنت کے چھوٹے سے چھوٹے حکم سے لے کر بڑے حکم تک کس قدر تمام احکام کا عملی نمونہ اور اسلامی تعلیمات کا کیسا زندہ و تابندہ اور چلتا پھرتا نشان ہو گی۔

واقعی اس جواب سے تصور میں ایک ایسی رشکِ فردوس سرزمین کا نقشہ آجاتا ہے جہاں داعی اور رعایا، خلافتِ راشدہ کی طرز کی زندگی گزار رہے ہیں، معاشرتی مساوات، سادگی قناعت، بے تکلفی، خدا پرستی، صبر و سکون، بے نیازی، جہاد و عبادت ان کی بامقصد حیات کے خصوصی لوازم ہیں، وہ باطل کے آگے سرنگوں ہونے، اس کے آگے ہاتھ پھیلانے، اسے سینے سے لگانے، اس کی راہوں میں آنکھیں بچھانے سے ناآشنا ہیں، کسی باطل پرست، مشرک، اسلام دشمن کی مجال نہیں کہ ان کی سرزمین میں قدم بھی رکھ سکے، ان کی طبع غیور سے یہ ممکن ہی نہیں کہ کسی مشرک کی خوشنودی کی خاطر مشرکوں کے قبرستان میں جائیں اور وہاں پھولوں کی چادر چڑھائیں۔ اسی طرح ان کی خدا پرستی کے جذبہ خلوص سے بعید ہے کہ خدا کو چھوڑ کر کسی غیر سے مدد مانگیں۔

اقتصادی ناہمواری کا تو وہاں سوال ہی نہیں، سب یکساں قسم کے سادہ سے مکانوں میں رہتے ہیں، اس میں حاکم و رعایا کی تخصیص نہیں، کیونکہ وہ سنت کے بڑے ہی پابند ہیں، اور اونچے محلات میں رہائش کا سنت ہونا کہیں سے ثابت نہیں، بلکہ بدعت ہے اور انہیں بدعت سے اتنی نفرت ہے کہ اس کا نام سننا بھی گوارا نہیں کرتے۔

قومی بیت المال اور اسکی آمدن میں خیانت کا تو کوئی تصور ہی نہیں، قومی زر آمدن بڑی دیانت داری، فرض شناسی اور رب کے حضور جواب دہی کے گہرے احساس کے ساتھ صرف میں لاتے ہیں اور عملی طور پر ملک کے ہر فرد کو قومی دولت میں برابر کا شریک بناتے ہیں۔

یہ اور اسی نوع کے بڑے حسین تصورات ذہن کے جھروکوں میں سج جاتے ہیں ...... مگر حسین تصورات کا یہ شیش محل اچانک چکنا چور ہو جاتا ہے اور دماغ کے افق پر درخشاں کہکشاں کے تمام ستارے یکدم ماند پڑ جاتے ہیں، جب حقائق اپنی تمام تر تلخیوں کے ساتھ نگاہوں کے سامنے اجاگر ہوتے ہیں، اور دل و دماغ پر یہ سربستہ اسرار منکشف ہوتے ہیں کہ، اس شدت و مضبوطی کے ساتھ اتباع سنت کے تمام دعوے گہرائی اور معنویت سے بالکل خالی ہیں، سنت کے تقاضات اور احکام کی نمائشی

اور عبث تلاش، اور اس کے ساتھ اتنی شدید وابستگی کا اعلان و اظہار، دراصل آثار مقدس کا وجود مٹانے کے لئے بہانہ ڈھونڈنے اور اپنے لئے تاویلات کا میدان وسیع کرنے اور خود فریبیوں کے لئے سہارا تلاش کرنے کی ایک ناکام سی کوشش ہے، وگرنہ سنت کے ساتھ سچا جذباتی لگاؤ ایسی دھاندلی اور ستم رانی کی اجازت نہیں دے سکتا کہ ایک طرف تو مسلمانوں کے اکابرین کے مزارات بھی خلاف شریعت دکھائی دیں، مگر دوسری طرف بت پرستوں کی سمادھیوں پر پھول نچھاور کرنے میں کوئی قباحت محسوس نہ ہو، یا خواص اور رعایا میں اتنا معاشرتی تفاوت ہو کہ نادار انسان مفلسی اور بے چارگی کے باعث جھونپڑی میں ایڑیاں رگڑ رہا ہو۔ اسے نانِ جویں بھی میسر نہ ہو، اور سنت کی روشنی میں راہیں تلاش کرنے والا خواجہ، جگمگاتے مرمریں محلات کے اندر، فانوس کی ٹھنڈی روشنیوں کے خوابناک ماحول میں۔ قاقم و سمور کے نرم و نازک اور مخملیں بستر پر آسودہ خواب ہو۔

تفصیل و وضاحت کے لئے تصویرِ بتاں کے دونوں رخ پیش کئے جاتے ہیں

"تصویرِ بتاں کا ایک رخ"

(الف) اہل نجد وہابی حضرات، بلالحاظ زمان و مکان، کتاب و سنت کی جس شاندار اتباع کا دم بھرتے اور دعویٰ کرتے ہیں، اسے دیکھتے ہوئے، سنت کی صراطِ مستقیم سے بال برابر انحراف بھی حیرت انگیز معلوم ہوتا ہے، مگر اس معیار پر وہابیت کو جانچیں تو پہلے ہی زینے پر اس کا قدم پھسل جاتا ہے۔

مثال کے طور پر۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں، دشمن کی طرف پیشقدمی کا حکم دیا اور دو شخصوں کے بارے میں ہدایت فرمائی کہ: اگر وہ تمہارے قبضے میں آجائیں تو انہیں

زندہ جلا دینا۔" آپ دوبارہ تشریف لائے تو فرمایا:

انی کنت امرتکم ان تحرقوا فلانا وفلانا بالنار، وان النار لا یعذب بھا الا اللہ۔ فان اخذتموھما فاقتلوھما۔ ۶۸ ے

فلاں فلاں کو جلانے کا حکم دیا تھا، (اب ایسا نہ کرنا کیونکہ) آگ کے ساتھ صرف خدا تعالیٰ عذاب دیتا ہے، اگر ان دونوں کو پکڑ لو تو قتل کر دینا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کسی کو آگ میں جلانا خلاف سنت عمل ہے۔

مگر وہابیوں نے غصے سے پھر اس خلاف سنت حرکت کا ارتکاب کیا، پہلے بتایا جا چکا ہے۔ ۱۸۰۲ء میں عبدالعزیز بن سعود کو ایک عراقی نے قتل کر دیا کیونکہ اس نے کربلا کی بے حرمتی کروائی تھی۔ اس کے بدلے میں وہابیوں نے قاتل کو زندہ جلا دیا، حالانکہ حضور علیہ السلام نے اس سے منع فرمایا۔ اور قرآن پاک کا حکم ہے، قصاص میں مساوات ملحوظ رکھو، مگر اہل نجد کو انتقام کے جوش میں سب کچھ بھول گیا، اور ایک ایسی بدعت کا ارتکاب کیا، جو ظالمانہ بھی ہے، اور عدل و انصاف کے تقاضوں کے منافی بھی!

(ب) وہابی حضرات کہتے ہیں، کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا، حاجت طلب کرنا، مدد مانگنا شرک ہے، کیونکہ اس طرح خدا کو چھوڑ کر، غیر خدا سے استعانت کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

مگر وہابیت کے بانی حضرات اپنی تحریک کی ابتدائی منزل میں ہی اس معیار پر بھی پورے نہیں اترتے، کیونکہ جس وقت عبدالعزیز ابن سعود کی عمر پندرہ برس تھی، اس وقت یہ لوگ شیخ کویت کی پناہ میں جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہے تھے اور زندگی کی ضروریات تک مہیا نہ تھیں، ایک سچے موحد کی حیثیت سے پورے خاندان کا فرض تھا، بھوکے رہ لیتے، اپنی حاجتوں اور ضرورتوں کا گلا گھونٹ کر قناعت کی روش اختیار کرتے، لیکن ایسا نہ ہوا جس کی وضاحت ابن سعود کے سوانح نگار نے یوں کی ہے

["جب عبدالعزیز ابن سعود کی عمر پندرہ برس کی ہوئی تو اسکی

۶۸ ے بخاری شریف ۔ ۱۵/۲

والدہ نے ایک بدوی لڑکی سے منگنی کر دی، لیکن غربت کا برا ہو کہ شادی کے معمولی اخراجات بھی میسر نہ تھے، آخر کار ایک امیر تاجر نے مالی امداد پیش کی، عبدالرحمان رنجیدہ خاطر تو بہت ہوئے، لیکن مجبوراً رضامند ہو گئے۔" ۶۹ ے]

کویت کے حاکم سے بھی یہ لوگ عرصہ تک وظیفے کی صورت میں مفت امداد لیتے رہے۔ مگر ۱۹۱۷ء میں تو کمال ہی کر دیا۔ توحید پرستی کی ساری شیخیں بالائے طاق رکھ کر مالی استعانت اور مشکل کشائی کے لئے اس غیر خدا کو منتخب کیا جو مسلمان بھی نہیں، بلکہ تثلیث پرست تھا

حسنی رقمطراز ہے۔

["عبدالعزیز ابن سعود کو بھی پانچ ہزار پونڈ ماہوار کا وظیفہ انگریزوں کی طرف سے ملتا تھا...... ابن سعود کا ماہانہ وظیفہ ۱۹۱۷ء سے شروع ہو کر پانچ ۱۹۲۱ء تک جاری رہا" ۷۰ ے]

خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا کہئے

(ج) قرآن پاک کا حکم ہے۔

مسلمان کی دوستی، رفاقت، رازداری، محبت، احترام اور اخوت و رحمت کا حقدار صرف مسلمان ہے، اسے قلب و جگر اور جذب و سرور کی یہ دولتیں صرف اپنے مسلمان بھائی پر نچھاور کرنی چاہئیں، ان میں کسی مشرک، بے ایمان کے لئے کوئی حصہ نہ ہو، بلکہ جذبات کے ابر کرم اور وفور رحمت کی جگہ، غیروں کیلئے شدت و ہیبت اور رعب داب ہو۔

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن
قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

۶۹ ے سوانح ابن سعود، ۲م : ۷۰ ے سوانح ابن سعود، ۱۶۹

یا ایھا الذین آمنوا لا تتخذوا بطانۃ من دونکم ـــ انما المومنون اخوۃ ـــ اشداء علی الکفار ـــ انما المشرکون نجس ـــ

اس سلسلے کا ارشاد نبوی یہ ہے کہ:

انہیں سلام تک نہ کہو، وہ شرک و کفر کی وجہ سے اس اعزاز و تکریم کے بالکل مستحق نہیں مگر وہابیت کے کردار نے اس مقام پر ایسی منہ کے بل ٹھوکر کھائی ہے، کہ ۱۹۵۵ء سے لے کر ابھی تک اٹھنے کے قابل نہیں ہوا، قشقہ و زنار کے آگے سبھی آئینیں اور حدیثیں طاق نسیاں ہوگئیں اور توحید کی رعونت بھارت کے شملہ اور نجد کے صحرا اور ریاض میں اپنی تمام چوکڑیاں بھول گئی۔

اس عبرت سامان حقیقت کی، حیرت انگیز ہی نہیں، بلکہ ہوش ربا تفصیلات یہ ہیں۔ ۱۹۵۵ء، ۱۹۵۶ء، ۱۹۵۷ء کے اخبارات نوائے وقت، امروز، تسنیم، اور مغربی پاکستان وغیرہ میں شائع ہونے والے یہ حقائق اب تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں۔ ان رسالوں میں نجد کے سلطان نے بھارت کا اور بھارت کے وزیر اعظم نہرو نے نجد کا دورہ کیا تھا۔ یہ دونوں دورے اپنی نوعیت، نتائج، اور پیش آنے والے حالات و واقعات کے اعتبار سے عجیب لاثر تھے جنھوں نے پاکستانی عوام کے جذبات میں ہلچل مچادی، اور انہیں دانتوں تلے انگلی لینے پر مجبور کردیا۔

اسلام میں ناچنے یا ناچ دیکھنے کے لئے کوئی گنجائش نہیں، یہ ایک ایسی بدعت ہے جس کا تصور بھی شریف و شائستہ اور باوقار انسان کے لئے محال ہے، مگر نجد کے سعود صاحب نے بیسویں صدی کی اس حسین بدعت کے مشاہدہ سے پوری طرح لطف اٹھایا اور

[" شملہ سے آٹھ میل دور، ہماچل پردیش کے لوگوں کا پیش کیا ہوا لوک ناچ کا ایک پروگرام دیکھا۔ "] [1]

پاسبان حرم اور قدم قدم پر کتاب و سنت کی بات کرنے والے کے لئے تو نگاہوں کی اس آوارہ خرامی کا بھی کوئی جواز نہیں، لیکن یہیں تک بات رہتی تو بھی غنیمت تھی

---

[1] اخبار ریاست مدھیہ پردیش، دسمبر ۵۵ء

مگر ہوا یہ کہ رقص کی بدعت کے نشہ نے خالص شرک کے سنگھاسن تک پہنچا دیا۔

[" امیر فیصل راج گھاٹ پر مہاتما گاندھی کی سمادھی پر پھول چڑھانے گئے۔ "] [2]

مردہ مشرکوں کے چرنوں میں پھول ڈالنے کی ایسی عادت پڑی کہ جب امریکہ کا دورہ کیا تو [" سعود پوٹومک دریا کو عبور کرکے، ارلنگٹن قبرستان گئے، اور گمنام سپاہی کی قبر پر پھول چڑھائے "] [3]

دوسری طرف

[" سعودی عرب کے وزیر دفاع امیر فہد بن سعود نے جارج واشنگٹن کی قبر پر پھول چڑھائے "] [4]

بھارت کے وزیر اعظم پنڈت نہرو نے نجد کا جوابی دورہ کیا تو اس کی آمد کی خوشی میں نجد کی توحید کے تمام پیمانے ٹوٹ پھوٹ گئے، اور بدعت کی کثافتیں مشرک کے گلے کا ہار بن کر نجد کے در و دیوار پر اس طرح چسپاں ہوئیں کہ ہمیشہ کے لئے ان کے روئے جاناں کا غازہ بن گئیں۔

نہرو کے قدموں میں حریر و پرنیاں بچھانے کے لئے، طائف سے خصوصی طور پر روزانہ پھول لانے کا بندوبست کیا گیا، نجد کی سرزمین پر جس لفظ سے اس کا استقبال کیا گیا اس کی معنویت پہ غور کرکے آج بھی صاحب درد مسلمان کا کلیجہ پھٹ جاتا ہے۔

" مرحبا رسول السلام نہرو " العیاذ باللہ

سے ہوائی اڈہ گونج اٹھا، اور اسے نجد کے شاہی محل تک جلوس کی شکل میں لے جایا گیا، کاروں میں عرب خواتین بھی تھیں جو باریک نقابوں سے نہرو کا دیدار کرنے میں مصروف تھیں اس طرح ایمان کے ساتھ عربی غیرت کا جنازہ نکال کر اسے پیراستہ محل میں ٹھہرایا گیا۔ " آپ عرب نہیں لیکن ہمارے بھائی ہیں "، " اے ایشیا کے فرشتے! تم پر سلامتی ہو "، " نہرو ہزاروں برس جئے۔ "

اس قسم کے الفاظ و القاب اور دعائیہ جملوں سے اسے بے تکان اور بے تحاشا

---

[2] نوائے وقت لاہور، ۱۱ مئی ۱۹۵۵ء ؛ [3] نوائے وقت لاہور ۲ فروری ۱۹۵۷ء ؛ [4] کوہستان ۲ فروری

نوازا گیا اور خوش کرنے کے لئے گیتانجلی کے بھجن گاکر بھی سنائے گئے۔ تا آنکہ نجدی پروپیگنڈا سے متاثر ہو کر بغداد کے اخبارات نے الحاج نہرو بھی لکھ مارا جس پر رئیس امروہوی کی رگِ ظرافت پھڑکی اور انہوں نے ایک قطعہ میں طنز کا نشتر چبھو دیا۔

عرب کی خاک پہ پہنچا دیا تقدیر نے ان کو
بنے پنڈت جواہر لال نہرو، "نیم حاجی" بھی

★

جپ رہا ہے آج مالا ایک پنڈت کی عرب
برہمن زادے میں شان دلبری ایسی تو ہو
حکمت پنڈت جواہر لال نہرو کی قسم !
مر مٹے اسلام جس پر "کافری" ایسی تو ہو۔ [۷۵]

نجد کی زمین میں مشرک کی اس پذیرائی اور قدر افزائی پر، عالم اسلام میں جو ردِ عمل ہوا وہ کسی مسلمان کے جذبات سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا، یہ اتنا شدید اور طوفانی تھا کہ عرصہ تک ممالک اسلامیہ کے در و دیوار اس کی صدائے بازگشت سے گونجتے رہے، اور اب بھی اس کا تصور آتا ہے تو کسک سی محسوس کرتے ہیں۔

مگر نجدی توحید کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی، اور اس نے مسلمانوں کے احتجاج و تعاقب اور حرف گیری کو پرِ کاہ جتنی بھی اہمیت نہ دی، اور نہ مسلمانوں کے جذبات کو درخور اعتنا ہی سمجھا۔

(د) قرآن پاک نے، فضول خرچ لوگوں کو شیطان کے بھائی قرار دیا ہے،

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بے جا تعمیرات پر صرف ہونے والے پیسے کو ناپسندیدہ فرمایا ہے۔ ایک شخص نے دو منزلہ مکان بنایا، آپ نے سلام کا جواب دینے سے انکار کر دیا، تا آنکہ اس نے ایک منزل گرا دی۔

"دولت مند مسلمان کے مال میں غربا اور مساکین کا بھی حق ہے۔"

---

۷۵ جنگ کراچی، ۲۹ ستمبر ۵۶ء

"حکمران اپنی رعایا کے معاملہ میں جواب دہ ہوں گے۔"

یہ سب قرآن و سنت کی تعلیمات و احکام ہیں۔ مگر ان کی روشنی میں نجد کا کردار یہ ہے

"جب شاہ ابن سعود کو تیل کی دولت ملی تو ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اس کا کیا کیا جائے ملک کی ہر چیز بادشاہ کی ملکیت تھی، اس لئے انہوں نے اس دولت کو بھی ذاتی ملکیت سمجھا۔" [۷۶]

"یہ دوسری بات ہے کہ یہ دولت قومی تعمیر پر صرف ہونے کی بجائے محلات شاہی کی تعمیر، حرم سرا کے اخراجات، کیڈ لک موٹر کاروں کی خریداری، اور دوسرے زندگی پر لٹائی جاتی رہی ہے۔" [۷۷]

شاہ ہر سال ایک محل تعمیر کراتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ محلات کی تعداد بیالیس تک پہنچ چکی ہے۔ اٹلی کے ایک ماہر تعمیر کو بلا کر ایک قلعہ نما محل بنانے کا حکم دیا، چنانچہ چار لاکھ مربع گز کے رقبہ میں اٹھارہ ماہ کے اندر یہ محل تیار ہوا جس میں چار منکوحہ بیویوں اور اسی لونڈیوں کے لئے ایک حرم بھی تھا۔ [۷۸]

ایک ایک شہزادے کے پاس کئی کئی مکلف محلات اور کاریں ہیں۔ [۷۹]

"قاہرہ کی ہر شبینہ کلب میں کوئی نہ کوئی سعودی شہزادہ رقص والی عورتوں کے جھرمٹ میں نظر آتا ہے ...... قاہرہ کی ایک کلب میں ایک سعودی شہزادہ شراب میں مدہوش داخل ہوا اور چلا چلا کر کہنے لگا، او سور کے بچو! تم شاہی خاندان کے ایک فرد کے سامنے کھڑے ہو کر تعظیم کیوں نہیں بجا لاتے۔ [۸۰]

شاہ سعود کے تعمیر کردہ محل میں بیس ہزار ستونوں پر ایک لاکھ بلب چوبیس گھنٹے جلتے ہیں۔ [۸۱]

شاہی خاندان، شیوخ اور سعودی حکام ایسی کاروں میں پھرتے ہیں، جو صدر امریکہ کو بھی نصیب نہیں، اور ایسے محلوں میں رہتے ہیں جن میں رہنے کا تصور، اس زمانے کا کوئی حکمران بھی نہیں کر سکتا، قاہرہ، اسکندریہ کے مضافات، لبنان کے خوبصورت

---

۷۶ کوہستان یکم فروری ۵۶ء : ۷۷ ہفت روزہ لیل و نہار، جولائی ۵۷ء : ۷۸ کوہستان ۲ اکتوبر ۵۶ء : نوائے وقت ۲ مئی ۵۸
۷۹ کوہستان، ۹ اکتوبر ۵۶ء : ۸۰ کوہستان یکم فروری ۵۵ء : ۸۱ روزنامہ مساوات، ۲ اپریل ۷۵ء

علاقوں میں سعودی عرب کے شہزادوں کے محلات، نہ صرف اپنے حسن وجمال بلکہ عیش و عشرت کے لوازمات کے اعتبار سے بھی بے نظیر ہیں۔ ۸۲؎

شاہ کے ایر کنڈیشنڈ بلند قصر ایسی سرزمین میں تعمیر ہو رہے ہیں، جہاں ایک تہائی آبادی اب بھی سیاہ خیموں میں خانہ بدوش کی زندگی گزارتی ہے۔ ۸۳؎

اس سرزمین کی تین چوتھائی آبادی زندگی کی ہر مسرت سے محروم ہے۔ ۸۴؎

جب ان خلاف اسلام مسرفانہ رسوم کو غیر مسلموں نے دیکھا تو انہیں عالم اسلام اور دین کی بنیادی تعلیمات کے خلاف پروپیگنڈا کرنے کا بہانہ اور سنہری موقعہ مل گیا، تمام یورپین ممالک اسلامی غیرت وشان عدل گستری اور انسانی مساوات و بنیادی حقوق کا مذاق، اڑانے کے لئے میدان میں آ گئے، ایسی ایسی پھبتیاں کسیں کہ تنگ آکر عالم اسلام کے اخبارات کو اس طور وضاحت کرنا پڑا، کہ یہ وہابیت کا ذاتی اور نجی کردار ہے۔ وہابی عالم اسلام کے نمائندہ نہیں کہ ان کی ذاتی خامیوں سے اسلام کی عظمت اور صداقت پر حرف آتا ہے۔

پوری خبر یہ ہے۔

" شاہ سعود جب واشنگٹن پہنچے تو صدر آئزن ہاور نے ان کا خیر مقدم کرتے ہوئے انہیں اسلام کے مقدس مقامات کے کسٹوڈین کی حیثیت سے پیش کیا۔ اب امریکی عوام بجا طور پر کہتے ہوں گے۔ کہ مسلمانوں کی عیش و عشرت کے افسانے صحیح ہیں، کیونکہ بیسویں صدی کا ایک مسلمان حکمران اب بھی اتنا فضول خرچ ہے کہ ہر سال ایک نیا محل تعمیر کرواتا ہے آگے خبر طویل ہے آخر میں ایڈیٹر کا تبصرہ ہے۔"

" ہمارے نزدیک یہ باتیں گمراہ کن ہیں، سعودی عرب کا نظام حکومت شخصی اور جابرانہ ہے اس کا اسلام سے دور کا بھی تعلق نہیں، اسلام کے نزدیک مسلمان حکمرانوں کے لئے یہ کسی طرح جائز نہیں ہے کہ وہ گذر بسر سے زیادہ سرکاری خزانے پر بار ڈالیں۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل اسلام کے عین مطابق تھا ... ۸۵؎ "

۸۲؎ کوھستان ۷ فروری ۵۷ء ؛ ۸۳؎ کوھستان یکم فروری ۵۶ء
۸۴؎ کوھستان ۷ فروری ۵۷ء ؛ ۸۵؎ کوھستان ۷ فروری ۵۷ء

سعودی مملکت جو اسلام کے نام پر قائم ہوئی تھی محض نام کی اسلامی حکومت ہے۔ اور اس کا طرزِ عمل ازمنہ وسطیٰ کی عیسائی تھیوکریٹک حکومتوں سے قطعاً مختلف نہیں جو مذہب کے نام پر لوگوں کا ناجائز استحصال کرتی تھیں ۸۶؎

یہ اس تصویر کا ایک رخ ہے، جس سے وہابیت کے اصلی خدوخال اور تیکھے نقوش نمایاں ہوتے ہیں۔ جنہیں پروپیگنڈا، کذب وافترا اور تعصب کی اڑائی ہوئی دھول میں دھندلانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ تصویرِ جاناں کے اس شفاف اور واضح عکس میں یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ وہابیت نے کتاب وسنت کی غیر مشروط اطاعت و اتباع کا جو سوانگ رچایا ہوا ہے، اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں، یہ بدعتوں کا پلندا، کتاب وسنت کی مخالفتوں کا مجموعہ بلکہ علانیہ شرک کا سبل ہے، مشرکوں کی سمادھ پہ پھول چڑھانا، انہیں رسول اور امن وسلامتی کا پیغامبر قرار دینا۔ پردہ نشین عورتوں سے اس کا استقبال کرانا، اور اس کے احترام میں انتہائی غلو اور مبالغہ کرنا، بدعت سیئہ فاحشہ کے ساتھ، شرک وبت پرستی بھی ہے۔ ایمان وسنت نہیں۔

جس خطے میں آبادی کی اکثریت سیاہ خیموں میں زندگی گزارتی ہو۔ اور ابتدائی انسانی ضروریات سے بھی محروم ہو، وہاں سرتاپا بدعت اور بدعت ہی کے انگاروں سے دہکتے ہوئے طویل و عریض فلک بوس محلات ان کی غیر شرعی آرائش و زیبائش، اور ان میں جدید زندگی کے لوازمات اور تعیشات کی ریل پیل، حد درجہ افسوسناک اور قابلِ مذمت ہے اور قساوت وسنگ دلی اور بے رحمی کی ایسی مکروہ مثال ہے جسے شرفِ انسانی کے شایانِ شان بھی قرار نہیں دیا جا سکتا، سنت وعمل صالح اور باعثِ اجر وثواب ومحمود سمجھنا تو بڑے دور کی بات ہے۔

پھر ایسی بدعات کے مرتکبین اور شرعی رو سے خطرناک مجرمین کو، کس ضابطے سے سنت کا محافظ سمجھا جا سکتا ہے جن کی زندگیاں گھناؤنی بدعات کی غلاظت میں تھڑی ہوئی اور مشرکوں سے ملاپ کی سڑانڈ میں لبسی ہوئی ہیں، یا وہ خود کس منہ سے اتباع سنت

۸۶؎ کوھستان یکم اکتوبر ۵۶ء

کا دعوی کر سکتے، اور دنیا بھر کے مسلمانوں کو یقین دلا سکتے ہیں کہ وہ کتاب و سنت کی حقیقی تعلیمات پر عمل پیرا ہیں، اور جو کچھ کر رہے ہیں کتاب و سنت کی روشنی میں شریعت ربانی کے تحفظ کی خاطر کر رہے ہیں۔

حقیقت یہ کہ وہابیت، حقائق کی روشنی میں اپنی پچاس سالہ زندگی کے ابتدائی ایام سے لے کر آج تک خود ایک خوفناک بدعت ہے جس کے ظہور کا منشا خدا و رسول، امت کے صلحاء، اولیاء کرام اور مقبولان بارگاہ الہٰی کے ساتھ عداوت کے سوا اور کچھ نہیں، اور یہ چیز قطعی بدعت ہے، کیونکہ کتاب و سنت کے صفحات، اولیاء اور مقبول حضرات کے تذکروں اور ان کا احترام ملحوظ رکھنے کے احکام سے بھرے پڑے ہیں جو ان احکام ربانی کو نہیں مانتا وہ بغاوت کرتا ہے، اور بغاوت کرنے والا بدعتی ہے۔

یہاں تک پیش کئے جانے والے تاریخی اعداد و شمار اور ان کے منطقی نتائج نے

۱۰ یہ حقیقت واضح کر دی کہ وہابی کتاب و سنت کی حقیقی تعلیمات سے بہت دور ہیں، عمل کی دنیا میں ان کا ان نورانی تعلیمات سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں جو بلند بانگ دعوے کرتے ہیں، وہ غلط اور بے بنیاد ہوتے ہیں۔ ے

(۲)

دوسرا رخ

تصویر کا یہ دوسرا رخ پہلے رخ کی بالکل ضد ہے۔

پہلا رخ تو یہ ہے کہ مشرک کو برضا و رغبت گلے سے لگا کر، سمادھ پہ پھول چڑھاتے ہیں، محلات اور تعیشات پر پانی کی طرح دولت بہا رہے ہیں، ان مشرکانہ اور مسرفانہ کاموں میں انہیں توحید کے خلاف کوئی بات نظر نہیں آتی، اور نہ کوئی بدعت ہی دکھائی دیتی ہے۔

دوسرا رخ یہ ہے کہ مکہ مکرمہ سے لے کر مدینہ منورہ تک دور و نزدیک پھیلی ہوئی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تاریخی نادر اور بے حد اہم یادگاریں قبروں نشانوں اور مکانوں کو منہدم اور پیوند زمین کرنے میں مصروف ہیں، نہ کوئی اہم جگہ

ے تصویر بتاں کا یہ رُخ علامہ ابوداؤد محمد صادق خطیب اعظم گوجرانوالہ کی مستند تالیف "تاریخی حقائق" سے لفظ بلفظ شکریہ مستعار ہے

ان کی مشق ناز سے محفوظ ہے، نہ کوئی یادگار مقام ان کی ستم گر خشونت کا شکار بننے سے بچا ہوا ہے۔ خاص طور پر مقابر و مزارات ان کے عتاب کی زد میں ہیں اور خشمگین نگاہ ناز کے ستم سہہ رہے ہیں۔ کسی دل والے کی مجال نہیں جو ان اللہ والوں کے مزارات پر کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھ سکے، اور ان کی تربت کی بالیں پہ چند پھول بکھیر کر اپنی عقیدت کا ثبوت دے سکے۔

کیونکہ مسلمانوں کی قبروں اور مزاروں پہ پھول ڈالنا ان کے ہاں شرک و بدعت ہے، گاندھی کی سمادھ پہ ڈالنا شرک نہیں، یونہی اللہ والوں کے مزارات پہ بنے ہوئے خوبصورت گنبد بھی ناجائز و حرام ہیں، جن کا گرانا ضروری ہے، مگر کروڑوں روپے کے صرف سے حسین محلات تعمیر کرنا اور ہر سال ان میں اضافہ کرتے رہنا ناجائز و حرام نہیں، حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو منزلہ مکان بھی گروا دیا تھا۔

چنانچہ وہابیوں نے اپنے خیال و زعم میں اس شرک و بدعت کا علاج یوں کیا ہے کہ:

مکہ مکرمہ کے قدیم قبرستان جنت المعلیٰ کو اجاڑ دیا ہے، وہاں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ صاحبہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا، حضرت اسماء، حضرت عبدالرحمان بن ابوبکر، ابن عمر، ابن زبیر رضی اللہ عنہم جیسے اکابر کے مزارات ہیں، اہل نجد نے گنبد گرا دیئے اور قبریں مسمار کر دی ہیں، تعیین کے لئے نشان تک نہیں چھوڑا کسی واقف کار کے ذریعے ہی سے پتہ چلتا ہے کہ فلاں فلاں کی قبر ہے۔ ان مزارات پر سرکاری پہرے ہیں، تاکہ کوئی مسلمان پھول ڈال کر، یا فاتحہ پڑھ کے، یا سنگدلوں کی بے رحمی پر غم و غصہ اور اہل مزار پر محبت کے آنسو بہا کے، شرک کا ارتکاب نہ کر بیٹھے! اہل نجد کو مسلمانوں کا کچھ زیادہ ہی درد اور ان کو شرک سے بچانے کا کچھ زیادہ ہی خیال ہے خود چاہے سمادھ پر پھول چڑھاتے رہیں، مگر مسلمانوں کو اللہ والوں کی مرکز رحمت و برکت آرامگاہوں پر بھی اس "جرم" کا ارتکاب نہیں کرنے دیتے۔ یا للعجب!

مزارات کی طرح تاریخی یادگاروں کے نشانات بھی مٹا دیئے ہیں، چنانچہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی جگہ، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مکان جہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اٹھارہ سال گزارے، حضرت صدیق و عثمان کی رہائش گاہ اور دار ارقم، اپنی

معروف ہیئت پر نہیں رہنے دیئے گئے ہیں؟ تاکہ ان مقدس آثار کے مشاہدہ سے قلب و ذہن میں قرن اول کی یادیں تازہ نہ ہو جائیں اور سینے کے اتھاہ سمندر میں عشق نبوی کی لہریں نہ اٹھنے لگ جائیں۔

مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع کا بھی یہی حال ہے۔

یہاں اسلام کی عظمت کے تابندہ نگین اور شوکت و جلالت کے آفتاب و ماہتاب موجود ہیں، جن کے تفصیلی تذکرہ کے بغیر نہ اسلامی عظمت کا تصور اجاگر ہو سکتا ہے، نہ تاریخ مکمل ہو سکتی ہے۔ جن کے فضل و کمال اور تقویٰ و طہارت کا تصور کر کے جبین عقیدت خم ہو جاتی ہے امہات المومنین، امام حسن، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صاحبزادے حضرت ابراہیم، حضرت عباس، حضرت زین العابدین، امام باقر، حضرت امام جعفر صادق، حضرت سیدہ نساء العالمین، زکیہ بتول، خاتون جنت رضی اللہ عنہم، سب کے مزارات یہیں ہیں، مگر ان کے ساتھ نہایت ہی ظالم سنگدل سوتیلی ماں جیسا سلوک روا رکھا گیا ہے، نہ کوئی گنبد رہنے دیا گیا ہے، نہ سائے دار چیز کا نشان، سب کچھ مٹا کے مسمار کر دیا گیا ہے

اسی مقدس جگہ پر دانستہ ویرانی کی فضا قائم کرنے کی جو کوشش کارفرما نظر آتی ہے۔ اس کا تصور کر کے دل والوں کی رگوں میں بجلیاں دوڑنے لگ جاتی ہیں، اور خون کھول اٹھتا ہے۔ ایسی بے اعتنائی اور سنگدلی کوئی بدترین دشمن بھی نہیں برت سکتا، مگر یہاں سب کچھ روا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت کی یادگار تاریخی مسجدوں کو بھی نہیں بخشا گیا وہابیت کے قہر و غضب اور انتقام کی زد میں وہ بھی آئی ہیں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا مزار اور مسجد و دنوں منہدم کر دیئے گئے ہیں کوہ سلع پر مسجد فاطمہ، مسجد سلمان، احد پر مسجد شمس اور جنت البقیع سے جانب مشرق مسجد صابہ تھی مگر سب کو شہید کر دیا گیا ہے، کوہ ابو قبیس پر مسجد بلال بھی کسمپرسی کے عالم میں ہے، یادگار کنویں اور بہت سی جگہیں جن کے ساتھ مقدس یادیں وابستہ تھیں، سب نابود کر دی گئی ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ

وہابیت کا یہ کیسا متضاد کردار ہے؟ ایک طرف مشرکوں اور برہمنوں کے ساتھ مشرکانہ رسمیں ادا کرنے میں بھی کوئی قباحت اور نہ محلات کھڑا کرنے میں کوئی بدعت نظر آتی ہے مگر جو آثار، نشان، مقابر اور یادگاریں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام و دیگر اہل دین سے تعلق رکھتی ہیں، انہیں یہ نجدی بڑے ذوق و شوق سے گراتے ہیں، ان کی ویرانی و بربادی اور شکست و ریخت سے خوش ہوتے ہیں۔ ان مزارات پر جانے اور ان پر پھول ڈالنے کو شرک و بدعت کہہ کر رو کتے ہیں، اس کی وجہ کیا ہے؟

اس پردۂ زنگاری کے پیچھے وہ کونسا معشوق چھپا ہوا ہے، جو انہیں ایسا متضاد کردار اپنانے پر مجبور کر رہا ہے۔

اس کے سوا اور کوئی جواب سمجھ میں نہیں آتا کہ

اہل نجد، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کے خاندان اور صحابہ کرام سے بارہ سو سالہ پرانا انتقام لے رہے ہیں، کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ان کے نجد پر مسیلمہ کذاب کا استیصال کرنے کیلئے صحابہ کرام نے حملہ کیا تھا، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اصرار کے باوجود نجد کے لئے دعائے خیر کرنے سے انکار کر دیا تھا اور بتایا تھا وہ فتنوں کی سرزمین ہے۔

نجدی علانیہ تو انتقام لے نہیں سکتے، اس لئے بدعت و شرک کی آڑ لے کر ان کے مزارات گراتے اور توہین کرتے ہیں، اور مسلمانوں کو بھی وہاں نہیں جانے دیتے مگر مشرکوں کے قبرستان بخوشی جاتے ہیں، کیونکہ ان سے کوئی عداوت نہیں۔ اہل نظر اس باریک نکتے پر غور کر کے بہت کچھ سمجھ سکتے، اور بڑی گہرائیوں تک جا سکتے ہیں

فافہم و تدبر

گنبدِ خضراء والے ٹکٹ

وہابیت اپنے مادی و دنیوی اقتدار کی سلور جوبلی منانے کے دور میں داخل ہو چکی ہے، مگر اس کے شاہی مزاج کی نخوت، چتون، ناز پر پڑے ہوئے تیور، اور حرکات و اعمال کے لچھن دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے، اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود اہل

اسلام کے مزارات اور ان کی روایات اور تاریخی یادگاروں کے خلاف اس کے جذبۂ انتقام وعداوت میں کوئی ٹھہراؤ پیدا نہیں ہوا بلکہ ان کا جوشِ عناد اسی نقطہ پر ہے جس پر روزِ اوّل تھا"، اور ایام کی گردش نے انکے عقیدہ وخیال اور فکر وعمل میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی۔

جس کا تازہ ثبوت یہ ہے کہ

اقتدار حاصل ہونے کے بعد ابتداء میں انہوں نے اپنے زعم وخیال میں "تطہیر" کے نام پر شکست و ریخت کی جو کاروائیاں بڑے شدومد سے شروع کی تھیں، انکے خلاف عالمِ اسلام کے ردِعمل نے انہیں ہاتھ روکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ان کے مکروہ عزائم یہ تھے کہ گنبدِ خضراء کو بھی منہدم کر دیا جائے، مگر اسلامی برادری کے جوشِ جذبہ کے سامنے ان کی پیش نہ گئی۔

آج بھی وہ اس مجبوری کے ہاتھوں خاموش ہیں، مگر انکے نہاں خانۂ دل میں جو جذبات ہیں، وہ آج بھی وہی ہیں، جن کا کسی نہ کسی صورت اظہار ہو ہی جاتا ہے گنبدِ خضراء شریف پر توان کا بس نہ چلا مگر اب اپنے جذبات کی تسکین کی یہ صورت نکالی ہے کہ مختلف مالیتوں کے ڈاک کے ٹکٹ جاری کیئے ہیں، جو قرش سے لے کر ریالوں تک کی قیمت کے ہیں، ان پر گنبدِ خضرا کی تصویر بنائی ہے، مگر ٹکٹوں کا حجم اور سائز اتنا چھوٹا رکھا ہے کہ تعزیب (Defaec) کے وقت ہر صورت میں مہر گنبد مبارک ہی پر لگتی ہے

ایک عشق پیشہ مسلمان تو اس تصور ہی سے کانپ اٹھتا ہے مگر جس ذہن نے یہ تجویز اختراع کی ہے، اس کے دل میں گنبد خضرا کیلئے کس قسم کے جذبات ہیں ان کا آسانی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

چونکہ پاکستان میں بھی اسی ذہن کے کچھ لوگ پیدا ہو گئے ہیں، اس لئے انہیں یہاں بھی اس قبیح اور ہولناک حرکت کا اعادہ کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں ہوا۔ انٹرنیشنل سیرت کانگرس ۱۹۷۶ء کے موقعہ پر یہاں بھی اسی نوعیت کے یادگاری ٹکٹ جاری کیئے گئے جنکے متعلق اہل دل کے جذبات فوراً منظر عام پر آگئے، وہ گنبد خضراء کی تصویر کو ڈی فیس کرنے کے تصور سے کانپ گئے اور حکومت کو مشورہ دیا کہ اگر ایسا ٹکٹ جاری کرنا ہی ہے تو اتنی (space) خالی جگہ ضرور چھوڑی جائے جس پر مہر لگائی جا سکے، گنبدِ خضراء کی تصویر مبارک کو مہر زد کرنا ایک مومن کے بس کا روگ نہیں۔

ان دنوں اخبار میں چھپنے والا ایک مراسلہ بعینہٖ نقل کیا جاتا ہے۔

مکرمی! انٹرنیشنل کانگرس برائے سیرت منعقدہ ۱۹۷۶ء کی یادگار کے طور پر محکمہ ڈاک پاکستان نے روضۂ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (گنبدِ خضرا مدینہ منورہ) کی شبیہہ پر مشتمل ایک ڈاک ٹکٹ قیمتی ۲۰ پیسہ جاری کی ہے۔ گنبدِ خضراء کی یہ ڈاک ٹکٹ بہت ہی خوبصورت ہے اور اس کے دائیں طرف انٹرنیشنل کانگرس برائے سیرت نبویؐ منعقدہ پاکستان ۱۹۷۶ء انگریزی حروف میں لکھا گیا ہے۔ آرٹ کے نقطہ نظر سے روضۂ نبوی کی یہ بہترین تصویر ہے۔ مگر محکمہ ڈاک پاکستان اس ٹکٹ کے اجراء کے سلسلہ میں ایک فاش غلطی کر گیا ہے۔ ایسے مقدس مقام کی شبیہہ دیتے وقت ڈاک کے دائیں اور بائیں (دونوں اطراف) کافی جگہ رہیں، رکھنا لازمی تھا تاکہ محکمہ ڈاک کے سارٹر، پلوٹر اور ڈاکئے اس ٹکٹ کو اپنی آہنی مہروں سے (ڈی فیس) تعزیب کرتے وقت اپنی مہریں روضۂ نبوی سے دور رکھتے۔ میرے کئی دوست اور احباب محکمہ ڈاک اور محکمہ آر ایم ایس میں اعلیٰ ملازم ہیں۔ ایک ایسے دوست نے ہی ذکر کیا کہ ہمارے ملازم اس ٹکٹ کو تعزیب کرتے وقت کانپ جاتے ہیں۔ ان کے ہاتھ لرز جاتے ہیں کیونکہ ہر مسلمان کو روضۂ نبوی سے اتنا پیار ہے کہ اسے وہ اپنی جان بال اور اولاد سے بھی زیادہ عزیز سمجھتا ہے آخر وہ اپنی آہنی مہروں سے ضرب اور ڈیٹ سٹیمپ کا ٹھپہ لگائیں تو کہاں لگا دیں؟ وہاں جگہ ہی نہیں ہے۔ مسجد نبویؐ کا مینار بھی ان کے لئے ایسا ہی مقدس ہے۔ میں محکمہ کے ارباب بست وکشاد سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ٹکٹ کی تشکیل دوبارہ کریں اور اس کے دائیں اور بائیں کافی جگہ رکھیں تاکہ اس ٹکٹ کی تعزیب کے وقت آہنی مہر لگانے والے عملہ کو گنبدِ خضراء یا مقدس مینار مسجد نبوی کو مسخ نہ کرنا پڑے۔ (احسان قریشی صابری سیالکوٹ)

۱۲ مئی ۱۹۷۶ء

وہابیت پر مستند آرا و تبصرے

جن لوگوں نے وہابیت کی کالی آندھی کو چڑھتے، چنگھاڑتے طوفانوں کی طرح بڑھتے اور طاقت کے نشے میں بدمست دیووں کی طرح اسلامی شوکت و اقتدار کے ایوانوں کے ساتھ سر پٹختے دیکھا ہے، یا ایک حقیقت نگار، نکتہ رس محقق اور غیر جانبدار مورخ کی طرح اس کے عروج و زوال اور اس کے طریق کار، خط و خال اور اس کی اعتقادی بنیادوں کا جائزہ لیا ہے، اور اس زنجیر کی کڑیاں جوڑ کر خاص نتائج تک پہنچے ہیں اور تمام حقائق پر بے لاگ تبصرہ کیا ہے، ان کے بیانات و افکار مشاہدات و خیالات اور تبصرے ایک دستاویزی ثبوت کی حیثیت رکھتے ہیں؛ اور حقائق تک رسائی کے لئے بطور خاص ممد و معاون ہیں، اور ایسے صادق و عادل اور عینی گواہ ہیں۔ جن کی وزنی گواہی رد نہیں کی جا سکتی۔

ان کی شہادت صرف اس لئے درکار ہے، تا کہ انصاف پسند اور حق کے متلاشی ذہن جان لیں، وہابیت کی اٹھان دیکھنے والے اہل نظر نے اسے کن نظروں سے دیکھا تھا اور الٹے جوبن کی کافر ادائیں اور حشر سامانیوں کے بارے میں کیا رائے قائم کی تھی اور مستقبل کے اہل ایمان کو اس غارت گر ایمان و آگہی کافر حسینہ سے کس طرح ہوشیار و متنبہ کیا تھا؟

(۱) سید شریف وہ پہلے مورخ ہیں، جنھوں نے طاقت کے نشے میں بہکے ہوئے اشاروں کے مظالم و مفاسد کو پھٹی پھٹی، ہراس آگیں نظروں سے دیکھا اور ان تمام کو اپنی علمی تنقید و تبصرہ کے ساتھ ”الخوارج قرن الثانی عشر“، یعنی ”بارھویں صدی کے خارجی“ کے نام سے پیش کیا۔

آپ طائف اور مکہ مکرمہ پر ان کے مظالم کی داستان بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اذ فاجئهم الوهابيون بالهجوم على ارض الحرمين فاراعوهما بغاراتهم فسفكوا فيهما الدماء البريئة وهدموا المقامات الشريفة وارتكبوا من الفظاعة اقصاها، ومن الوحشة اقساها مما تقشعر له الابدان وتدمى منه قلوب اهل الايمان فانهم قتلوا في بلدة الطائف وحدها ما يقرب من الفي مسلم بينهم العلماء والصلحاء والنساء والاطفال :- ۸۷ھ

وہابیوں نے اچانک حرمین پاک پر حملہ کر دیا، غارت گری اور خونریزی سے اہل حرم کو خوف زدہ و ہراساں کیا، مقدس مقامات گرا دیئے، انہوں نے بڑی ہی گھناؤنی حرکات اور وحشیانہ سنگدلی کا ارتکاب کیا، جس کے تذکرے سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور اہل ایمان کے دل خون کے آنسو روتے ہیں، انہوں نے صرف طائف میں تقریباً دو ہزار مرد و زن بچے، جوان، علماء اور صالحین شہید کئے

آگے لکھتے ہیں۔

[ان کی قساوت قلبی کا اس حرکت سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عالی نسب سید عبداللہ کو گھوڑے کی پچھلی ٹانگوں کے ساتھ باندھ کر اسے دوڑا دیا، یہ شریف زادے گھسٹتے، لڑھکتے، ٹھوکریں کھاتے، اسی طرح فوت ہو گئے -]

(۲) سید خاندان ہی کے ایک اور عظیم بزرگ اور سپہر علم و تحقیق کے آفتاب حضرت سید احمد بن زینی دحلان ہیں، آپ نے بھی وہابیوں کی تاریخ اور ان کے عقائد کے رد میں ”الدرر السنیہ“، کے نام سے ایک مختصر کتاب لکھی ہے۔ اور اس میں ان کی حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے۔

ایک جگہ اس تحریک کو عظیم ابتلاء اور فتنہ سے تعبیر کرتے ہوئے اس کی غارت گری سے یوں متعارف کراتے ہیں۔

وهی فتنة من اعظم الفتن التی ظهرت فی الاسلام وحار فيها ارباب العقول - الخ ۸۸ھ

[یہ اسلام میں ظاہر ہونے والا سب سے بڑا فتنہ تھا جس کی شدت کے باعث

۸۷ھ الخوارج قرن ۱۲ ، ۱۴۷

عقل و فکر کی قوتیں مفلوج ہوگئیں، اور ارباب دانش و بینش ہوش کھو بیٹھے۔]

آگے لکھتے ہیں

[اس فتنے کا خطرناک ترین پہلو یہ تھا کہ نجدی کم نظر و بے شعور عوام کو، نیکی کے پردے میں فتنہ آرائی و فساد انگیزی پر آمادہ کرتا تھا، وہ انہیں نماز باجماعت، تقوی و پرہیزگاری اور احتیاط و دیانت کی تلقین کرتا، بدکاری و فحاشی اور غلط روی سے روکتا اس سے وہ یہ سمجھ لیتے کہ یہ شخص بہت ہی متقی اور محتاط ہے، اس طرح وہ پہلے جال اور سنہری پھندے میں پھنس کر، اس کی دوسری باتیں ماننے کے لئے بھی ذہنی طور پر تیار ہو جاتے چنانچہ وہ انہیں مغالطہ آمیز منطق اور چکنی چپڑی باتوں کے ذریعہ یقین دلا دیتا کہ تمہارے سوا سب کافر ہیں، نتیجہ یہ نکلتا کہ وہ مسلمانوں کو کافر سمجھ کر ان پر ظلم ڈھانے اور ہر ستم روا رکھنے کے لئے تیار ہو جاتے[88]]

(۳) حسین احمد مدنی صاحب اس مسلک کے آدمی ہیں، جو وہابی مسلک ہی کی ایک شاخ ہے مگر انہوں نے بھی ابن عبدالوہاب نجدی کو ظالم و فاسق شخص قرار دیا ہے جو وہابی مسلک اور اس کے بانی کے خلاف اتنی بڑی گواہی اور ٹھوس شہادت ہے، جس کے ہوتے ہوئے شیخ نجدی کے بارے میں کسی اور گواہی کی بھی ضرورت نہیں۔

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

مدنی صاحب لکھتے ہیں۔

[صاحبو! ابن عبدالوہاب نجدی، ابتداء تیرہویں صدی نجد عرب سے ظاہر ہوا، اور چونکہ خیالات باطلہ اور عقائد فاسدہ رکھتا تھا، اس لئے اس نے اہل سنت و جماعت سے قتل و قتال کیا، ان کو بالجبر اپنے خیالات کی تکلیف دیتا رہا۔ ان کے اموال کو غنیمت کا مال اور حلال سمجھا گیا، ان کے قتل کرنے کو باعث ثواب و رحمت شمار کرتا رہا۔ اہل حرمین کو خصوصاً اور اہل حجاز کو عموماً اس نے تکلیف شاقہ پہنچائیں، سلف صالحین اور اتباع کی شان میں نہایت گستاخی اور بے ادبی کے الفاظ استعمال کئے، بہت سے لوگوں کو بوجہ

[88] درر سنیہ ۶۰ ۴م

اس کی تکلیف شدیدہ کے مدینہ منورہ، مکہ معظمہ چھوڑنا پڑا اور ہزاروں آدمی اس کے اور اس کی فوج کے ہاتھوں شہید ہوگئے۔]

[الحاصل وہ ایک ظالم و باغی، خونخوار فاسق شخص تھا۔[89]]

شیخ نجدی کے بارے میں مدنی صاحب کی دوٹوک، واضح اور بے لاگ رائے کے بعد مزید کسی رائے کی ضرورت تو نہیں، مگر تائید مزید کے لئے رشید احمد گنگوہی صاحب کی رائے بھی ظاہر کر دیتے ہیں، جو مدنی صاحب ہی کے ہم مسلک ہیں، اور اپنے گروہ میں بڑا اونچا مرتبہ رکھتے ہیں، انہوں نے بھی ہچکچاتے ہوئے دبی زبان سے شیخ نجدی کی شدت پسندی اور فساد کا اعتراف کیا ہے۔

لکھتے ہیں؛

[البتہ ان کے مزاج میں شدت تھی، مگر وہ اور ان کے مقتدی اچھے ہیں، مگر ہاں جو حد سے بڑھ گئے، ان میں فساد آگیا۔][90]

(۴) اردو کے مشہور ادیب ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی نے بی بی سی لندن کی فرمائش پر مختلف تحریکوں کا جائزہ لیا تھا اس سلسلہ میں تحریک وہابیت پر ان کی جو تقریر نشر ہوئی اسے روزنامہ امروز لاہور نے ۴ اگست ۱۹۵۶ء کو شائع کیا تھا اس کا ایک اقتباس درج ہے، جو حقیقت میں وہابیت کے طویل سیاہ اعمالنامے کی صرف ایک سطر ہے۔

"عبدالعزیز نے مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، کربلائے معلی پر بھی قبضہ کر لیا، اس حرکت سے عالم اسلام کی آبادی میں غم و غصہ کی لہر پھیل گئی، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں اس سے اس نوع کی قابل اعتراض حرکات بھی سرزد ہوتی رہیں، مثلاً ایک روایت یہ ہے کہ اس نے خانہ کعبہ کا غلاف اتار کر اسے برہنہ کر دیا، آخر ۱۸۰۴ء میں عبدالعزیز ایک ایرانی کے ہاتھ سے جس کا نام عبدالقادر تھا، قتل ہوگیا، اس کے بعد اس کا بیٹا جو اس سلسلے کا تیسرا سعود ہے، تخت پر بیٹھا اس نے من و عن اپنے باپ کے مسلک کی پابندی کی۔ اور وہابی عقائد کی ترویج کی خاطر ہر قسم کے جبر و تشدد کو روا رکھا۔ مثلاً

[89] شہاب ثاقب، باب اول، ۴۲م : [90] فتاوی رشیدیہ، قرآن محل ۲۳۵

اس نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزارِ اقدس کو بالکل برہنہ کر دیا، اور وہاں کے تمام خزانے لوٹ لئے۔ اور اس بیش قیمت سامان کو ساٹھ اونٹوں پر لاد کر اپنے دار السلطنت میں بھیج دیا یہی سلوک اس نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے مزاروں کے ساتھ کیا حد یہ ہے کہ اس نے مزارِ نبی کے قبہ کو بھی گرا دینے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن پھر بعض وجوہ سے اس مذموم ارادے کی تکمیل نہ ہو سکی، ابن سعود نے حکم دیدیا تھا کہ سوائے وہابیوں کے کوئی شخص حج نہیں کر سکتا، چنانچہ کئی برس تک دیگر اسلامی ممالک کے لوگ حج سے محروم رہے۔

ابتدا میں وہابیت ایک مذہبی تحریک تھی...... لیکن آہستہ آہستہ یہ تحریک سیاسی رنگ اختیار کر گئی اور جب فرمانروایانِ نجد نے ترکی حکومت کے خلاف مسلسل جنگ وجدل کا سلسلہ شروع کر دیا تو اس تحریک کے تمام حامی سلطنت کے باغی قرار دیئے گئے...... مصیبت یہ تھی کہ وہابیوں نے تالیف قلب یا مناظرہ ومکالمہ کی بجائے ہر جگہ لوگوں کو بزورِ شمشیر اپنا ہم خیال بنانا چاہا، اس جبر و تشدد کا ردِ عمل لازمی تھا، چنانچہ وہابیت دلوں میں گھر نہ کر سکی اور لوگ اس سے متنفر ہوتے گئے، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور کربلائے معلی میں وہابیوں نے جو حد درجہ قابلِ اعتراض حرکتیں کی تھیں انہوں نے مسلمانوں کے ہر طبقے کو رنجیدہ و مشتعل کر دیا تھا

(۵) آجکل دیوبندی حضرات اعتقادی اور نظریاتی اعتبار سے وہابیت سے بہت قریب ہیں۔ مگر جب وہابیت نے پر پرزے نکالے تھے، اور تازہ تازہ جنم لیا تھا اس وقت اس کے کارنامے دیکھ کر انہیں بھی تسلیم کرنا پڑا تھا، کہ وہابیت کا اسلام، شریعت، خدا اور رسول سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور یہ مسلمانوں کی عظمت و شوکت رفتہ کی دشمن ہے۔

چنانچہ وہابیوں نے سرزمین مقدس میں جو طوفان بے اماں برپا کیا تھا، اس کے خلاف جب برصغیر میں غم و غصہ کا اظہار کیا گیا، تو ان ہی دنوں پیرزادہ بہاؤ الحق قاسمی صاحب نے "نجدی تحریک پر ایک نظر" کے نام سے ایک کتابچہ شائع کیا اور اس میں وہابیت پر بھرپور تنقید کی، اس کے کچھ اقتباسات یہاں پیش کئے جاتے ہیں، جو اس حقیقت کا

زندہ ثبوت ہیں، کہ پہلے دیوبندی حضرات کی نظر میں بھی وہابیت مذموم اور ناقابل برداشت تھی۔ اگرچہ اب حالات نے انہیں اس کی ستائش اور اس کے ساتھ سمجھوتہ کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ مگر صداقت تو بہر حال صداقت ہوتی ہے۔ جو کبھی چھپ نہیں سکتی، اور ماضی و حال میں اپنا لوہا منوا کر ہی رہتی ہے، جس طرح وہابیت کے بارے میں قاسمی صاحب کے ان ارشادات سے پتہ چلتا ہے۔

صفحہ اول پر رقمطراز ہیں۔

(الف) مکہ معظمہ اور طائف شریف پر نجدیوں کا قبضہ کیا ہوا، گویا ایک خوابیدہ فتنہ تازہ ہو گیا دبی ہوئی چنگاریوں سے پھر ایک دفعہ شعلے اور شرارے اٹھنے لگے بحث و مباحثہ بلکہ سلسلۂ مناقشات کا دروازہ مفتوح ہو گیا۔ نجدیوں کی تائید و تردید میں کتابوں رسالوں، اخباروں، اور اشتہاروں کا تانتا بندھ گیا۔ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ سلسلہ کہاں اور کب ختم ہو گا؟

میں بھی اس اثنا میں ایک مختصر سا ٹریکٹ لکھ چکا ہوں جس میں نجدیوں کی اسلام کُش حکمتِ عملی اور نصاریٰ پرستی کے چند واقعات لکھنے کے بعد ان کے ناقابلِ برداشت مذہبی تشدد کے بعض ثبوت پیش کئے ہیں۔ یہ ٹریکٹ بہت سے حامیانِ نجدیہ کی خدمت میں بھی ارسال کیا گیا تھا۔ مگر اس وقت تک اس پر کسی صاحب کا مدلل تبصرہ نظر سے نہیں گذرا

(ب) قاسمی صاحب نے زور دے کر کہا ہے، جن لوگوں کو دیوبندی مسلک میں اتھارٹی حاصل ہے، جب ان سے نجدی تحریک کے بارے میں اور وہابیوں کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے سختی کے ساتھ براءت کا اظہار کیا، اور وہابیت کو بغاوت قرار دیا۔ سوال و جواب کی صورت میں پورا اقتباس یہ ہے۔

سوال "محمد بن عبد الوہاب نجدی حلال سمجھتا تھا مسلمانوں کے خون اور ان کے مال و آبرو کو اور تمام لوگوں کو منسوب کرتا تھا شرک کی جانب اور سلف کی شان میں گستاخی کرتا تھا۔ اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

جواب ہمارے نزدیک ان کا وہی حکم ہے جو صاحب درمختار نے فرمایا ہے کہ "خوارج ایک جماعت ہے شوکت والی، جنہوں نے امام پر چڑھائی کی تھی تاویل سے کہ امام کو باطل یعنے کفر یا ایسی معصیت کا مرتکب سمجھتے تھے۔ جو قتال کو واجب کرتی ہے۔ اس تاویل سے یہ لوگ ہمارے جان اور مال کو حلال سمجھتے اور ہماری عورتوں کو قیدی بناتے ہیں۔"

آگے فرماتے ہیں کہ "ان کا حکم باغیوں کا ہے۔"

پھر یہ بھی فرمایا کہ "ہم ان کی تکفیر صرف اس لئے نہیں کرتے کہ یہ فعل تاویل سے ہے۔ اگرچہ باطل ہی سہی۔"

اور علامہ شامیؒ نے اس کے حاشیہ میں فرمایا ہے: "جیسا کہ ہمارے زمانے میں عبدالوہاب کے تابعین سے سرزد ہوا۔ کہ نجد سے نکل کر حرمین شریفین پر متغلب ہوئے۔ اپنے کو حنبلی بتاتے تھے لیکن ان کا عقیدہ تھا کہ بس وہی مسلمان ہیں اور جو ان کے عقیدہ کے خلاف ہو وہ مشرک ہے۔ اور اسی بنا پر انہوں نے اہلسنت اور علماء اہلسنت کا قتل مباح سمجھ رکھا تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شوکت توڑ دی۔"

(ج) "درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے" یہ عنوان دے کر قاسمی صاحب وہابیت کی قلعی یوں کھولتے ہیں

"وہابی تحریک" کے متعلق جو رائیں پیش کی گئی ہیں۔ اُن کا اگرچہ میں نے جواب دے دیا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ زید، عمر و بکر کی رائیں اس تحریک کے حسن و قبح پر روشنی نہیں ڈال سکتیں جبکہ خود اس تحریک کے ثمرات ہی اس کی حقیقت کو واضح کر سکتے ہیں۔ میں علیٰ وجہ البصیرت کہتا ہوں کہ وہابی تحریک کا ثمرہ کافر سازی، مشرک گری، اسلامی سلطنتوں کی تباہی و بربادی، مقامات مقدسہ کی توہین، اور نصاریٰ کی غلامی کے سوا کچھ نہیں

(د) "کافر سازی اور مشرک گری" کے عنوان کے تحت لکھا ہے:

موجودہ امیر نجد نے مکہ معظمہ پر قابض ہو کر اپنے عقائد کی اشاعت کے سلسلہ میں سب سے پہلے جو کتاب شائع کرا کر مفت تقسیم کی وہ "مجموعۃ التوحید" ہے۔ اس کے متعدد مقامات میں اچھے خاصے مسلمانوں کو کافر، مشرک، بدعتی، اور خدا جانے کیا کیا بنایا گیا ہے۔

(ہ) انہی دنوں، مولوی ثناء اللہ اس گروہ کے سرخیل تھے جو وہابیت کی تائید و حمایت میں پیش پیش تھا اور وہابیوں کے طرزِ عمل کو درست قرار دیتا تھا۔ ان کے ہاں حیاتِ طیبہ کے نام سے ایک کتاب فروخت ہوتی تھی،

قاسمی صاحب نے اس کتاب کا ایک اقتباس دے کر وہابیوں کو آئینہ دکھانے کی کوشش کی ہے

مقاماتِ مقدسہ کے ساتھ نجدیوں کی گستاخی مشہور ہے نعت خوانانِ نجدیہ اگرچہ اس سے انکاری ہیں مگر تابکے؟ کتاب "حیاتِ طیبہ" میں اگرچہ نجدیوں کی خوب تعریف کی گئی ہے مگر بعض مقامات پر حقیقت کا اعتراف کرنا پڑا ہے اس میں لکھا ہے کہ۔

"۱۸۰۳ء کے اختتام پر مدینہ بھی سعد کے قبضہ میں آگیا۔ مدینہ لیکر اس کے مذہبی جوش میں یہاں تک اُبال آیا کہ اُس نے اور مقبروں سے گذر کر خود نبی اکرم کے مزار کو بھی نہ چھوڑا۔ آپ کے مزار کی جواہر نگار چھت کو برباد کر دیا۔ اور اس چادر کو اُٹھا دیا جو آپکی قبر مقدس پر پڑی تھی۔" (صد ۲۰۹)

(و) مسلمانوں کی صدیوں سے قائم مستحکم و قابل فخر حکومت و خلافت کو سبوتاژ اور پارہ پارہ کرنے میں وہابیوں نے جو کردار ادا کیا، قاسمی صاحب نے اس سے بھی پردہ اٹھایا ہے۔

وہابی فرقہ جب سے عالمِ وجود میں آیا ہے اسلامی بادشاہوں سے برابر لڑتا رہا۔ اس فرقہ نے ترکی سلطنت کو مٹانے کی ہمیشہ کوشش کی بنظر اختصار چند ثبوت عرض کرتا ہوں۔

(۱) کتاب مذکورہ (حیاتِ طیبہ) میں لکھا ہے کہ:۔

"عبدالعزیز کے بعد اس کا بڑا بیٹا سعد اپنے باپ سے زیادہ پرجوش نکلا

اُس نے اور بھی فتوحات کو وسعت دی اور ترکی سلطنت کو ہلا دیا۔" (ص۲۰۵)

پھر اسی کتاب کے اسی صفحہ میں ہے۔

"سعد نے بیس ہزار فوج سے سلیمان پاشا سے مختلف جنگوں میں پے در پے فتوحات حاصل کیں اور اس کی فوج کے آگے ترکوں کی ملکی اسپرٹ کی دال نہ گلی"

(۲) یہ تو خود ترکی سلطنت کیساتھ نجدیوں کا سلوک رہا۔ ترکوں کے نہایت گہرے دوست ابن رشید امیر حائل مرحوم اور ان کے خاندان پر نجدی ظالموں نے انگریزوں کی طرفداری میں جو مظالم توڑے اس کی مختصر کہانی عالی جناب ظفر علیخاں صاحب ایڈیٹر "زمیندار" کی زبانی سُناتا ہوں۔ ایڈیٹر صاحب موصوف نے اپنے اخبار میں ایک مضمون؎ لکھا تھا جسکا عنوان ہے۔

"ہمارے قبلہ کو وہابیوں نے لوٹ لیا"

جسکو مندرجہ ذیل سطور سے شروع کیا گیا تھا:۔

"وسطِ عرب میں حائل ایک زبردست امارت ہے جس کے فرمانروا امیر ابن رشید کے قتل کی افسوسناک خبر پچھلے دنوں بعض انگریزی اخبارات میں چھپی تھی۔ "لندن ٹائمز" اپنی ۱۰ مئی کی اشاعت میں امیر مغفور کے واقعہ قتل کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:۔

"دورانِ جنگ میں ابن رشید ترکوں کا حلیف تھا اور ابن سعود جو وہابیہ کے امیر ہیں دولِ متحدہ کی طرفداری میں اس سے برسرِ پیکار تھے۔ ابن رشید کا خاندان کئی نسلوں سے قاتل کے خنجر کا شکار ہوتا چلا آیا ہے اور اب شاید بجز ایک طفلِ شیر خوار کے ابن رشید کی نسل بالکل ہی مٹ گئی ہے۔"

(زمیندار ۱۲ جون ۱۹۲۰ء)

؎ یہ مضمون ذرا طویل ہے عدم گنجائش کے باعث پورا نقل نہیں ہو سکتا ایڈیٹر صاحب نے اسی مضمون میں لکھا تھا کہ وہابی صلیب کی لڑائی لڑتے ہیں اور یہ کہ وہابیت، کذب، بغاوت، اور سرکشی کی مترادف ہے امنہ

("نجدی تحریک پر ایک نظر"، صفحہ ۱۱)

وہابیوں کی سفاکی و خونخواری، اور توہین و بے ادبی کے باعث، برصغیر کے مسلمانوں کا خون کھول اٹھا تھا چنانچہ وہابیوں کو مذموم ارادوں سے باز رکھنے کیلئے ایک انجمن کی تشکیل کی گئی" قاسمی صاحب کے الفاظ میں اس انجمن کے اغراض و مقاصد یہ تھے۔

انجمن خدام الحرمین امرتسر

آویزش نجد و حجاز سے جو نازک صورت حالات پیدا ہو گئی ہے اُسکی اصلاح کے لئے دردمندانِ اسلام نے لکھنؤ میں "انجمن خدام الحرمین" کے نام سے ایک جمعیۃ قائم فرمائی ہے جس کی صوبہ وار اور ضلع وار شاخیں قائم کرنیکی کوشش ہو رہی ہے۔ انہی مقاصد کو ملحوظ رکھکر امرتسر میں بھی اسی نام سے انجمن کی بنیاد رکھدی گئی ہے اس انجمن کے اغراض و مقاصد کا اجمالی نقشہ حسب ذیل ہے

(اول) جزیرۃ العرب کو غیر مسلم اثر سے پاک کرنا۔

(سوم) حجاز میں حجازیوں کی مرضی کے مطابق ان کو تشکیل و قیام حکومت میں مدد دینا

(چہارم) عالم اسلام تک یہ آواز پہنچانا کہ مسلمان

(۱) حجاز میں خونریزی کو بند کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کریں۔

(۲) مقاصد اول و دوم کے حصول کیلئے جدوجہد کریں۔

(۳) اہل حجاز کی بالعموم اور اہل مدینہ کی بالخصوص امداد کیلئے ہاتھ بڑھائیں۔

نبوی اخبارِ غیب میں وہابیت کی نشاندہی

کائنات ہستی میں نگاہِ نبوت ہی کو یہ بے مثل اور انمول اعجاز حاصل ہے کہ اس کے سامنے مکان کے فاصلے مٹ جاتے اور زماں کی طنابیں کھنچ جاتی ہیں، ماضی و مستقبل کے امتیازات و اعتبارات اپنا وجود کھو دیتے اور وقت کے منہ زور دھارے اپنا رخ بدل لیتے ہیں، اللہ کے نبی کی دور اندیش حقیقت بیں نورانی آنکھ ماضی میں گزرے ہوئے اور مستقبل میں ہونے والے واقعات و حوادث کو حال کے اجالوں میں موجودات کی طرح دیکھتی اور پیشِ نظر مظاہر کی طرح مشاہدہ فرماتی ہے۔

قدسی نفوس انبیائے کرام کو قدرت کا یہ ایک ایسا بیش بہا اور پر نور عطیہ اور بے مثل انعام ہے، جسے قرب ربانی اور خاص مقبولیت کی علامت کبریٰ کے سوا کوئی اور نام نہیں دیا جا سکتا، کیونکہ قرب خاص کے لئے انعامات بھی خاص اور منفرد ہی ہوتے ہیں چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خاص اور عام محفلوں میں اس معجزے کا اظہار، اس کثرت اور تواتر کے ساتھ ہوتا تھا کہ پاس بیٹھنے والے، کشف اور غیب کی باتوں سے آگاہ ہوتے اور پھر ان کے پورا ہونے کا عمل اور نظارہ کرتے ہی رہتے تھے۔

مختلف مقامات پر آپ نے مستقبل میں جھانک کر جو غیبی خبریں دیں، اور پھر وہ پیشن گوئی اور فرمودۂ نبوی کے مطابق پوری ہوئیں، ایسی اخبارِ غیب زمانیات کی ابتدا سے لے کر انجام کائنات کے ہر دور اور ان کے تفصیلی احوال کے بیان تک پھیلی ہوئی ہیں، جنہیں پڑھ کر معمولی فہم و فراست کا ایماندار آدمی بھی یہ اندازہ لگا سکتا ہے، کہ نبوی علم کے بحرِ ذخار کی بے کرانی کا کیا عالم ہے؟ اور خدا نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو حقائق و معارف اور اسرار و رموز پر اطلاع کے ساتھ کیسی قدسی و نورانی نظر سے نوازا ہے، جس کے آگے ماضی و مستقبل کا دبیز حجاب بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتا، اور سب کچھ شفاف آئینہ کی طرح انعکاس پذیر ہو جاتا ہے۔

کتب احادیث کے وسیع دامن میں قیمتی یادگاروں کے بے امول و شاہکار موتی محفوظ ہیں کہ صبح معراج، قریش کے مطالبہ پر نگاہ اٹھائی اور بیت المقدس کی نشانیاں گن کر بتا دیں، جنگ موتہ کی تفصیلات، مسجد نبوی میں من وعن اس وقت بیان فرمائیں جبکہ مجاہدین معرکہ کارزار میں مصروف جہاد تھے، اور ان کی شہادت پر عین اسی موقعہ پر آپ مسجد نبوی میں آنسو بہا رہے تھے، ملک حبشہ میں پڑا ہوا نجاشی کا جنازہ سامنے ملاحظہ فرما کر پڑھا، اور اسلامی غازیوں کے زیر نگین آنے والے قیصر و کسریٰ کے وہ سارے علاقے ملاحظہ فرمائے جو دورِ فاروقی میں مفتوح ہوتا تھے۔

واقعات بتاتے ہیں مستقبل کے حوادث و فتن پر آپ کی نظر تھی۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔

(الف) اشرف النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی اطم من آطام المدینۃ فقال: ہل ترون ما اری؟ انی لاری الفتن تقع خلال بیوتکم مواقع القطر ۹۱

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ٹیلے کے اوپر سے دور خلاؤں میں گھور کر دیکھا، اور فرمایا جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں۔ کیا تم دیکھ سکتے ہو؟ میں ان فتنوں کو دیکھ رہا ہوں جو قطرہ ہائے باراں کی طرح، تمہارے مسکنوں میں گریں گے۔

یہ روزِ روشن کا واقعہ ہے کہ تودۂ ریگ پر کھڑے کھڑے آپ نے آئندہ دور کے جانگسل اور پر خطر فتنوں کا مشاہدہ فرمایا۔ اور یہ ایک شب تار کا واقعہ ہے، آپ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے کاشانۂ قدسی میں استراحت فرما تھے کہ دفعتاً اٹھ بیٹھے اور دو انگلیوں سے حلقہ بنا کر فرمایا:

لا الٰہ الا اللہ ویل للعرب من شر قد اقترب فتح الیوم من ردم یاجوج وماجوج مثل ہذہ ۹۳

عرب کے لئے ویل ہے۔ شر قریب آگئی ہے کیونکہ آج اس حلقے کے برابر یاجوج ماجوج کی دیوار میں شگاف پڑ گیا ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں۔

۹۱ بخاری، ۵۰۸ : ۹۲ بخاری، ۵۰۸ : ۹۳ بخاری، ۵۰۸

ستکون فتنۃ القاعد فیھا خیر من القائم والقائم فیھا خیر من الماشی والماشی فیھا خیر من الساعی من استشرف لھا یستشرفہ ومن وجد ملجأ او معاذا فلیعذ بہ ۹۳

عنقریب ایک فتنہ رونما ہوگا جس میں بیٹھا ہوا آدمی اس شخص سے بہتر ہوگا جو کھڑا ہو، کھڑا انسان چلنے والے سے اور وہ بھاگنے والے سے بہتر ہوگا۔ جو ان فتنوں کو سر اٹھا کر دیکھنے کی کوشش کرے گا وہ ان میں پھنس جائے گا، اس لئے جہاں کسی کو پناہ گاہ نظر آئے وہ پناہ لے لے۔

ایک روایت میں اس فتنے کے بارے میں یہ وضاحت ہے۔

اللسان فیھا اشد من وقع السیف ۹۴

اس میں زبان کی کاٹ، تلوار سے زیادہ اذیت ناک اور سخت ہوگی۔

(د) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت، مستقبل کے حوادث و حالات کے سلسلے میں بڑی ہی سادہ واضح اور معنی خیز ہے۔

اخبرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بما ھو کائن الی ان تقوم الساعۃ، فما من شیئ الاقد سالتہ، ۹۵

حضور مخبر صادق نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک ظاہر ہونے والے تمام واقعات و حوادث کی مجھے خبر دی۔ میں نے بھی کوئی چیز نہ چھوڑی جس کے بارے میں سوال نہ کیا ہو۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ صحابہ کرام میں "رازدارِ نبی" کے لقب سے مشہور تھے، کیونکہ ان کا مزاج دیگر حضرات سے کچھ مختلف واقع ہوا تھا، یہ آئندہ کی غیبی باتیں معلوم کرنے کے بڑے رسیا اور دلدادہ تھے، مستقبل کے حالات معلوم کرتے رہتے، جس وجہ سے ان کے پاس غیر وقوع پذیر، غیبی خبروں کا خاصا ذخیرہ اکٹھا ہو گیا تھا، چنانچہ جب کسی غیبی خبر کے بارے میں صحابہ کرام کو تردد ہوتا وہ ان ہی کی طرف رجوع کرتے اور جواب مطلوب

۹۳ بخاری، ۵۰۸؛ ۹۴ [illegible] ۵۱: ۹۵ مسلم، ۲: ۳۹۰

پاکر مطمئن ہو جاتے۔ یہاں تک فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کی زبان سے اپنی شہادت کی کیفیت معلوم کی اور حضرت حذیفہ نے یہ بھی بتایا کہ آپ کو شہید کر کے فتنوں کا دروازہ کھول دیا جائے گا۔ ۹۶

اپنے اس علمی مشغلہ کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے حضرت حذیفہ فرماتے ہیں:
لوگ عموماً خیر و نجات، اور برکت و سعادت کے متعلق استفسارات کیا کرتے تھے، مگر میرے سوالات مستقبل قریب و بعید میں جنم لینے والی فتنہ آرائیوں، شر و فساد کی نقیب تحریکوں اور امن و امان تباہ کرنے والی شورشوں کے بارے میں ہوا کرتے تھے۔ میں چاہتا تھا ضلالت و گمراہی کے تمام خد و خال، اور بداعتقادی و ذہنی کجروی کے تمام نشیب و فراز سے آگاہ ہو جاؤں، تاکہ کوئی فتنہ انگیز تحریک میرے اعتقاد و نظریہ اور صراطِ مستقیم پر چلنے کے جذبۂ صادق کو خراب و برباد اور متاثر نہ کر سکے

اپنے اسی ذہنی میلان کے باعث ایک روز میں نے دربارِ رسالت میں عرض پیش کی:
(یا رسول اللہ! ہم لوگ دورِ جاہلیت کی خرافات میں مبتلا تھے، قدرت نے ہمیں ان اوہام و اباطیل کے پھندوں سے نکال کر اسلام کی رہنمائی کی روشنی عطا کی، اور خیر و فلاح کے خزانوں سے مالا مال کیا، کیا اس خیر کے بعد کسی شر کا اندیشہ ہے؟)

جواب اثبات میں ملا۔

میں نے اس شر کے بعد دنیا میں خیر و عافیت اور امن و سکون کی کیفیت معلوم کرنے کے لئے سوال کر دیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سوال در سوال کے باوجود کسی ناراضگی یا خفگی کا اظہار فرمانے کی بجائے اس شر کے بعد خیر کی صورتِ حال سے یوں مطلع کیا کہ:
خیر، دنیا میں ظہور پذیر تو ہوگی، مگر اپنی خالص شکل و صورت میں نہیں! اس دود آمیز خیر کے دور میں لوگوں کی حالت ملی جلی ہوگی، پسندیدہ اور ناپسندیدہ دونوں قسم کے خصائل ان میں موجود ہوں گے۔

اب میرا سوال اسی "غیر خالص خیر" کے بعد کے دور سے متعلق تھا، آپ نے

۹۶ بخاری، ۵۰۷

اس کا جواب بھی پوری تفصیل کے ساتھ عنایت فرمایا کہ:

دعاة علی ابواب جهنم من اجابهم الیها قذفوه فیها

دوزخ کے دروازے کی طرف بلانے والے لوگ پیدا ہو جائیں گے، جو ان کی دعوت قبول کرے گا وہ اسے دوزخ میں پھینک دیں گے۔

میں نے ایسے دعوت بازوں کی نشانیاں پوچھیں تو فرمایا:

ان کی شکل وصورت ہمارے جیسی ہوگی۔ کتاب وسنت کی زبان میں بات کریں گے، لیکن ہمارے ساتھ ان کا کوئی تعلق اور سروکار نہیں ہوگا۔ اگر ایسے لوگوں کے ساتھ سابقہ پڑ جائے تو کسی قیمت پر ان کا ساتھ نہ دو، بلکہ مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کے ساتھ وابستہ رہو، اگر ایسے حالات پیدا ہو گئے ہوں کہ مسلمانوں کا کوئی امام ہی نہ ہو، تو بھی ان کا ساتھ دینے کی اجازت نہیں، ان فرقوں سے الگ رہ کر تنہا زندگی گزار لو مگر ان کے شر سے بچو۔ [97]

یہ نبوی ارشادات اور مستقبل کے حالات کی واضح تفصیلات اس حقیقت ثابتہ کی شاہد عادل ہیں کہ نبوی نگاہ زمان ومکان کے حجابات کو چیرتی ہوئی نکل جاتی تھی، اور کوئی پوچھنے والا اشتیاق ہوتا تو آپ جزئیات تک کے بیان سے بھی گریز نہیں فرماتے تھے۔

بارہویں صدی میں فتنہ وہابیت اپنے جملہ لوازم وخصائص کے ساتھ نمودار ہوا۔ آپ نے اسکی تفصیلات بھی بیان فرمادی ہوئی ہیں اور اس طرح ان کی صفات وعادات سے پردہ اٹھایا ہے۔ گویا انہیں دیکھ رہے ہیں۔ اگر ایک انصاف پسند ذہن کا انسان غیر جانبدار ہو کر ان ارشادات میں غور کرے تو جہاں ایک طرف وہابیت کے تمام خط وخال، احادیث میں واضح نظر آجاتے ہیں، وہاں اپنے عظیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی علمیت وبصیرت اور کمال رویت کا یہ معجزہ دیکھ کر ایمان کو جلا اور تازگی بھی نصیب ہوتی ہے۔

اہل نظر کے لئے وہابیت پر منطبق احادیث سلیقے کے ساتھ پیش کی جاتی ہیں، شاید اس حقیقت کبریٰ کا اظہار کسی کے لئے توبہ ورجوع کا باعث بن جائے، اور سعادت کے سدا بہار

ے ۹۷، بخاری، ۵۴۱

پھول اس کے گلے کا ہار ہو جائیں۔

دربار نبوی کی علمی مجالس

(الف)

علوم ومعارف کے نورانی موتی اور لازوال خزانے لٹانے کے لئے دربار نبوی میں علمی مجلسیں منعقد ہوتی رہتی تھیں جن میں کائنات کی ابتداء وانتہا، گزشتہ حالات وواقعات اور دنیا میں آئندہ رونما ہونے والے حوادث زیر بحث آتے رہتے، اور حاضرین غیبی باتوں کے مختلف گوشوں سے آگاہ ہو کر اپنے دلوں میں سکون وسرور کی دولت فراواں اکٹھی کرتے رہتے۔

ایک روز ایک ایسی ہی مجلس برپا تھی، قدسیوں کی محفل میں ماکان اور مایکون کی خبروں کا دلچسپ وایمان افروز موضوع چھڑا ہوا تھا، اپنے محبوب کی زبان پاک سے حیرت انگیز ودانش افروز باتیں سن کر صحابہ کرام مسرور ومحظوظ ہو رہے تھے کہ اقرع بن حابس زید طائی، عیینہ بن بدر اور علقمہ عامری بھی وہاں پہنچ گئے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غیبی وایمان افروز باتوں سے ایمان کو تقویت وجلا دینے کے لئے اقرع بن حابس کو باتیں سننے اور ان سے پیدا ہونے والے یقین کے نتیجے میں ملنے والی جنت کی بشارت دی۔

مگر ابن حابس اس وقت کچھ اتنے ضرورت مند اور محتاج تھے کہ بشارت جنت سے زیادہ انہیں جسم وجاں کا رشتہ باقی رکھنے کے لئے مالی امداد واعانت اور دیگر اشیاء کی ضرورت تھی جس کا انہوں نے برملا اظہار کر دیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو انکی بے صبری، قدر ناشناسی اور بے رغبتی پسند نہ آئی، اتفاق سے اہل یمن اسی وقت پہنچ گئے آپ نے ان سے فرمایا۔

بنو تمیم محرومی کا شکار ہو گئے ہیں، تم ایمان وحکمت کی باتوں سے قلب وروح کو قوت وتوانائی عطا کرو!

اہلِ یمن نے بڑی رغبت، دلچسپی، انس اور لگاؤ کا مظاہرہ کیا، اور توجہ و انہماک کے ساتھ ارشاداتِ نبوی سننے میں مصروف ہو گئے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیچیدہ کائنات کے مبدا و معاد کے بارے میں حیران کن حقائق سے پردہ اٹھانا شروع کر دیا۔ ایسے رموز و اسرار اور نادر واقعات بیان فرمائے کہ حاضرین ششدر رہ گئے، یہ ایک بلیغ اور ایمان افروز خطبہ تھا جس نے حاضرین پر یہ حقیقت ثابت کر دی کہ آئندہ کے حالات اللہ کے نبی پاک سے پوشیدہ نہیں ہیں، خدا تعالیٰ نے آپ کو عالم قدس کی نورانی صلاحیتیں، بصیرتیں اور استعدادیں عطا فرمائی ہیں، جن کے دائرہ میں ماضی و مستقبل نورانی کرنوں کی طرح مقید ہیں، علم نبوت کے بے کراں سمندر میں یہ حضرات بہتے چلے جا رہے تھے، اور مستقبل کے واقعات کو تصور کی آنکھ سے لوحِ ذہن پر متحرک دیکھ رہے تھے کہ اچانک باہر سے ایک شخص آیا۔

حضرت عمران کہتے ہیں، میری پوری توجہ خطبۂ مبارک پر لگی ہوئی تھی کہ اس نے میرے کان میں کہا: تمہاری اونٹنی بھاگ گئی ہے۔

میں نہ چاہتے ہوئے بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ دور صحرا میں اس کا ہیولیٰ نظر آیا، اس کی طرف چل دیا، بعد کو ہمیشہ افسوس رہا، اے کاش! میں اونٹنی کی گمشدگی گوارا کر لیتا مگر اس مجلس علم و معرفت سے غیر حاضر نہ ہوتا جس میں اسرارِ کائنات اور آئندہ کے واقعات سے پردے اٹھائے جا رہے تھے۔ [98]

چونکہ اس مجلس میں اقرع بن حابس نے انعام و اکرام کا مطالبہ کیا تھا، اس لئے کریم آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے محروم کرنا بھی پسند نہ فرمایا۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کافی مال و دولت بھیجا، رحمت مجسم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سارا اقرع بن حابس، زید، عیینہ بن بدر اور علقمہ عامری کو عطا فرما دیا اس طرح نوازا کہ ان کی حرص اور بھوک مٹ گئی [99]

---

[98] بخاری، ۴۵۳ : [99] بخاری، ۷۲م

(ب)

ذوالخویصرہ

خاندان بنو تمیم کا ایک نہایت بدصورت، بدسیرت اور ازلی بدبخت بڈھا ذوالخویصرہ تھا، جس کی شکل و ہیئت دیکھ کر طبع نفیس کو ویسے ہی کراہت آتی تھی، پیشانی بے تحاشا ابھری ہوئی اور جبڑے کی بے ڈھنگی ہڈیاں حد سے زیادہ اونچی تھیں، ماتھے اور جبڑوں کے ابھار میں چشمہ خانے کسی پہاڑ کی اندھی کھوہ کی طرح دکھائی دیتے تھے جن میں دھنسی ہوئی دو چھوٹی چھوٹی آنکھیں تھیں، ڈراونے بھوتوں کے الجھے ہوئے کھردرے بالوں کی طرح اس کی بے ہنگم ڈاڑھی کے بال بے حد گھنے اور بڑھے ہوئے تھے، اس شکل و صورت کے ساتھ وہ بالکل غیر انسانی مخلوق لگتا تھا۔

شانِ جود و سخا اور عطائے نبوی کے یہ ڈھب دیکھ کر آگ بگولا ہو گیا، غضب و اضطراب کے باعث اس کے دماغ پر ہذیانی کیفیت طاری ہو گئی، حرص و طمع کا مارا ہوا اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا، آگے بڑھا، اور بڑی گستاخی سے بولا:

اتق اللہ یا محمد! اے محمد اللہ سے ڈرو! [100]

اعدل اور عدل کرو [101]

اس مکروہ صورت، بدہیئت گستاخ کی زبان سے یہ نازیبا الفاظ سن کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے رگ و ریشہ میں غیظ و غضب کی لہر دوڑ گئی، محبوب کی شان کے خلاف بات سن کر خون کھول اٹھا، اور آنکھوں سے چنگاریاں جھڑنے لگیں تلوار بے نیام کر لی، اور اس کا سر اڑانے کی اجازت طلب کی۔

مستقبل پر نگاہ رکھنے والے دانا و بصیر اور بردبار آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دعه فان له اصحابا یحقر احدکم صلاته مع صلاتهم وصیامه مع صیامهم یقرؤن القرآن لا یجاوز تراقیهم یمرقون من الدین کما یمرق السهم من الرمیة [102]

---

[100] بخاری، ۷۲م : [101] بخاری، ۵۰۹۰ : [102] ایضاً

پہنے دو! (یہ تنہا نہیں ہے) اس کے ساتھیوں کی (طویل ترین اور خشوع وخضوع سے لبریز) نمازوں کے سامنے، تم اپنی نمازوں کو اور ان کے روزوں کے سامنے اپنے روزوں کو حقیر سمجھا کرو، یہ لوگ قرآن پڑھیں گے، لیکن حلق سے اوپر اوپر ہی رہے گا۔ نیچے نہیں اترے گا۔ یہ لوگ دین سے اس طرح خارج ہونگے، جس طرح (فراٹے بھرتا ہوا) تیر شکار کے جسم سے پار ہو جاتا ہے اور تیزی سے گزرنے کے باعث، اس کے کسی حصے پر خون کا ایک قطرہ تک دکھائی نہیں دیتا۔

جب وہ چلا گیا تو آپ نے مستقبل میں پیدا ہونے والی، اسکے خیالات و اعتقادات سے ہم آہنگ، نظریاتی و معنوی یا نسلی اولاد کے بارے میں اپنے صحابہ کرام کو بتایا۔

ان من ضئضئ هذا قوما يقرءون القرآن لا يجاوز حناجرهم يقتلون اهل الاسلام ويدعون اهل الاوثان [103]

اس کی نسل سے ایک قوم ہوگی، جو قرآن پڑھے گی مگر گلے سے نیچے نہیں اترے گا مسلمانوں کو قتل کریں گے، اور بت پرستوں کو چھوڑیں گے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ذوالخویصرہ کی اس قوم کی جلی و خفی، چھوٹی اور بڑی جسمانی اور ذہنی تمام نشانیاں بیان فرمائی ہیں، جن کی روشنی میں قیامت تک پیدا ہونے والی اس قوم اور اولاد کو بڑی آسانی سے پہچانا جا سکتا ہے۔ یہ نشانیاں اس قوم میں اس طرح موجود و نمایاں ہیں کہ ان پر غور کیا جائے تو بے ساختہ اس حقیقت پر ایمان لانا پڑتا ہے، کہ دانائے عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ملاحظہ فرما کر بیان فرمایا ہے، ورنہ نگاہوں سے اوجھل چیز کو اس تفصیل اور جزئیات تک کی شرح کے ساتھ بیان نہیں کیا جا سکتا۔

اس اعجازی شان کا آنکھوں کے سامنے مشاہدہ کر کے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے تصور سے ایمان تازہ اور حق الیقین کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے کہ اللہ پاک کی عطا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم اور نظر کی وسعت و قوت، ہمہ گیری اور کمال کا اندازہ حد ادراک سے خارج ہے، یہ علم بے کراں ہے، مخلوق کے فہم و تصور کے لئے اسکی حدیں سمٹ

[103] بخاری ۴۷۲۶

نہیں سکتیں، اور نہ مخلوق کی عقل میں سما سکتی ہیں۔ نظر کے اعجازی کمال کا بھی یہی عالم ہے ان جلی و خفی علامتوں کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) کالا ٹنڈا

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ذوالخویصرہ کی قوم اور اولاد کی ایک بڑی ہی واضح، عملی اور نمایاں علامت یہ بیان فرمائی کہ ان کے جتھے میں ایک کالا سیاہ ٹنڈا،، شخص ہوگا، اس کے ایک بازو کے آخری حصے پر انگلیوں کی بجائے، عورت کے پستان کی طرح بڑی بھدی بھٹنی سی بنی ہوگی، جو حرکت کرتی رہے گی، جب افراتفری کا عالم طاری ہوگا، اس وقت یہ لوگ خروج کریں گے۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں۔

میں نے حضور کی زبان مبارک سے یہ باتیں خود اپنے کانوں سے سنی ہیں، اور پھر پچیس تیس سال بعد اس واقعہ کو اپنی آنکھوں کے سامنے وقوع پذیر ہوتے دیکھا ہے۔

،، حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان لوگوں نے خروج کیا، خود کو موحد اور مومن قرار دے کر میدان میں آئے اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جیسی عظیم، اسلام کی سرمایہ افتخار اور سراپا عمل و اخلاص ہستی پر یہ الزام لگایا کہ وہ ایمان کے تقاضے پورے کرنے سے قاصر رہے ہیں انہوں نے حقانیت و صداقت اور قرآن کا ساتھ نہیں دیا۔ اس لئے ان کے ساتھ لڑنا ضروری ہے، چنانچہ وہ سر پھرے بد اعتقاد اور شورش پسند لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں صف آرا ہوئے، میں بھی اس جنگ میں شریک تھا، مسلمانوں نے ان گمراہوں کی لاشوں سے میدان بھر دیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا، یہ وہی جتھہ بند لوگ ہیں جن کی شرارتوں اور فتنوں کی ہنگامہ خیزیوں سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلے ہی آگاہ کر دیا ہوا ہے، اس لئے حکم دیا: کالے ٹنڈے،، کو تلاش کرو، جب لاشوں کے نیچے سے اسے گھسیٹ کر نکالا گیا تو میں نے خود دیکھا، حضور علیہ السلام نے اسکی جو نشانیاں بیان

فرمائی تھیں وہ تمام اس میں موجود تھیں۔ مسلمان ان باطل پرستوں کو کیفر کردار تک پہنچا کر بہت خوش ہوئے کیونکہ کھلی ہوئی نشانیاں دیکھ کر انہیں یقین ہو گیا، یہ بادیہ ضلالت کے بھٹکے ہوئے، درماندہ مسافر ہیں جن کے لئے فرمودۂ نبوی کے مطابق دین میں کوئی حصہ نہیں ہے، مگر یہ خود کو دین کا بڑا ٹھیکیدار سمجھے بیٹھے ہیں۔

قال ابوسعید: فاشھد انی سمعت ھذا الحدیث من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واشھد ان علی بن ابی طالب قاتلھم وانا معہ فامر بذالک الرجل فالتمس فاتی بہ حتی نظرت الیہ علی نعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم الذی نعتہ[104]

اس واقعہ میں قابل غور، معنی خیز اور نکتہ رسی کے قابل بات یہ ہے کہ یہ کالا ٹنڈا اور اس کے تمام ساتھی ذوالخویصرہ کی اولاد نہ تھے، حالانکہ حضور علیہ السلام نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا تھا۔

ان من ضئضئ ھذا قوما...... ان لہ اصحابا

(" کہ اس ذوالخویصرہ کی نسل سے ایک قوم ہو گی"، "اس ذوالخویصرہ کے اصحاب اور جتھے دار ہوں گے") ظاہر ہے کالے ٹنڈے کے ہمراہ جتنے لوگ تھے وہ ذوالخویصرہ کی نسلی اولاد نہ تھے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے وہ نظریاتی اور اعتقادی طور پر اس کی اولاد تھے، اور ان میں کوئی قدر مشترک تھی جس کی اساس پر ان کو ذوالخویصرہ کی اولاد اور اصحاب کہا گیا تھا، غور کرنے کے بعد پتہ چلتا ہے، ان لوگوں میں اللہ کے مقبول لوگوں کی شان میں گستاخی اور مقام رسول سے بے اعتنائی کے سوا کوئی قدر مشترک نہیں تھی، اسی ایک بات میں وہ ایک جیسے تھے۔ ذوالخویصرہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عدل پر تہمت لگائی، اور معنوی اولاد نے (جن میں کالا ٹنڈا بھی تھا) حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی شان ایمان کو مورد الزام ٹھہرایا، جس سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ جس فرد یا گروہ میں یہ مذموم صفت پائی جائے گی، وہ ذوالخویصرہ ہی کی اولاد متصور ہو گا چاہے قیامت تک کے کسی زمانے میں پیدا ہو۔

حقائق کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے۔ جس گروہ نے بھی گمراہی باطل پرستی کجروی اور ضلالت کی راہ اختیار کی اس نے اللہ کے مقبول بندوں کی عظمت و اعتدار کرنے اور ان کا بلند مقام گھٹا کر پیش کرنے کو ضرور اپنا شعار بنایا جس بنا پر وہ سب ذوالخویصرہ ہی کی اولاد قرار پاتے ہیں چاہے ابتدائی صدی میں ہوں یا بارہویں صدی میں، یا اس وقت جنم لیں جب دجال ظاہر ہو گا۔

وہابیت نے جب نجد میں خروج کیا تو اس نے بھی یہی پرانا شعار اپنایا، عظمت رسالت مقام ولایت و قرب پر اتنے رکیک علمی اور نظریاتی حملے کئے کہ گذشتہ تمام ریکارڈ توڑ دیئے، جس وجہ سے یہ فتنہ بھی ذوالخویصرہ کی معنوی اولاد قرار پاتا ہے۔ اس دعوے کا قطعی اور ٹھوس ثبوت یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالخویصرہ کے گروہ کی جو صفات بیان فرمائی تھیں، وہ مزید صفات سمیت وہابیہ میں بعینہٖ موجود ہیں جنہیں دیکھ کر یہ باور کرنے میں دیر نہیں لگتی کہ ان کا اور ذوالخویصرہ کا سلسلہ نسب ایک ہی ہے۔ اور جہاں کالا ٹنڈا اس طویل خاندان کی پہلی اور محسوس و مبصر علامت ہے، وہاں نجد سے خروج اس کی دوسری زبردست علامت ہے۔

(۲) نجد سے خروج

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو شر پسندوں اور فتنہ باز گمراہوں کے جنگل سے محفوظ رکھنے کے لئے اتنے مبین ارشادات فرمائے ہیں، کہ شک و شبہ کی گنجائش تک نہیں چھوڑی اتنا کچھ ہونے کے باوجود گمراہوں اور اصلی دشمنوں کو نہ پہچان سکنا، دین سے بے نیازی کی علامت ہے، حد یہ ہے کہ آپ نے فتنوں کے مرکز خروج تک سے آگاہ فرما دیا ہے، اور اپنے طرز عمل سے اس سے تنفر اور بیزاری کا اظہار کیا ہے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرق کی طرف ارشاد کر کے فرمایا!

ھا ان الفتنۃ ھھنا۔ ھا ان الفتنۃ ھھنا من حیث یطلع قرن الشیطان[105]

104۔ بخاری، 510

105۔ بخاری، 463

خبردار! فتنہ یہاں ہے، فتنہ یہیں ہے، جہاں سے شیطان کا سینگ طلوع کرے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روائت کرتے ہیں آپ نے فرمایا۔

راس الکفر نحو المشرق [106]

کفر کا سر، مشرق کی طرف ہے۔

مدینہ منورہ سے مشرق کی طرف سرزمین نجد ہی ہے، جس کی طرف یہ ارشارہ تھا، اس قرینے کی تقویت یا دعوی کے لئے ٹھوس دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام کے سوال و اصرار کے باوجود نجد کے لئے کسی بھی قسم کی دعائے خیر فرمانے سے انکار کیا اور اس کے مستقبل کی کیفیت وحقیقت سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا، وہ فتنوں کی سرزمین ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، حضور نے دعا کی:

اللھم بارک لنا فی شامنا و فی یمننا

اے خدا! ہمارے ملک شام اور یمن میں برکت دے۔

حاضرین نے عرض کی، ہمارے نجد کو بھی اس دعائے خیر و برکت میں شامل فرمالیجئے، مگر آپ نے دوبارہ وہی دعا عطا فرمائی، حاضرین نے پھر اپنی بات دہرائی، آپ نے فرمایا:

ھنالک الزلازل والفتن وبھا یطلع قرن الشیطان [107]

وہاں زلزلے اور فتنے ہیں، وہیں سے شیطان کا گروہ نکلے گا۔

یہ نجد کے مستقبل کے بارے میں اتنی واضح پیش گوئی ہے، کہ کسی تاویل اور من گھڑت تعبیر سے اسے کوئی مفہوم نہیں پہنایا جاسکتا، بارہویں صدی ہجری تک وہابیہ کے سوا نجد سے کوئی ایسی جماعت پیدا نہیں ہوئی جس پر اس پیش گوئی اور غیبی خبر کا اطلاق ہوتا ہو۔

نجد کے وہابی اس حدیث کے حکم سے بچنے کے لئے اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ مدینہ سے مشرق کی طرف مجوس تھے، جو آپ نے مشرق کی طرف اشارہ فرمایا اس سے وہ مراد ہیں، یا پھر اس سے مسیلمہ کذاب مراد ہے۔

مگر دلائل وحقائق کی روشنی میں یہ دونوں مرادیں غلط ہیں۔

[106] بخاری ۲۶۶م ، [107] بخاری ۱۰۱۲ء

مجوس اس لئے مراد نہیں ہوسکتے کہ جہاں آپ نے ان گمراہوں کی صفات بیان فرمائی ہیں، وہاں ہے، یخرج ناس من قبل المشرق یقرؤن القرآن [108]

مشرق کی طرف سے لوگ نکلیں گے، جو قرآن پڑھتے ہوں گے۔ یتکلمون بالسنتنا [109]

وہ ہماری زبان میں بات کریں گے، یعنی کتاب وسنت کے حوالے سے۔

تحقرون صلاتکم مع صلاتھم وصیامکم مع صیامھم [110]

ان کی نمازوں کے سامنے اپنی نمازوں کو، اور روزوں کے سامنے اپنے روزوں کو حقیر جانو گے۔ یقولون من قول خیر البریۃ [111]

جو کائنات سے افضل ہے اسکی باتیں کریں گے۔

یدعون الی کتاب اللہ ولیسوا منا فی شیئ [112]

وہ اللہ کی کتاب کی طرف بلائیں گے، لیکن ہم سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔

یمرقون من الدین کما یمرالسھم من الرمیۃ [113]

جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے، اس طرح وہ دین سے خارج ہوجائیں گے۔

یہ تمام صفات مجوس میں کہاں پائی جاتی ہیں؟ اس لئے یہ دعوی قطعی غلط ہے کہ مشرق کی طرف کئے جانے والے اشارے سے مجوس مراد ہیں

مسیلمہ کذاب بھی مراد نہیں ہوسکتا، کیونکہ جن گمراہ لوگوں کی یہ صفات بیان فرمائی گئی ہیں، ان کے بارے میں وضاحت ہے، وہ آخری زمانے میں ہوں گے۔

یاتی فی آخر الزمان قوم سفھاء الاحلام یقولون من خیر قول البریۃ،

یمرقون من الاسلام کما یمرق السھم من الرمیۃ [114]

آخری زمانے میں احمق ترین قوم پیدا ہوگی، جو افضل الخلائق کی زبان میں بات کرے گی، لیکن اسلام سے خارج ہوگی، جیسے تیر کمان سے خارج ہوتا ہے۔ اور مسیلمہ کذاب ابتدائی زمانے میں تھا، اسلام میں وہ داخل ہی نہیں ہوا، اس لئے نکلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ ابن عبدالوہاب نجدی پر اس حدیث کا صحیح اطلاق ہوتا ہے، جو اپنے ماننے

[108] بخاری ۱۱۸۲ : [109] بخاری ۵۰۹ : [110] بخاری ۷۵۶ : [111] بخاری ۵۱۰
[112] ابوداؤد ۶۵۶ : [113] بخاری ۲۷۴ : [114] بخاری ۵۱۰ ۔

والوں کے سوا دنیا بھر کے مسلمانوں کو کافر و مشرک سمجھتا تھا قرآن و حدیث کی زبان میں بات کرتا تھا، قرآن ہی کی طرف دعوت دیتا تھا، مگر حدیث کے حکم کے مطابق بے چارہ غریب خود ہی دین سے بے بہرہ تھا، اس کے گروہ میں وہ مشترک قدر موجود تھی جو کسی فرد یا گروہ کو ذوالخویصرہ کے خاندان میں شامل کرنے کے لئے کافی ہے۔

ٹنڈ پرستی

باطل گروہ کی جلی و خفی علامات کے سلسلے کی تیسری کڑی، "ٹنڈ پرستی"، "گھوں پنڈی" یا سر منڈانے کے معاملہ میں مبالغہ کرنا ہے، اس حد تک کہ وہ شعار اور نشان بن جائے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا۔

سیماھم التحلیق ۱۱۵

ان کی اہم ترین نشانی "ٹنڈ" کرانا ہے،

ابن عبدالوہاب نجدی ٹنڈ کے معاملے میں بہت سخت اور متعصب تھا، جب کوئی شخص اس کے مذہب میں داخل ہوتا تو وہ سب سے پہلے اسے ٹنڈ کرانے کا حکم دیتا کہ اپنے زمانہ شرک کے بال منڈاؤ، تاآنکہ تنگ میں آکر ایک دفعہ ایک عورت کو بھی سر منڈانے کا حکم دے دیا۔

اس نے جواب دیا: تم اپنی ڈاڑھیاں منڈاؤ، تب میں اپنے بال منڈاؤں گی

سید عبدالرحمان وہابی تحریک کے بارے فرماتے ہیں۔

اس تحریک اور گروہ کی گمراہی اور غلط روی پہچاننے کے لئے کسی گہرے غور و فکر کی ضرورت نہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تحلیق والی جو نشانی بیان فرمائی ہے، وہی کافی ہے، کیونکہ بارہ سو سال تک کسی نے ٹنڈ کے معاملہ میں اتنا اہتمام نہیں کیا۔ چنانچہ وہابیہ کو اس نشانی کی بدولت پہلی ہی نظر میں پہچانا جا سکتا ہے، جنھوں نے سر گھٹا کر ڈاڑھی کو بے لگام چھوڑا ہوتا ہے

۱۱۵ بخاری، ۱۱۲۸

(۴) مسلمانوں کا قتل عام

چوتھی علامت مسلمانوں سے نفرت تھی، ان پر الزام تراشی اور قابو پانے پر ان کا قتل عام ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا۔

یقتلون اھل الاسلام ۱۱۶

وہ مسلمانوں کو قتل کریں گے۔

وہابیوں نے مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، طائف، کربلا اور دیگر علاقوں میں مسلمانوں پر جو مظالم ڈھائے گذشتہ ابواب میں ان کا مفصل تذکرہ کیا جا چکا ہے۔

(۵) بت پرستوں سے دوستی

ان کی پانچویں علامت بت پرستوں، کافروں اور بے دینوں کے ساتھ محبت والفت اور گہری دوستی ہے، یعنی مسلمانوں کو بے دریغ قتل کریں گے، مگر بت کے پجاریوں کو کچھ بھی نہیں کہیں گے۔

ویدعون اھل الاوثان ۱۱۷

اہل نجد نے بت پرست برہمن زادے کو محبت کے کن زاویوں کے ساتھ نوازا وہ بیان کیا جا چکا ہے، نیز نیشنلسٹ علماء وہابیوں نے تحریک پاکستان کی مخالفت میں جس طرح ہندوؤں کا جگر و جاں سے ساتھ دیا، اور مسلمانوں کا خون پیا وہ تاریخ کا المناک باب ہے جسے جب رقم کیا گیا، تب پتہ چلے گا توحید کی رٹ لگاتے ہوئے نہ تھکنے والوں نے بت پرستوں کے ساتھ کس طرح پیمان وفا باندھے، اور کس وفاداری اور خلوص کے ساتھ نبھائے؟

۱۱۶ بخاری، ۲/۷۲ : ۱۱۷ بخاری ۲/۷۲

بے لگام زبان (۶)

اس فتنے کی علامات سے آگاہ کرتے ہوئے، نبی پاک علیہ السلام نے بتایا ہے۔

اللسان فیھا اشد من وقع السیف [۱۱۸]

اس میں زبان کی کاٹ، تلوار سے بھی زیادہ شدید ہوگی۔

زبان کی کاٹ گالی گلوچ، غیبت اور بہتان طرازی ہے مگر اسکی سب سے تیز کاٹ یہ ہے کہ کسی مسلمان کو کافر و مشرک اور بے دین کہا جائے، اس سے بڑی گالی زبان کی بے لگامی اور زبانی اذیت رسانی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

ذوالخویصرہ کی معنوی اولاد کے افراد اس معاملہ میں بہت طاق اور بے باک تھے، بتوں کے حق میں جو آیات نازل ہوئی تھیں وہ بے تکلف مسلمانوں پر چسپاں کر کے کہتے تھے تم بھی مشرک ہو۔ یہ صورت حال دیکھ کر جناب ابن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ کہنا پڑا۔

انطلقوا الی آیات نزلت فی الکفار فجعلوھا علی المسلمین [۱۱۹]

(جو آیات، کافروں کے بارے میں اتری تھیں وہ انہوں نے اہل اسلام پر جڑنا شروع کردی ہیں۔) بارہویں صدی میں پیدا ہونے والے وہابیوں نے بھی یہی وطیرہ اختیار کیا، جو آج تک جاری ہے۔ بتوں کے حق میں نازل شدہ آیتیں پڑھ پڑھ کر اب بھی مسلمانوں کو برا بھلا اور کافر و مشرک کہتے ہیں، اور کچھ خدا کا خوف نہیں کرتے۔

اس بنا پر یہ حضور علیہ السلام کی پیش گوئی کا بعینہٖ مصداق ہیں۔ ان بت پرستوں کے دوستوں، مسلمانوں کے قاتلوں، قرآن کے غلط بروزی قاریوں، تشدد شعاروں، قرآن و سنت کی کھلی دعوت دینے والوں، بتوں والی آیات مسلمانوں پر چسپاں کرنے والوں اور ذوالخویصرہ کی معنوی اولاد کے بارے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد یہ ہے۔

لئن ادرکتھم لاقتلنھم قتل عاد [۱۲۰]

اگر میں انہیں پالوں تو قوم عاد کی طرح ملیامیٹ کردوں۔

۱۱۸؎ ابوداؤد، کتاب الفتن، باب فی کف اللسان؛

۱۱۹؎ بخاری، ۱۲۰؎ ابوداؤد، ۶۵۶؛ بخاری، ۲۷۲م

آٹھواں باب

گنبد خضراء کی زیارت

- زیارت کا ثواب اور فضیلت
- قرآن پاک سے دلائل
- احادیث سے دلائل
- صحابہ کرام کی حاضری
- ائمہ اربعہ کے اقوال

چند شبہات کا ازالہ

- لاتجعلوا قبری عیدا کا جواب
- لا تجعل قبری وثنا یعبد کا جواب
- لاتشد الرحال الا الی ثلاثہ مساجد کا جواب



زیارت کا ثواب اور فضیلت

دل مسلم میں عشق مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی جو شمع کافوری فروزاں ہے وہ نہ بجھ سکتی ہے، نہ بجھائی جا سکتی ہے۔ اسی کی دلنواز روشنی، سینۂ مسلم کو منور و تاباں اور زندگی کی تیرہ و تار راہ کو روشن کئے ہوئے ہے، یہی اس فقیر حرم کی متاع بے بہا ہے اور اسی سے وہ غریبی میں امیر ہے۔

اس عشق اور اس کی واردات کی تاریخ بڑی قدیم ہے، صحبت نبوی سے فیض یافتہ دلدادگانِ وفا سے یہ رسم عشق چلی ہے۔ اور نورانی و حیات افروز تقاضوں سمیت تمام تر دلنوازیوں اور لطافتوں کو اپنے جلوہ بار جلو میں لئے بعد تازہ ادا ان کے معنوی اور ہم مشرب و ہم جرعہ بیرو کاروں تک پہنچی ہے۔

جب صحابہ کرام میں سے کوئی زیارت کے لئے بے قرار ہوتا، تو پیاسی اور اداس آنکھوں کو تازگی بخشنے کے لئے اپنے محبوب کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتا۔ طلعت زیبا کی ایک ہی جھلک اسے قرار و سکون بخش دیتی اور وہ حیات تازہ لے کر دوسری ملاقات تک کے لئے روانہ ہو جاتا، یہی ان عاشقان باصفا کا دستور تھا اور یہی ان کی لازوال محبت کی بیت تھی بعد میں آنے والے بادہ عشق کے سرمستوں کے لئے یہ قرار بخش اور حیات افروز سہولت ممکن نہ تھی، پیکر رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ دلنوازی اور خوئے بندہ پروری سے بعید تھا کہ زمانہ مابعد کے اہل عشق اور وفا پیشہ اربابِ محبت کو اس نعمت عظمیٰ سے حسی یا معنوی طور پر اپنے جذب و شوق کے مطابق حصہ حاصل کرنے سے محروم رکھا جاتا، چنانچہ لیکن قلب و روح کے متلاشیوں اور جویائے نعمتِ دیدار کے لئے یہ فرحت افزا خوشخبری سنادی کہ

من زارنی بعد موتی فکانما زارنی فی حیاتی ۱ے

اور ایک روائت میں ہے۔

فکانما زارنی وانا حی ۲ے

یعنی جس نے میرے وصال فرمانے کے بعد بھی میری زیارت کی تو گویا اس نے میری زندگی میں زیارت کی۔

یہ واضح اشارہ تھا کہ بے قرار و مضطرب اور سکون و قرار سے محروم، منڈلا رہی پہنچی ہوئی روحوں کو یہاں آکر ویسے ہی سکون و قرار نصیب ہوگا، جو آپ کی حیات ظاہری میں حاضر ہونے والوں کو حاصل ہوتا رہا ہے۔ انہیں تسکین بھی نصیب ہوگی اور لذتِ دیدار کی دولت فراواں بھی!

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نگاہ پاک سے، بعد والے عشق پیشہ امتیوں کے دل کی دھڑکنیں اور محبت کی بے قراریاں پوشیدہ نہ تھیں، ان کے عشق کی انتہا اور عظمت سے بھی آپ واقف تھے یہ

بھی علم تھا کہ شراب وصل و زیارت کے بغیر ان کے بے قرار و سیماب کیفیت جذبے کی تسکین نہیں ہو سکے گی، اس لئے ان کو تسلی اور دلدہی کی خاطر بتا دیا۔ وہ روضۂ اطہر پر آ جائیں گے تو ان کے دل کی حسرت و تمنا اور مراد پوری ہو جائے گی، وہی کیفیت و حالت نصیب ہوگی جو زندگی میں حاضر ہونے والوں کو نصیب ہوا کرتی تھی، اور وہ خاطر خواہ طمانیت و آسودگی محسوس کیا کریں گے۔

بلکہ محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عاشقوں کا ذوق تیز تر کرنے کے لئے، زیارت کا اس وعدے کے ساتھ شوق دلایا کہ جو خالص زیارت اور روضۂ اقدس پر حاضری کی نیت سے آئے گا، اسے دنیا و آخرت کی بے شمار عزتیں نصیب ہوں گی۔ ہم اس کی شفاعت کریں گے، اس کے حق میں شہادت دیں گے۔ اور وہ قیامت کے روز ہر قسم کے خوف و خطر سے بالاتر، اس طرح ہمارے دامان کرم کے نیچے ہوگا، کہ اسے کوئی تشویش و افسردگی اور فکر دامنگیر نہیں ہوگی

۱ے شفاء السقام، ۳۲ بحوالہ دارقطنی : ۲ے شفاء السقام، ۲۵

من زار قبری وجبت له شفاعتی ۳ے

دوسری روائت میں ہے۔

حلت له شفاعتی ۴ے

جس نے میری قبر کی زیارت کی، اس کے لئے میری شفاعت حلال ہو گئی۔

من زارنی بالمدینة محتسبا کنت له شفیعا وشهیدا ۵ے

جس نے ثواب کی نیت سے، مدینے میں میری زیارت کی، میں قیامت کے روز اس کی شفاعت کروں گا، اور شہادت دوں گا۔

من زارنی متعمدا کان فی جواری یوم القیامة ۶ے

"جس نے قصداً اور نیت کر کے میری زیارت کی، وہ قیامت کے روز میری پناہ میں ہوگا" ان احادیث میں محتسبا اور متعمدا کے کلمات، بڑے معنی خیز اور قابل غور ہیں جن کے ذریعے واضح کیا گیا ہے کہ زیارت کے لئے آنا، تسکین قلب و روح کا سامان ہی نہیں، بلکہ باعثِ اجر و ثواب بھی ہے، کسی صاحبِ نسبت سچے امتی کو اس سعادت کبریٰ کے حصول میں کبھی غفلت و بے نیازی سے کام نہیں لینا چاہیے۔

چنانچہ آپ نے ایسے بدبختوں اور ازلی محروموں کی ستم گری، رونگٹے کھڑے کر دینے والی جفا کاری ان کی سنگدلی اور بدنصیبی سے آگاہ کر دیا، جنہوں نے استطاعت و توفیق کے باوجود، اس سعادت و فلاح کے حصول کی کوشش نہیں کرتا تھی۔ فرمایا:

من حج البیت ولم یزرنی فقد جفانی ۷ے

جس نے فریضہ حج ادا کیا، مگر میری زیارت کے لئے نہ آیا، تو اس نے مجھ پر ظلم کیا۔

من وجد سعة ولم یفد الیّ فقد جفانی ۸ے

جس نے گنجائش ہوتے ہوئے میری طرف کا سفر نہ کیا، تو اس نے مجھ پر ظلم کیا۔

ما من احد من امتی له سعة ثم لم یزرنی فلیس له عذر ۹ے

میرے جس امتی کے پاس دولت و وسعت تھی، پھر بھی اس نے میری زیارت

۸ے شفاء السقام، ۳۹ بحوالہ اخبار المدینہ : ۹ے شفاء السقام ۲۷ بحوالہ الدرۃ الثمینہ فی فضائل المدینہ

نہ کی تو اس کا کوئی عذر مسموع اور قابلِ قبول نہیں ہوگا۔

من لم یزر قبری فقد جفانی [10]

جس نے میری قبر کی زیارت نہ کی، تو اس نے مجھ پر ستم ڈھایا

زیارت سے پہلو تہی، غفلت اور سستی کرنے والوں کو مختلف اسالیب میں یہ انذار و وعید، زیارت کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے کافی ہے آپ نے کوئی گنجائش ہی نہیں چھوڑی اور ہر پہلو پر روشنی ڈال کر بتا دیا، کہ حیات پاک میں، اور بعد میں، اور روضۂ اطہر پر، اور نیت و ارادہ کے ساتھ، ہر صورت میں آنا جائز ہی نہیں، بلکہ اہل دل اور اہل ایمان کے لئے ضروری بھی ہے اور روضۂ اطہر کی زیارت ہر صورت سعادت و فلاح کا باعث اور نجات و شہادت کی ضامن ہے۔

احادیث کے یہ ارشادات ایک معجزے سے کم نہیں، معلوم ہوتا ہے نگاہِ نبوت کے سامنے مستقبل کے کچھ ٹیڑھے میڑھے بے ہنگم ہیولے تھے، جن کی دراز دستی اور جعلسازی سے آپ آگاہ تھے، اور اپنی امت کو ان کے مکر و فریب سے آگاہ و باخبر رکھنا چاہتے تھے، اس لئے پہلے ہی ہر پہلو کی وضاحت کر دی اور بتا دیا میری زیارت ہر طرح اور ہر زمانے میں جائز ہے، اتنی تفصیلات اس لئے بیان فرمائیں تاکہ اس بارے میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہ رہے، اور زیارت کے لئے آنے والے کسی دغاباز منافق کی دسیسہ کاری اور وسوسہ اندازی میں الجھ کر اس سعادت سے محروم نہ رہیں، بلکہ ہر باطل خیال دامن سے جھٹک کر اور ہر دشمن کی باتیں نظر انداز کر کے پروانوں کی طرح اور عشق سے لبریز دل لے کر آتے رہیں اور شوقِ فراواں اور محبت کی جزا پاتے رہیں۔

آنے والے ابواب تشکیک و دسیسہ کاری اور وسوسہ اندازی کے ایسے ہی پردے چاک کرنے کے لئے مختص ہیں تاکہ قرآن و احادیث اور اکابر کے نظریات اور عقلی دلائل سے مسئلہ زیارت کی وضاحت ہو جائے، اور ایمان و اعتقاد کے تن نازک سے وہ تمام کانٹے نکل جائیں جو شکوک و شبہات کی صورت میں پیوست ہو کر اس نورانی پیکر کا نازنین جگر چھلنی کرتے رہتے ہیں۔

---

[10] شفاء السقام ۳۹ بحوالہ الدر الثمینہ فی فضائل المدینہ

قرآن پاک سے دلائل

قرآن پاک نے بتایا ہے کہ مسلمان کے لئے گناہ اور ظلم و زیادتی کے سیاہ داغوں سے پاک ہونے اور نجات حاصل کرنے کا دار و مدار تین باتوں پر ہے۔

(الف) دربارِ نبوی میں حاضری دے۔

(ب) رب تعالیٰ سے طلب مغفرت کرے۔

(ج) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کے لئے سفارش و شفاعت اور طلب مغفرت فرمائیں۔ ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاءوک فاستغفروا اللہ واستغفر لہم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما [11]

اگر وہ اپنے نفسوں پر ظلم کر لیں تو آپ کے پاس آجائیں۔
پھر رب تعالیٰ سے طلب مغفرت کریں۔
اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے لئے طلب مغفرت کریں۔
تب وہ اللہ تعالیٰ کو تواب و رحیم پائیں گے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات ظاہری میں ظالم و خطاکار آپکے دربار میں حاضر ہو کر اس صلائے عام اور سہولت سے فائدہ اٹھاتے رہتے تھے، سینوں کے داغہائے سیاہ کے ساتھ حاضر ہوتے، تائب ہو کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی استغفار کراتے اور تزکیۂ نفس تطہیر روح و ضمیر کی نعمت لے کر شاداں فرحاں، کامیاب و بامراد لوٹ جاتے اس نورانی و روحانی فیض کے لئے ضروری تھا کہ قیامت تک ساری امت کے لئے جاری و عام رہے اور حاضر ہونے والے مغفرت و بخشش کے موتیوں سے جھولیاں بھرتے رہیں اس

---

[11] القرآن الکریم، ۴، ۶۴

کی واحد صورت یہی تھی کہ جو بھی دربارِ نبوی میں حاضر ہو، سرکار اس کے لئے دعائے مغفرت فرمائیں، تاکہ وعدۂ الٰہی کے مطابق پہلی دو شرطیں پوری ہونے پر جب تیسری شرط پوری ہو تو نصاب مکمل ہو جانے کے سبب آنے والا بخش دیا جائے۔

حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کرم نوازی فرمائی، اور قیامت تک مسلمانوں کے لئے دعا کرنے اور تیسری شرط ہمیشہ پوری کرتے رہنے کا وعدہ فرمایا، تاکہ زائر کے ذمہ صرف آنا اور دعا کرنا رہ جائے جونہی روضۂ اقدس پر پہنچے اور دعا کرے اسے یقین آجائے کہ بخش دیا گیا ہے۔

آپ کا ارشادِ عالی ہے۔

حیاتی خیر لکم، ومماتی خیر لکم، تعرض علی اعمالکم فما رأیت من خیر حمدت اللہ علیہ وما رأیت من شر استغفرت لکم [12]

میری حیات تمہارے لئے بہتر ہے، میری ممات بھی تمہارے لئے بہتر ہے، تمہارے اعمال میرے سامنے پیش کئے جائیں گے نیکیاں دیکھ کر میں اللہ کریم کی حمد کروں گا، اور گناہ دیکھ کر تمہارے لئے استغفار کروں گا۔

دراصل آپ نے اس ارشاد کے ذریعہ بتا دیا کہ ہمارے دربار میں آنے کے لئے ظاہری حیات کا زمانہ خاص نہیں ہے کہ زندگی مبارک میں تو گنہ گار اس رعائت سے فائدہ اٹھاتے رہیں، اور بعد والے اس رعائت و سہولت سے محروم کر دیئے جائیں، بلکہ سمجھا دیا کہ امت کے لئے استغفار کا سلسلہ برابر جاری رہے گا، چنانچہ جو امتی بھی دربار پر حاضر ہو کر رب تعالیٰ سے معافی مانگے گا، تو ہم بھی اس کے لئے استغفار کریں گے، اور یقینی طور پر وہ تینوں امور متحقق ہو جائیں گے، جن کا ذکر آیت کریمہ میں ہے، اور وہ شخص بخشا جائیگا۔

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حیات ہیں، جس طرح زندگی میں کوئی گنہ گار آپ کے دربار میں جاتا تھا آج بھی اس کا جانا ایسا ہی ہے اور بعینہٖ آیت پر عمل ہے خود آپ کا ارشادِ عالی ہے:

---

۱۲ البدایہ والنہایہ، ۵: ۲۷۵

من زارني بعد موتي فكانما زارني وانا حيّ [13]

”جس نے حیاتِ ظاہری کے بعد میری زیارت کی، تو یہ ایسا ہوگا۔ گویا میری زندگی میں زیارت کی“ حیاتِ نبوت کے متعلق آپ کے واضح ارشادات ہیں۔

نبی اللہ حی یرزق

ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء [14]

اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے

خدا نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیائے کرام کے جسموں کو کھائے۔

ان احادیث کی روشنی میں

تمام اکابر امت کا یہی نظریہ ہے کہ زمین کو اجسام نبوت کے اندر تصرف و تجزیہ کرنے کی قدرت نہیں، وہ حیاتِ اولیٰ کی طرح، بلکہ اس سے بھی برتر و اعلیٰ صورت میں زندہ، پائندہ اور صاحب تصرف و با اختیار ہیں اور ان کا احترام پہلے ہی کی طرح واجب و لازمی ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دو شخصوں کو مسجد نبوی میں بلند آواز سے باتیں کرتے دیکھا، تو بلا کر فرمایا:

تم کون ہو؟

معلوم ہوا، مسافر ہیں، آپ نے فرمایا: اگر تم مقامی ہوتے تو دُرے سے کھال اُدھیڑ دیتا، تمہیں اتنا بھی احساس و شعور نہیں کہ یہ مسجد نبوی ہے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں آرام فرمائیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہمسائے نے دیوار میں کیل ٹھونکنا شروع کیا جس کی دھمک حجرۂ انور تک آئی، تو آپ نے فوراً کہلا بھیجا۔

لا تؤذوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء و تکلیف مت دو۔

خلیفہ ابوجعفر منصور ...... نے دربارِ نبوی کی حاضری دی، تو اسے جناب امام مالک سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا، اس نے سواری بھیجی، مگر آپ نے احترام مدینۂ نبوی کو ملحوظ

---

۱۳ شفاء السقام ۳۵ - ۱۴ شفاء السقام ۲۵۰

رکھتے ہوئے سوار ہونے سے انکار کر دیا۔ اور مریض ہونے کے باعث دو آدمیوں کا سہارا لے کر مسجد میں آئے۔

خلیفہ، بلند آواز سے باتوں میں مصروف تھا، امام مالک رضی اللہ عنہ کے جذبہ عشق اور ولولہ حق و صداقت نے یہ توہین برداشت نہ کی، شوکت شاہی کو نظر انداز کر کے اسی وقت متنبہ کیا۔

قرآن پاک نے اس دربار میں آواز دھیمی رکھنے کا حکم دیا ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا لاترفعوا اصواتکم [۲:۴۹]

اور جن لوگوں نے اس حکم پر عمل کیا، ان کی تعریف کی ہے۔

ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ اولئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقوی لھم مغفرۃ واجر عظیم [۳:۴۹]

یعنی نوید جانفزا سنائی ہے کہ ایسے تقوی شعار خوش بختوں کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

اور جن لوگوں نے عمل نہ کیا، ان کی مذمت فرمائی ہے، اور انہیں بے عقل قرار دیا ہے۔ ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرھم لایعقلون [۴:۴۹]

خلیفہ اس کلمہ حق اور بیان صافی سے بہت متاثر ہوا فوراً سنبھل گیا اور امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا:

" روضہ اطہر کی طرف رخ اور قبلہ کی طرف پشت کر کے دعا کروں یا اس کے برعکس، قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا مانگوں؟"

جناب امام مالک نے ایمان افروز اور مبنی برحقیقت جواب ارشاد فرمایا:

تم اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس کی طرف، کس طرح پشت کر سکتے ہو، حالانکہ وہ تمہارے اور باپ حضرت آدم علیہ السلام کا وسیلہ ہیں۔

ان کی طرف منہ کر کے رب تعالیٰ سے دعا کرو، اور آپ کو شفیع بناؤ اللہ تعالیٰ آپ کی شفاعت قبول فرمائے گا اور تمہیں بخش دے گا۔ [۱۵]

ان حرمتہ میتا کحرمتہ حیا

جس طرح حیات اولیٰ میں آپ کی حرمت لازم تھی، وہ اب آپ کے پردہ فرمانے کے بعد بھی لازم ہے

(ب) قرآن پاک نے بتایا ہے حضور علیہ السلام کے دربار میں آنے اور استغفار کرانے سے منافقین بدکتے تھے۔

واذا قیل لھم تعالوا یستغفر لکم رسول اللہ لووا رؤسھم ورایتھم یصدون وھم مستکبرون [۱۶]

اور جب ان سے کہا جاتا ہے، کہ دربار نبوی میں آؤ! "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے لئے استغفار کریں گے۔ وہ یہ سن کر سر موڑ کے چل دیتے ہیں، تم دیکھو گے ان کے اس اعراض میں، غرور و تکبر کا عنصر بھی شامل ہوتا ہے۔

واذا قیل لھم تعالوا الی ما انزل اللہ والی الرسول رایت المنافقین یصدون عنک صدودا — [۱۷]

جب ان سے کہا جاتا ہے، خدا کی نازل کردہ کتاب اور رسول کی طرف آؤ۔ تو تم دیکھتے ہو، منافقین منہ پھیر کر چل دیتے ہیں۔

(۳) واذا قیل لھم تعالوا الی ما انزل اللہ والی الرسول قالوا حسبنا ما وجدنا علیہ آباءنا [۱۸]

" جب ان سے کہا جاتا ہے، خدا کی نازل کردہ کتاب اور رسول کی طرف آؤ! تو جواب دیتے ہیں: جس عقیدے پر اپنے آباء کو کار بند پایا ہے، وہی ہمیں کافی ہے" ان آیات کی روشنی میں مومن اور منافق کے طرز عمل کی بھی نشاندہی ہو جاتی ہے کہ

---

[۱۵] شفاء السقام، ۶۹ ؛ [۱۶] القرآن، ۶۳: ۵ ۔ [۱۷] القرآن، ۴: ۶۱
[۱۸] القرآن، ۵: ۱۰۴

مومن اس دربار میں آنا اور استغفار کرانا عار نہیں سمجھتا، بلکہ ادب و احترام اور حسن اعتقاد کے تمام تر جذبے کے ساتھ حاضر ہوتا ہے۔ اور رب تعالیٰ کی مغفرت سے حصہ پاتا ہے۔

اس کے برعکس، منافق کو اس حاضری میں سبکی و ذلت اور بدعت محسوس ہوتی ہے، وہ پیکرِ غرور و تکبر یہاں آنا، کسرِ شان اور اپنی حیثیت کے منافی سمجھتا ہے، چنانچہ نتیجتاً وہ اس دولت سے بھی محروم رہتا ہے، جو یہاں آنے والوں کے حصہ میں آتی ہے غالباً محروم ازلی ہونے کے باعث ہی یہاں آنا گوارا نہیں کرتا۔

(ج) دربار نبوی کی حاضری کو پسند نہ کرنے والی منافقت کے ڈانڈے شیطنت سے بھی مل جاتے ہیں۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات کریم صراطِ مستقیم ہے جو آپ تک پہنچ گیا وہ صراطِ مستقیم پا گیا، اور شیطان صراطِ مستقیم ہی سے روکتا ہے۔ اس نے روز ازل کہا تھا

لاقعدن لهم صراطك المستقيم [19]

میں انہیں صراط مستقیم سے روکنے کے لئے راہ مل کر بیٹھ جاؤں گا۔

گویا جو دربارِ نبوی میں حاضر ہونے سے روکتا ہے۔ وہ شیطان کا مقصد پورا کرتا ہے یا خود شیطان اور اس کا نمائندہ ہوتا ہے۔

(د) دربار نبوی کی زیارت و حاضری کے لئے اس آیت کریمہ میں بڑا ہی حسین اور لطیف اشارہ موجود ہے۔ جو شخص اللہ کے راستے میں ہجرت کرے گا، وہ زمین میں بڑی گنجائش و وسعت پائے گا۔ ومن يهاجر في سبيل الله يجد في الارض مراغما كثيرا وسعة [20] یعنی اسے زمین میں کہیں تنگی محسوس نہ ہوگی۔ ایمان کی حفاظت و سلامتی کے لئے ہجرت کرنے اور آبائی سرزمین چھوڑنے والے کی دستگیری، اللہ کریم خود کرے گا، اور اسے بہتر اجر و ثواب سے محروم نہیں رکھے گا۔

جب یہ آیت کریمہ اتری تو مکہ میں موجود ایک ضعیف و مریض مسلمان کی روح تڑپ اٹھی، جذبۂ غیرت ایمانی بیدار ہو گیا، اس نے اپنے بچوں سے کہا:

[19] القرآن، ۷: ۱۶ ، [20] القرآن ۴: ۱۰۰

میں کفار کی سرزمین میں نہیں رہوں گا، تم مجھے مدینہ منورہ، حضور علیہ السلام کے دربار میں لے چلو۔

سب بچوں نے اس کی پاکیزہ خواہش کا احترام کیا اور اس کے حکم کے مطابق لے کر چل دیئے، مگر مقام تنعیم پر اس کا وصال ہو گیا۔

کفار و مشرکین اور منافقین نے مذاق اڑانا شروع کر دیا کہ بوڑھے نے اتنی مصیبت بھی اٹھائی، مگر مقصود پھر بھی حاصل نہ کر سکا، اس کی ساری محنت و مشقت رائیگاں گئی۔

اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

ومن يخرج من بيته مهاجرا الى الله ورسوله ثم يدركه الموت فقد وقع اجره على الله [21]

اور جو خدا اور اس کے رسول کی طرف مہاجر بن کر نکلے گا، پھر اسے راستے میں موت آ گئی تو (اس کا یہ سفر اکارت نہیں جائے گا) بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے باقاعدہ اجر و ثواب ملے گا۔

اس آیت کریمہ کے کلمات بڑے ہی معنی خیز ہیں، مرنے والے کے اجر و ثواب کے استحقاق کا ذکر کرتے ہوئے، قیامت تک کے مہاجرین اور زائرین کا حکم بھی بیان کر دیا ہے یعنی آیت میں ومن يخرج کے کلمات ہیں، جن کا مطلب ہے اجر و جزا کا مستحق ہونا اس مرنے والے ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ بلکہ بعد میں بھی جو زیارت کے لئے آئے گا۔ اس کی بھی یہی شان ہو گی۔

کیونکہ اگر اسی ایک آدمی کا حکم بیان کرنا مقصود ہوتا، تو عبارت یوں ہوتی "ومن خرج من بيته مهاجرا الى الله ورسوله ثم ادركه الموت۔

مگر عبارت قرآن میں مضارع کے صیغے ہیں جو اس حقیقت کبریٰ سے نقاب سرکاتے ہیں کہ قیامت تک زیارت نبوی کا سلسلہ جاری رہے گا، اور آنے والوں کو تواب و رحیم کے خزانے سے اجر و ثواب ملتا رہے گا۔

[21] القرآن، ۴: ۱۰۰

احادیث سے دلائل

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ کا مطالعہ کرنے سے آپ کی اس سنت کا پتہ چلتا ہے کہ آپ اکثر و بیشتر شہدا اور مسلمانوں کے قبرستان میں تشریف لےجاتے تھے احادیث میں اس سلسلہ کی تفصیلات جزئیات سمیت موجود ہیں، جنکے مطالعہ سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ اہل اسلام کی قبور کی زیارت کے لئے جانا، اپنے اعزہ واقارب اور احباب کے پاس جانے کے مترادف ہے اور ایک اسلامی شعار وطریقہ ہے، جس سے مسلمانوں کے ایک خاص زاویۂ نگاہ اور عقیدے کا اظہار ہوتا ہے، اور اہل قبور کے بارے میں ان کی زندگی اور شعور کے نظریئے پر روشنی پڑتی ہے کہ وہ اپنے زائر کی آمد سے آگاہ ہوتے، اور اپنائیت کے اظہار سے لذت وانس محسوس کرتے ہیں، اور مسرت محسوس کرنے کے ساتھ انکے لئے نیک خواہشات کے ساتھ دُعاگو بھی ہوتے ہیں۔

حضور علیہ السلام نے قبرستان پہنچ کر انہیں سلام کہنے کے لئے جو الفاظ تعلیم فرمائے ہیں، ان سے یہ حقیقت بالکل عیاں ہے، ایک بے شعور جامد شئے کو سلام کہنے کا کوئی مطلب ہی نہیں، ضمناً یہ بات بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ قبرستان میں حاضری جائز ہے اور اس کے باقاعدہ آداب ہیں کہ سلام کے بعد کسی قبر کو نہ روندے نہ ٹیک لگائے اور نہ بے حرمتی کرے۔ ان آداب وضوابط اور رکھ رکھاؤ کی تعلیم ہی قبور کی زیارت کے بارے میں نبوی رہنمائی اور فیصلے سے باخبر کر دیتی ہے۔

زیارت قبور کے سلسلہ کی احادیث اور واقعات یہ ہیں۔

(۱) كان النبی صلی الله علیه وسلم یاتی قبور الشهداء علی راس كل حول فیقول سلام علیكم بما صبرتم. فنعم عقبی الدار وكذا كان یفعل ابوبكر وعمر وعثمان رضی الله عنهم [۱]

---

[۱] روح المعانی، ۷: ۱۲۵

حضور ہر سال شہداءِ احد کی قبور پر تشریف لاتے تھے، اور فرماتے!

تم پر سلام، جو تم نے صبر کیا، دار آخرت بہترین اور شاندار ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق اعظم اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کا بھی یہی عمل رہا۔

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کا وقت قریب آیا تو دستور کے مطابق پہلے سے بھی زیادہ اہتمام کے ساتھ شہداءِ احد کے مزارات پر تشریف لے گئے

خرج یوما فصلی علی اهل احد صلاته علی المیت ثم انصرف الی المنبر[۲] صلی رسول الله صلی الله علیه وسلم علی قتلی احد بعد ثمانی سنین كالمودع للاحیاء والاموات [۳]

حیات مبارکہ کے بالکل آخری ایام میں آپ احد پر تشریف لے گئے، جبکہ ان حضرات کو شہید ہوئے آٹھ سال گزر چکے تھے۔ اس بار آپ نے ان محبوبوں کے لئے، اس قلق وسوز اور انہماک ومحویت کے ساتھ دعا کی، جیسے کوئی فوت ہونے والا اپنے پس ماندگان کو الوداع کہتا ہے۔

(۲) حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں۔

خرجنا مع رسول الله صلی الله علیه وسلم نرید قبور الشهداء حتی اذا اشرفنا علی حرة واقم، فلما تدلینا منها فاذا قبور بمحنیة قال قلنا: یارسول الله! اقبور اخواننا هذه؟ قال قبور اصحابنا، فلما جئنا قبور الشهداء قال: هذه قبور اخواننا۔

ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ قبور شہداء کی زیارت کرنے کے ارادے سے نکلے، یہاں تک کہ موضع واقم کے ریگزار علاقہ میں جا پہنچے جب بلندی سے نیچے اترے تو ایک طرف قبور دکھائی دیں۔

ہم نے عرض کی۔ یارسول اللہ! یہ ہمارے بھائیوں کی قبریں ہیں؟

آپ نے فرمایا: یہ ہمارے اصحاب کی قبریں ہیں۔

پھر جب ہم قبور شہداء کے پاس پہنچ گئے، تو آپ نے فرمایا! یہ ہمارے بھائیوں

---

[۲] بخاری، ۱۷۹ : [۳] بخاری، ۵۷۸

کی قبریں ہیں ۔ ؎

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ابوموہیبہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں ۔

طرقنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃ، فقال: یا ابا مویھبہ! انطلق، استغفر، فانی قد امرت ان استغفر لاھل البقیع فانطلقت معہ، فلما بلغ البقیع، قال: السلام علیکم یا اھل البقیع لیھن لکم ما اصبحتم فیہ۔ لو تعلمون ما انجاکم اللہ منہ اقبلت الفتن کقطع اللیل المظلم، یتبع اولھا آخرھا۔ ثم قال: ان اللہ خیرنی ان یؤتینی خزائن الارض، والخلد فیھا۔ ثم الجنۃ وبین لقاء ربی عز وجل۔ فقلت، بابی انت وامی فخذ مفاتیح خزائن الارض، والخلد فیھا ثم الجنۃ۔ قال کلا، یا ابا مویھبۃ! لقد اخترت لقاء ربی عز وجل ثم استغفر لاھل البقیع ثم انصرف ؎

ایک دفعہ آپ رات کے وقت تشریف لائے اور فرمایا!

میرے ساتھ چل اور استغفار کر!

مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اہل بقیع کے لئے دعائے مغفرت کروں۔

میں آپ کے ساتھ چل دیا، جب بقیع پہنچے تو آپ نے فرمایا:

السلام علیکم یا اھل البقیع! جہاں پہنچ چکے ہو، وہ جگہ تمہیں مبارک ہو، کاش! تم جان لیتے، خدا نے تمہیں کن فتنوں سے نجات دی ہے جو شب تار کے پارہ ہائے سیاہ کی طرح لگاتار امڈے چلے آ رہے ہیں۔

پھر فرمایا: اے ابو مویھبہ! اللہ پاک نے مجھے اختیار دیا ہے، زمین کے خزانے لے لوں، اس میں ہمیشہ رہوں، پھر جنت میں چلا جاؤں یا ابھی وصال الٰہی کے لئے تیار ہو جاؤں۔

ابو مویھبہ نے عرض کی! میرے ماں باپ قربان! آپ خزائن زمین کی چابیاں دائمی زندگی، اور جنت اختیار فرمالیں۔

؎ ابوداؤد، کتاب المناسک، باب زیارۃ القبور ـ ۹ ـ ۲۷، ؎ المستدرک، کتاب المغازی ۳: ۵۶

؎ المستدرک، کتاب المغازی، ۳ : ۵۶

فرمایا: ہرگز نہیں! اے ابو یھبہ! میں نے وصال الٰہی کو اختیار کرلیا ہے۔

پھر اہل قبرستان کے لئے آپ نے دعائے مغفرت کی، اور واپس تشریف لے آئے۔

(۴) عن ابن عمر رضی اللہ عنھما مر رسول صلی اللہ علیہ وسلم بمصعب بن عمیر فوقف علیہ وقال! اشھد انکم احیاء عند اللہ، فزوروھم وسلموا علیھم فوالذی نفسی بیدہ لا یسلم علیھم احد الا ردوا علیہ السلام الی یوم القیامۃ ؎

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مصعب کی قبر کے قریب سے گزرے تو فرمایا! میں گواہی دیتا ہوں کہ تم اللہ کے نزدیک زندہ ہو۔

پھر حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا:

پس تم ان کی زیارت کیا کرو، اور سلام کہا کرو، مجھے اس ذات کی قسم، جس کے قبضے میں میری جان ہے، جو بھی انہیں سلام کہے گا، یہ قیامت تک اس کے سلام کا جواب دیں گے

یہ تمام احادیث اس حقیقت ثابتہ کا بین ثبوت ہیں کہ سرکار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات مبارکہ میں مزارات وقبور پر تشریف لاتے رہتے۔ اور آپ نے اس فعل کو اسلامی شعار وسنت کا درجہ بخشا، اور مبارک زندگی کے آخری ایام تک قبرستانوں میں آمد ورفت کا سلسلہ جاری رکھا۔

جب عام مسلمانوں کی قبروں کی زیارت کے لئے، سند جواز وسنت مل گئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس اور گنبد خضرا کی زیارت، شرعی اعتبار سے محل نظر کس طرح ہو سکتی ہے؟

حضور محبوب اکرم نبی اطہر صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک کا تقاضا تو یہ ہے کہ، مسلمان سر کے بل چل کے روضۂ پاک کی حاضری دیں، پلکوں سے راہیں صاف کریں اور اسے بھی کم جانیں :

آخر میں ایک ضروری نکتہ سمجھ لینا بہت ضروری ہے، کیونکہ اس سے ناواقفی بہت سی الجھنوں کا باعث بنتی ہے

؎ شواھد الحق، ۸۴

وہ ضروری چیز یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابتدائی ایام میں خواتین کو صراحتاً زیارت قبور سے منع فرما دیا تھا، اور اس پر وعید بھی سنائی تھی۔

لعن اللہ زائرت القبور۔

یعنی قبور کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اللہ تعالیٰ لعنت فرماتا ہے۔

مردوں کو بھی آپ نے یہ حکم فرمایا تھا یا نہیں، اس کی صراحت مذکور نہیں ہے البتہ قرآئن سے پتہ چلتا ہے آپ نے مردوں کو بھی ممانعت کر دی تھی، کیونکہ بعد میں جب آپ نے زیارت کی اجازت دی تو اس میں مردوں سے خطاب ہے

کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور الا فزوروھا فانھا تذکر الآخرۃ۔

یعنی میں نے تمہیں قبور کی زیارت سے منع کیا کرتا تھا، (اب یہ حکم واپس لیتا ہوں) تم قبور کی زیارت کیا کرو، کیونکہ اس سے آخرت کی یاد آتی ہے

جب مردوں کو اجازت ملی تو اسی ضمن میں عورتوں کو بھی مل گئی۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لمعات میں صراحت کی ہے۔

قیل تعم الرخصۃ للرجال والنساء [6]

یہ رخصت مردوں اور عورتوں کو عام ہے۔

چنانچہ ایسے بہت سے حالات و واقعات ہیں، جن سے اسی نظریہ کو تقویت ملتی ہے۔

ایک مرتبہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام قبرستان سے گزر رہے تھے کہ ایک عورت کو روتے دیکھا، آپ نے فرمایا۔

اتقی اللہ واصبری۔ "اللہ سے ڈر، اور صبر کر"۔

وہ عورت غم کے صدمہ سے اتنی نڈھال اور بے خود تھی کہ آپ کو نہ پہچان سکی اور ایسا جواب دیا جس سے بے زاری اور بد خلقی ٹپکتی تھی

۶ شواھد الحق، ۸۴ ، ۷ ابوداؤد، ۴۶۱

حضور علیہ السلام خاموشی سے تشریف لے گئے۔ بعد میں لوگوں نے اسے آگاہ کیا۔ "تمہارے مخاطب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔"

یہ سن کر وہ عورت بہت گھبرائی اور ہراساں پریشاں دربار نبوی میں حاضر ہوئی اور معذرت طلب کی۔

آپ نے فرمایا؛ صبر وہی ہوتا ہے جو صدمہ کے آغاز میں کیا جائے، بعد میں تو قرار آہی جاتا ہے۔ [8]

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔

خواتین کا قبرستان جانا ممنوع نہیں، ورنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے اس عورت کو ناراض ہونے، اس کے بعد صبر و تقویٰ کی تلقین کرتے، مگر آپ نے وعظ و نصیحت کے سوا کچھ نہ فرمایا، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مردوں کے ساتھ آپ نے عورتوں کو بھی اجازت دے دی تھی۔

انہ صلی اللہ علیہ وسلم لم ینکر المرءۃ المذکورۃ عن زیارۃ قبر میتھا، وانما امرھا بالصبر فدل علی الجواز

اس حدیث کی شرح میں قسطلانی کے خیالات بھی علامہ عینی سے ہم آہنگ ہیں۔

استدل بہ علی زیارۃ القبور سواء کان الزائر رجلا او امرءۃ

اس حدیث کے ذریعہ زیارت قبور پر استدلال کیا گیا ہے، چاہے زائر مرد ہو یا عورت۔ زیارت قبور کی ممانعت اور رخصت کی توجیہہ پیش کرتے ہوئے علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اہل علم کی تطبیق اور ان کے مسلک کا بیان فرمایا ہے۔

ان ھذا کان قبل ان یرخص النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی زیارۃ القبور فلما رخص دخل فی الرخصۃ الرجال والنساء

یعنی قبور کی زائرات پر لعنت فرمانے والی جو بات ہے، وہ رخصت سے پہلے کی ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارت کی اجازت و رخصت عطا فرما دی، تو اب اس میں مرد و عورت دونوں شریک ہیں۔

۸ بخاری، ۱۷۱

مزید فرماتے ہیں۔ والعمل علی ھذا عند اھل العلم، لا یرون بزیارۃ القبور باساً۔

اہل علم کا اسی پر عمل ہے، وہ زیارت قبور میں کوئی قباحت نہیں دیکھتے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس حدیث سے یہی کچھ سمجھا تھا۔

حضرت عبداللہ بن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔

ان عائشۃ اقبلت ذات یوم من المقابر، فقلت لھا: یا ام المؤمنین من این اقبلت؟ قالت: من قبر اخی عبدالرحمان. فقلت لھا! الیس کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھیٰ عن زیارۃ القبور؟ قالت نعم، کان نھیٰ ثم امر بزیارتھا ۹

ایک روز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قبرستان سے تشریف لائیں۔

میں نے کہا امی جان! آپ کہاں سے تشریف لائی ہیں؟

فرمایا! بھائی عبدالرحمان کی قبر سے ہو کر آ رہی ہوں۔

میں نے پوچھا: کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زیارت قبور سے منع نہیں فرمایا ہے؟

انہوں نے جواب دیا: پہلے منع فرمایا تھا، لیکن پھر اجازت دیدی تھی۔

یہ تمام احادیث، واقعات اور دلائل یہ ثابت کرتے ہیں کہ

مزارات و قبور کی زیارت سنت نبوی ہے، صحابہ و اکابر کا اس پر تعامل رہا ہے اس حسین و مقبول عمل میں کوئی ایسی بات نہیں، جس پر اسے ناجائز و نامشروع قرار دیا جا سکے، اس لئے مسلمانوں کے مزارات و قبور سے روکنے کی کوشش، ایک نئی راہ مذموم بدعت، اور اسلامی شریعت و حکم کے خلاف سخت اقدام ہے، اور ایک طرح سے خداوندی قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کے مترادف ہے، جس کی جرأت ایک صادق و قانت مسلمان کے شایان شان نہیں

جب عام مسلمانوں کی قبور کی زیارت جائز، بلکہ ضروری و باعث اجر ہے تو گنبد خضراء کی زیارت کی فضیلت کا بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

۹ مستدرک، ۳۷۶

صحابہ و اکابر کی حاضری

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم، بعد میں آنے والے امت کے اکابرین، قدسی نفوس برگزیدہ حضرات اور عام مسلمان، ہر دور میں زیارت روضۂ اطہر کے لئے، بڑے حساس و فعال رہے ہیں، اس مقصد کے لئے بڑی لگن، خاص ذوق و شوق، حسن اہتمام اور عقیدت کے گہرے جذبات کے ساتھ تیاری کرتے اور دیار حبیب کی حاضری دیتے۔

اس عمل زیارت کے بارے میں ان کے ذہن میں روشن تصورات تھے، وہ اسے باعث اجر و قرب، سعادت و خیر اور خوش بختی کی اعلیٰ منزل مقصود سمجھتے تھے، زیارت و حاضری کے بارے میں منفی خیالات و تصورات سے ان کے پاکیزہ و نورانی ذہن یکسر خالی تھے۔

انوار و ھدیٰ اور ملائک کی زیارت گاہ گنبد خضراء ان کی محبت فراواں اور الفت بے پایاں کا مرکز تھا، جہاں انہیں تسکین و سرور اور قرب و حضور کی نعمت نصیب ہوتی تھی۔ وہ یہاں آکر عرفان ذات کی روشنی حاصل کرتے، اور سینوں میں حقائق کی معرفت کی فروزاں قندیلیں لے کر واپس جاتے۔

قلب و روح کی والہانہ چاہتوں کی آماجگاہ اور نور و نکہت کی عنایتوں کی جلوہ گاہ، جو جگہ ایسی قابل تکریم اور عشق و محبت کی ناز آفرین ادب گاہ ہو، وہاں بے قرار محبت کی بے خودی ضبط و احتیاط، نیاز و ادب اور جوش عشق و گداز قلب کے کیسے پرسوز و حیات افروز مظاہر ہونے ہوں گے، ان کا چشم خرد سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس مرکز تجلیات و انوار، روضۂ اطہر پر، انتہائی عجز و انکسار اور عقیدت و نیاز مندی کے ساتھ حاضری دیتے تھے اور اپنی قلبی کیفیات کا حرکات و آداب کے ذریعہ مکمل مظاہرہ کرتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے۔

(۱) اتی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوقف فرفع یدیہ حتی ظننت انہ

افتتح الصلاۃ فسلم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم انصرف ۱۰

حضرت انس روضۂ انور پر تشریف لائے، پھر وہاں کھڑے ہو گئے، پھر سلام کرنے کے لئے اس حد تک ہاتھ اٹھائے کہ میں سمجھا، نماز پڑھنے کے لئے ہاتھ بلند کر رہے ہیں۔ اس شان ادب کے ساتھ انہوں نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کیا، پھر چلے گئے

(۲) ان عبداللہ ابن عمر کان اذا قدم من سفر اتی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال السلام علیک یارسول اللہ۔ السلام علیک یا ابابکر، السلام علیک یا ابتاہ

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے لختِ جگر، جب بھی سفر سے واپس آتے تو روضۂ اطہر پر حاضری دیتے اور یوں سلام عرض کرتے۔

یارسول اللہ آپ پر سلام — اے ابوبکر آپ پر سلام

اے اباجان آپ پر سلام

(۳) حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے دربارِ خلافت حضرت فاروق اعظم میں حضرت میسرہ رضی اللہ عنہ کو اپنے قاصد و پیغام رساں کی حیثیت سے روانہ کیا، اس زمانے میں آپ نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا ہوا تھا، جب حضرت میسرہ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ پہنچے تو دخلھا لیلا ودخل المسجد وسلم علی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعلی قبر ابی بکر رضی اللہ عنہ

آپ رات کے وقت شہر میں داخل ہوئے، مسجد نبوی میں حاضر ہو کر پہلے روضۂ اطہر پر حاضری دی اور حضور علیہ السلام اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو سلام عرض کیا۔

اس حاضری، زیارت، اور سلام سے فارغ ہو کر تب آپ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دربار میں پہنچے اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا پیغام دیا، لکھا تھا کہ امیر المومنین خود تشریف لے آئیں اس طرح جنگ کے بغیر فتح کے روشن امکانات موجود ہیں۔

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بنفسِ نفیس بیت المقدس تشریف لے گئے۔ وہاں ہر قسم کی کامیابی نے قدم چومے، اور کعب احبار بھی اسلام سے مشرف ہوئے، جن کے ایمان لانے سے مسلمانوں کو بے حد خوشی ہوئی۔

۱۰ شفاء السقام، ۷۰ ۱۱ شفاء السقام، ۷۳

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب سے کہا: ھل لک ان تسیر معی الی المدینۃ وتزور قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وتتمتع بزیارتہ

کیا تم میرے ساتھ مدینہ طیبہ جانا چاہتے ہو؟ تاکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی زیارت کر سکو، اور اس زیارت سے روحانی نفع اٹھاؤ۔

حضرت کعب نے رضامندی کا اظہار کیا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ واپس تشریف لائے تو

اول ما بداء بالمسجد وسلم علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲

سب سے پہلے مسجد نبوی میں حاضر ہوئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں سلام عرض کیا۔

(۴) جاء ایوب السختیانی فدنا من قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاستدبر القبلۃ واقبل بوجھہ الی القبر فبکی بکاء غیر متباک ۱۳

حضرت ایوب سختیانی رضی اللہ عنہ روضہ انور پر حاضر ہوئے، قبلہ کی طرف پشت کر کے کھڑے ہو گئے اور روضۂ پاک کی طرف منہ کر کے اتنا روئے کہ بے خود ہو گئے۔

(۵) عاشقِ رسول، موذنِ مقبول حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ملک شام کی فتوحات کے بعد وہیں اقامت اختیار کر لی تھی، دردِ عشق اور اس کے جانکاہ صدموں نے اس پیکرِ عزم و استقلال اور کوہِ حلم و وقار کو ہلا کر رکھ دیا تھا، انہوں نے درد کا درماں اس چیز میں تلاش کیا کہ اس دیار پاک سے دور رہیں جس کے چپے چپے پر محبوب کی یاد کے دائمی نقوش ثبت ہیں اور سامنے آ آ کر زخموں کو ہرا کرتے رہتے ہیں۔

لیکن عاشق کا یہ فیصلہ محبوب کے دربار میں بے وفائی پر محمول کیا گیا۔

خواب میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو محبوب مکرم، حسن مجسم، پیکر لطف و کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، آپ نے فرمایا۔

ماھذہ الجفوۃ یا بلال! اما آن لک ان تزورنی

اے بلال! یہ کیا محبوبانہ جفا ہے؟ وقت نہیں آیا کہ تم ہماری زیارت کرو

۱۲ شفاء السقام، ۵۶ - ۱۳ شفاء ۴۷

اس حسین خواب نے حضرت بلال کا سکون و قرار لوٹ لیا، رات کی نیندیں اچاٹ ہو گئیں، دردِ نہاں میں شدت آ گئی، اسی وقت رختِ سفر باندھا اور دیارِ حبیب کی طرف روانہ ہو گئے۔

فحین وصل القبر صار یبکی عنده ویمرغ وجهه علیه ۱۲؎

جب روضۂ اطہر پہ پہنچے تو بے محابا رونے لگے، اور اپنا چہرۂ مبارک تربت شریف پر ملنا شروع کر دیا۔ جب عالی مرتبت شہزادگان حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ بلال آئے ہیں تو بھاگے آئے اور اپنی نورانی بانہیں ان کے گلے میں حمائل کر دیں۔ حضرت بلال بھی ان کے ساتھ چمٹ گئے اور عقیدت و احترام کے ساتھ بوسے دیئے۔

حضرت بلال کی آمد سے صبر و ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے، غم جاناں تازہ ہو گیا۔ وہ شب و روز نگاہوں میں گھوم گئے جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موجودگی میں بڑی لے اور سوز کے ساتھ اذان دیا کرتے تھے، بلال کو دیکھ کر سب کی طبیعت مچل اٹھی، انہی حسین دنوں کی یاد تازہ کرنے اور گردشِ ایام کے ساتھ واپس لوٹنے کیلئے بے قرار ہو گئے، شہزادوں سمیت سب نے کہا، "بلال اذان دو!"

حضرت بلال بھی بے خود ہو چکے تھے اسی عالمِ جذب و شوق میں لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ اٹھے، چھت پہ جا کر اپنی مخصوص جگہ پر کھڑے ہو گئے، اور درد و کرب میں ڈوب کر اذان کہنا شروع کر دی۔ ابھی پہلے ہی دو کلمات بلند ہوئے تھے کہ مدینہ منورہ میں کہرام مچ گیا، شناسا آواز نے دردِ دل اور سوزِ غم کو کئی گنا بڑھا دیا، در و دیوار سے گریۂ و فغاں کی آوازیں اور سسکیوں میں ڈوبی ہوئی پُر درد آہیں سنائی دینے لگ گئیں جیسے سب پر غم کی قیامت ٹوٹ پڑی ہو۔

یہ اس نقیبِ خاص کی آواز تھی جسکے فردوسِ گوش ہوتے ہی وہ مسجدِ نبوی کی طرف اپنے محبوب کی اقتداء میں نماز پڑھنے کے لئے چل پڑا کرتے تھے، اور آپ کے پیچھے عبادت کی سعادت حاصل کرنے کے ساتھ زیارت کی نعمت سے بھی فیض یاب و لذت

۱۲؎ شفاء ۵۳ ، شواہد الحق ۸۷

اندوز ہوا کرتے تھے۔ آج اذان تھی مگر محبوب کی زیارت کا جلوۂ حسین عام نہیں تھا، اس تصور سے سوز دروں میں اور اضافہ ہو گیا۔ اور جب بلال کی زبان سے محمد رسول اللہ کے دلنواز کلمات بلند ہوتے تو کسی میں یارائے ضبط نہ رہا، آہوں کے طوفان اور آنسوؤں کے سیلاب میں قرار و صبر کی ساری قدریں بہہ گئیں اور یادِ ایامِ وصال نے انہیں دھاڑیں مار کر رونے پہ مجبور کر دیا۔ اس طرح بلک بلک کر روئے کہ ہچکیاں بندھ گئیں۔

(۶) ایک اعرابی روضۂ اقدس پر حاضر ہوا۔ بڑے پر سوز و دلگداز انداز میں عرض کی! یارسول اللہ! خدائے برتر نے آپ پر قرآن پاک اتارا جس میں یہ ہدایت ہے

ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاءوک فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحیما [۴ : ۶۴]

اگر لوگ اپنے نفسوں پر ظلم کر لیں تو آپ کے دربار میں حاضری دے کر استغفار کریں، اور رسول کریم بھی ان کے لئے استغفار کریں تو ایسے لوگ خدا تعالیٰ کو تواب و رحیم پائیں گے۔

یارسول اللہ! میں گناہوں کا پشتارہ لے کر حاضر ہو گیا ہوں، اب آپ بھی میرے لئے دعا فرمائیں۔

پھر اس نے بڑے درد سے یہ اشعار پڑھے،

یاخیر من دفنت بالقاع اعظمه
فطاب من طیبهن القاع والاکم
نفسی الفداء لقبر انت ساکنه
فیه العفاف وفیه الجود والکرم

اے سب سے بہتر، اور سراپا خیر و برکت رسول پاک!
جو اس جگہ مدفون ہیں اور ان کی خوشبو سے گرد و پیش کی ساری زمین، ٹیلے اور میدان مہک اٹھے ہیں۔
اس قبر منور پر میری جان قربان! جہاں آپ سکونت پذیر ہیں۔
بے شک اسی میں طہارت و عفت اور کرم و سخاوت کی ساری شانیں موجود ہیں۔
وہ اس عقیدت و نیاز مندی کا اظہار، گریہ و زاری اور دعا کر کے چلا گیا

اس وقت ایک صاحب، عتبی وہاں موجود تھے، خواب میں آقا علیہ السلام نے انہیں حکم دیا، اس اعرابی کو جاکر خوشخبری سنا دو، کہ رب تعالیٰ نے اسے بخش دیا ہے۔

اس اعرابی کے دل پر درد سے نکلے ہوئے ان اشعار کو اتنی مقبولیت نصیب ہوئی کہ آج بھی اہلِ دل انہیں پڑھ پڑھ کے روتے اور محبت میں آنسو بہاتے ہیں۔

عشقِ نبوی کی دولت سے بہرہ ور شعراء نے ان پر تضمینیں لکھی ہیں، اور اس طرح اظہارِ محبت کے ساتھ دل کی تسکین کا سامان کیا ہے۔ احمد بن عبد العزیز کی یہ تضمین بڑی ہی پرکیف اور وجد آفرین ہے، جسے ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے۔

اقول والدمع من عینی منسجم
لما رایت جدار القبر یستلم
والناس یغشونه باک ومنقطع!
من المهابة اوداع فملتزم!
فما تمالکت ان نادیت من حرق!
فی الصدر کادت لها الاحشاء تضطرم

میں اشکبار آنکھوں کے ساتھ یہ شعر کہہ رہا ہوں، جبکہ روضۂ اطہر کی دیوار میرے سامنے چومی جا رہی ہے، آئے ہوئے لوگ گریہ کناں ہیں، کچھ ہیبت و جلال کے باعث دور کھڑے ہیں، کچھ چپٹ کر دعا و مناجات میں مصروف ہیں۔

یہ نظارہ کر کے میرا پیمانۂ صبر چھلک اٹھا، ضبط نہ کر سکا سینے میں محبت کے جو الاؤ دھک رہے تھے، ان کی سوزش کی بدولت بے اختیار پکار اٹھا۔

یا خیر من دفنت بالقاع اعظمه

اگلا بند ہے۔

وفیه شمس التقی والدین قد غربت
من بعد ما اشرقت من نورها الظلم
حاشا لوجهک ان یبلیٰ وقد هدیت
فی الشرق والغرب من انواره الامم

وان تمسک ایدی الترب لامسة
وانت بین السماوات العلی العلم [۱۵]

اور اسی میں تقویٰ و دین کا آفتاب ہے، جس کے نور سے تاریکیاں، اجالوں میں ڈھل گئی ہیں۔ آپ کی ذات اقدس اس سے بلند ہے کہ میلی اور بوسیدہ ہو، حالانکہ مشرق و مغرب کی قومیں ان کے انوار سے ہدایت یاب ہو چکی ہیں۔

اور آپ اس سے بھی پاک ہیں کہ مٹی کے ہاتھ آپ کو چھوئیں جبکہ آسمانوں کے درمیان آپ کی ذات بالا قامت و عالی مرتبہ ہے۔

عن جعفر الصادق انه کان بنفسه یزور النبی صلی الله علیه وسلم ویقف عند الاسطوانة التی تلی الروضة ثم یسلم [۱۶]

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ بذاتِ خود روضۂ اطہر کی زیارت کے لئے تشریف لایا کرتے تھے۔ روضۂ اقدس کے پاس ہی جو ستون ہے، اس کے پاس کھڑے ہو کر سلام عرض کیا کرتے تھے۔

(۸) روشن ضمیر اہلِ دین اور پاکباز اہلِ عشق کا یہ دستور بھی تھا کہ، روضۂ اطہر پر حاضری دینے والوں سے کہا کرتے تھے "ہماری طرف سے بھی سلام عرض کرنا۔"

سلطانِ انبیاء سے میرا سلام کہنا
امت کے پیشوا سے میرا سلام کہنا

یزید بن ابو سعید حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے لئے آئے، واپسی پہ آپ نے ان سے فرمایا، میں تم سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں۔

"جب روضۂ اقدس پر حاضری دو تو میری طرف سے بارگاہ رسالت میں دست بستہ سلام عرض کرنا۔"

کسی کی طرف سے صلوٰۃ و سلام عرض کرنے کا طریقہ یہ ہے

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ من فلاں بن فلاں

[۱۵] شفاء السقام، [۱۶] شواہد الحق، ۶۵

ائمہ اربعہ کے اقوال

قرآن پاک واحادیث مبارکہ اور اکابر امت کے تعامل سے جو دلائل پیش کئے گئے ہیں، کہ زیارت روضۂ اقدس جائز و باعث برکت ہے، ان پاکیزہ و ثقہ دلائل کی روشنی میں مسلمانوں کے چاروں فقہی مسالک نے بھی زیارت گنبدِ خضرا، کو نہ صرف جائز، بلکہ حقائق واقعات اور زور دار احکام کا لحاظ کرتے ہوئے، اس کے واجب ہونے کا فتویٰ دیا ہے، کسی امام نے بھی اسے غیر ضروری قرار نہیں دیا۔ بلکہ زیارت سے پہلو تہی کرنے کو ازلی محرومی اور انتہائی بدبختی سے تعبیر کیا ہے۔

فقہائے کرام کی عمیق نظر، روشن بصیرت، غیر معمولی قوت اجتہاد اور بے مثال فہم و فراست نے قرآنی آیات اور احادیث سے جو یہ حکم مستنبط کیا ہے کہ زیارت روضۂ اقدس قربت کا درجہ رکھتی ہے اور انتہائی ثواب و اجر کا باعث ہے۔

تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ

احکام زیارت سطحی نوعیت کے نہیں، جن میں صاحب استطاعت کو اختیار ہو، چاہے تو ان پر عمل کرے، اور اگر نہ چاہے تو بیٹھا رہے، بلکہ یہ احکام ہر لحاظ سے قوی و محکم اور حتمی و لازمی ہیں، جن کے اسالیب کے تیور دیکھتے ہوئے کہنا پڑتا ہے کہ روضۂ پاک کی زیارت اور حاضری، وجوب و لزوم اور قطعیت کا درجہ رکھتی ہے

حنفی مسلک

علامہ کمال بن ہمام حنفی ۸۶۱ھ نے فتح القدیر میں احکام زیارت کے لئے باقاعدہ ایک باب مختص کیا ہے، جس کا عنوان ہے۔

المقصود الثالث فی زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم

"تیسرا مقصود، روضۂ اطہر کی زیارت کے بیان میں ہے"

قال مشائخنا رحمھم اللہ تعالیٰ من افضل المندوبات وفی شرح المختار انھا قریبۃ من الوجوب

ہمارے مشائخ نے فرمایا! زیارت پاک افضل ترین مستحب ہے۔

اور شرح مختار میں ہے، دولت مندوں کے لئے تقریباً وجوب کا درجہ رکھتی ہے

والاولی فیما یقع عند العبد الضعیف تجرید النیۃ لزیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم اذا حصلت لہ اذا قدم نوی زیارۃ المسجد الخ

بندے کے نزدیک صرف زیارت کی نیت سے حاضری دینا زیادہ مناسب ہے چنانچہ جب حاضری کی نیت کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ جائے، تو مسجد کی زیارت کی بھی نیت کرے۔ آگے لکھتے ہیں

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شانِ عظمت و جلال کو ملحوظ رکھتے ہوئے، یہ بڑی مناسب صورت ہے اور پھر اس طریقہ سے حضور کے اس ارشاد پر بھی عمل ہو جاتا ہے۔ "جو صرف میری زیارت کے لئے آئے، کوئی اور کام نہ ہو،

اس کے لئے شفاعت کا وعدہ ہے"

علامہ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

الحنفیۃ قالوا ان زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم من المندوبات والمستحبات بل تقرب من درجۃ الواجبات [1]

احناف نے فرمایا ہے:

زیارت افضل ترین مستحبات میں سے ہے، بلکہ قریب بدرجۂ واجبات ہے۔

فتاویٰ ابو اللیث سمرقندی میں ہے۔

عن ابی حنیفۃ، الاحسن للحاج ان یبدأ بمکۃ فاذا قضیٰ نسکہ، مر بالمدینۃ وان بدأ بھا جاز

امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں!

حاجی کے لئے احسن یہ ہے کہ مکہ سے ابتدا کرے، اور مناسک حج ادا کرے۔ مدینہ طیبہ جائے، اور اگر ابتداءً ہی میں مدینہ طیبہ حاضر ہو جائے تو یہ بھی جائز ہے۔

الغایۃ میں حضرت ابو العباس سروجی کا فتویٰ ہے:- اذا انصرف الحاج والمعتمرون من مکۃ فلیتوجھوا الی طیبۃ، مدینۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وزیارۃ قبرہ، فانھا من انجح المساعی

[1] شفاء ۶۵

جب حاجی اور عمرہ کرنے والے مکہ سے لوٹیں تو مدینہ طیبہ اور روضۂ اقدس کی طرف متوجہ ہوں، یہی کامیاب و نفع رساں کوشش ہے۔

حنبلی مسلک

علامہ موفق الدین بن قدامہ مقدسی نے بھی احناف کی طرح اپنی عظیم کتاب المغنی میں زیارت کے لئے ایک الگ فصل قائم کی ہے، جو حنبلی فقہ کی معتبر اور ضخیم ترین کتاب ہے۔

فصل: یستحب زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسی طرح احمد بن القاسم نے مستوعب میں الگ باب باندھا ہے باب زیارہ قبر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

واذا قدم مدینۃ الرسول علیہ السلام استحب لہ ان یغتسل لدخولھا ثم یاتی مسجد الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ویقدم رجلہ الیمنی فی الدخول ثم یاتی حائط القبر فیقف ناحیۃ ویجعل القبر تلقاء وجھہ [18]

یہ باب زیارت روضۂ پاک کے بیان میں ہے۔

جب مدینہ طیبہ آجائے تو زائر کے لئے زیارت کی خاطر غسل کرنا مستحب ہے، مسجد میں آئے تو پہلے دایاں پاؤں داخل کرے، پھر روضۂ اقدس کی چہار دیواری کے پاس آکر ایک طرف کھڑا ہو اور اپنا منہ ادھر ہی رکھے۔

قال ابو القاسم رأیت اھل المدینۃ اذا خرجوا منھا او دخلوا اتوا القبر فسلموا وذالک رایی [19]

ابن قاسم کا بیان ہے:

"میں نے اہل مدینہ کو دیکھا ہے، جب وہ کہیں جائیں، یا کہیں سے آئیں، تو پہلے روضۂ اطہر پر حاضری دے کر سلام عرض کرتے ہیں۔ میری بھی یہی رائے ہے۔"

حضرت محبوب سبحانی، غوث صمدانی، شہباز لامکانی، عارف ربانی، غوث اعظم محی الدین عبد القادر جیلانی حسنی حسینی رضی اللہ عنہ نے غنیۃ الطالبین میں زیارت کے باقاعدہ آداب و طریقے، سلام و درود تحریر فرما کر دعائیں لکھی ہیں، تاکہ زائر آسانی کے ساتھ قواعد و آداب ملحوظ رکھ کر زیارت کر سکے، آپ نے آخر میں تحریر فرمایا ہے۔

۱۸ے الشفاء ۶۵، ۱۹ے الشفاء ۷۱، ۲۰ے شواہد الحق ۷۵،

وان احب ان یتمسح بالمنبر تبرکا بہ والصلاۃ بمسجد قباء وان یاتی قبور الشھداء والزیارۃ لھم فعل ذالک واکثر الدعاء ھنالک [20]

"اور اگر چاہے تو تبرک کے لئے منبر پہ ہاتھ پھیرے، مسجد قبا میں جاکر نماز پڑھے، شہداء کے مزارات پر حاضری دے، اور وہاں خوب دعائیں کرے۔"

حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے ان ارشادات کی روشنی میں علامہ یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عبد الوہاب نجدی کے دعوائے حنبلیت پر اس طرح تبصرہ فرمایا ہے۔

یہ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے ارشادات و عقائد ہیں، جو اہلسنت کے امام، فقہاء و محدثین اور اولیاء کرام کے سرتاج ہیں۔ آپ کے بیان سے واضح ہوتا ہے حنبلی مسلک میں روضۂ اقدس کی زیارت شہداء کی قبور پر حاضری، توسل، دعا اور سلام جیسے تمام امور سے برکات و ثواب حاصل کرنے کا حکم ہے جبکہ شیخ نجدی نے ان تمام اعمال کو گمراہی، فسق و فجور، اور کفر و شرک قرار دیا ہے۔ اور ساتھ ہی اپنے حنبلی ہونے کا دعویٰ بھی کیا ہے، ——— حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے بیان کی روشنی میں معلوم ہوا اس کا دعویٰ اکذب صریح اور ناواقفوں کو دھوکا دینے کے سلسلے کی ایک کڑی ہے، وہ قطعی حنبلی نہیں، خود کو خواہ مخواہ امام احمد جیسی عظیم و جلیل ہستی کی طرف منسوب کرتا ہے عہ

حاشیہ

عہ فتاوی رشیدیہ کے مرتب نے بھی جو شیخ نجدی ہی کے ہم مسلک ہیں، مگر کھل کر اس کی تعریف سے گریزاں ہیں، کیونکہ اس کے خوفناک غیر اسلامی اعمال اس اعتراف کی راہ میں حائل ہیں، اس لئے تذبذب کے سے عالم میں شیخ نجدی کی "انگشت حیرت در دہاں نیمے دروں نیمے بروں" قسم کی یوں وکالت فرمائی ہے:

محمد بن عبد الوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں، ان کے عقائد عمدہ تھے، اور مذہب ان کا حنبلی تھا البتہ ان کے مزاج میں شدت تھی، مگر وہ اور ان کے مقتدی اچھے ہیں، مگر ہاں جو حد سے بڑھ گئے، ان میں فساد آگیا ہے۔ (مطبوعہ قرآن محل، ۲۳۵)

۲۰ے شواہد الحق، ۷۵

شافعی مسلک

حنفی اور حنبلی مسلک کی طرح، اہلسنت وجماعت کے شافعی مسلک کی نمائندہ کتب میں بھی زیارت کے احکام وآداب بتانے کے لئے الگ باب مرتب کئے گئے ہیں۔

امام نووی شافعی (۶۷۶ھ) نے ایضاح المناسک میں فرمایا ہے۔

الباب السادس فی زیارة قبر سیدنا ومولانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وما یتعلق بذالک:

چھٹا باب روضۂ اطہر کی زیارت اور اس کے متعلقات کے بیان میں ہے

اس کے بعد آپ نے بھی وہ تمام آداب اور طریقے درج فرمائے ہیں، جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے کہ زائر حج وعمرہ سے فارغ ہو کر، بڑے شوق وانہماک کے ساتھ زیارت روضۂ پاک کے لئے روانہ ہو، جب مدینہ منورہ کے نشانات نظر آنے لگ جائیں تو دل ودماغ کو پوری طرح حاضر کرے، بڑی محبت ورقت اور سوز وگداز کے ساتھ درود پاک کا ورد کرنا شروع کرے، اور احادیث میں مدینہ منورہ کے جو فضائل بیان ہوئے ہیں وہ تصور نگاہ میں رکھے تاکہ طبیعت ادھر ہی لگی رہے، اور دل کا تار ٹوٹنے نہ پائے، پھر غسل کر کے پاکیزہ لباس پہنے، اور اپنی ناچیز حیثیت کو نگاہ میں رکھتے ہوئے بڑے ادب کے ساتھ دربار رسالت میں حاضری دے۔

ولکن من اوّل قدومه الی ان یرجع مستشعرا لتعظیمه ممتلئ القلب من هیبته کانه یراه صلی اللہ علیہ وسلم۔

اور آمد کے لمحے سے لے کر واپسی تک، آپ کی تعظیم کو ہمیشہ ملحوظ اور آپ کی ہیبت سے دل کو معمور رکھے، گویا آپ کا دیدار کر رہا ہے،

مالکی مسلک

اہلسنت وجماعت کے دستور ونظریات کے مطابق حسن عدوی مالکی نے مشارق الانوار میں لکھا ہے: اعلم ان زیارة قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اعظم القربات وارجی الطاعات:

جان لے کر روضہ شریف کی زیارت، عظیم عبادت اور مقبول ترین اطاعت ہے۔

ابو عمران مالکی تہذیب المطالب میں لکھتے ہیں۔

ان زیارة قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم واجبة، یعنی من السنن الواجبة ۱ے

روضۂ پاک کی زیارت واجب ہے، یعنی سنت واجبہ ہے

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے خلیفہ ابوجعفر منصور کو روضۂ اقدس کی حرمت ملحوظ رکھنے کیلئے جو تلقین کی، اور اس کے سوال کا ایمان افروز تسلی بخش جواب دیا، وہ زیارت کے معاملے میں آپ کے نظریئے کو سمجھنے کے لئے کافی ہے۔

اسلام کے مستند قانون دان اور عظیم مفکر قاضی القضاۃ ابو الحسن ماوردی (۴۵۰ھ) رحمۃ اللہ علیہ نے امیر الحج کے فرائض بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

حجاج کو زیارت روضۂ پاک کے لئے لے جانا بھی مستحسن ہے، تاکہ ان کے لئے شفاعت کا دروازہ کھل جائے، کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔

من زار قبری وجبت له شفاعتی (احکام سلطانیہ: ۹۵)

جس نے میری قبر کی زیارت کی، اس کے لئے شفاعت واجب ہو گئی۔

المدخل میں ابن الحاج کا دعویٰ اور جواب دعویٰ بڑا ایمان افروز ہے،

فاذا خرج من مکة فلتکن نیته وعزیمته وکلیته فی زیارة النبی صلی اللہ علیہ وسلم وزیارة مسجده والصلاة فیه وما یتعلق بذالک کله لایشرک معه غیره من الرجوع الی مقصوده او قضاء شیئ من حوائجه وما اشبه ذالک لانه علیه الصلاة والسلام متبوع لاتابع، فهو راس الامر المطلوب والمقصود الاعظم

۱ے شفاء السقام، ۶۷

جب حاجی مکہ سے نکلے تو اس کے عزم و ارادہ میں زیارت روضۂ اطہر، زیارت مسجد اور اس میں نماز پڑھنے کے سوا کسی اور مقصد کی آلائش نہیں ہونی چاہیئے وہ تمام ضروریات و حاجات اور تمام کاموں کا خیال دل سے جھٹک کر جائے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم متبوع و مقصود اعظم، روحِ تمنا اور جانِ آرزو ہیں، کسی کے تابع نہیں اس لئے اولین اور بالذات آپ ہی کی زیارت کا قصد ہونا چاہیئے۔

یہ تمام فتاوی و بیانات، نظریات اور عقائد ائمہ کے مذاہب سے پردہ اٹھانے کے لئے کافی ہیں، سب نے زیارت پر زور دیا ہے، اور کسی کے کلام میں اس بدعتی عقیدے کا شائبہ تک نہیں کہ زیارت کے لئے جانا ناجائز ہے، اس لئے یہ عقیدہ و خیال بدعت سیئہ گناہ، بدبختی کی علامت اور نفاق کا سمبل ہے، مومنانہ ذہن اور اس کی حسین و پرنور روایات اور مسلمانی سے اس کا کوئی علاقہ نہیں، بلکہ کسی فاسد جذبے، ذہنی کجروی، اور شوخیٔ اندیشہ کی پیداوار ہے۔

امام اہلسنت علامہ یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔

جب اہلسنت و جماعت کے چاروں مسلک اس مرکزی نقطہ پر متفق ہیں کہ روضۂ اقدس کی زیارت مسنون و باعث ثواب اور قریب قریب واجب کے حکم میں ہے تو ایک سچا صاحب نسبت، فرمانبردار اور ایمان دار امتی اس کے بارے میں کوئی غلط اور مکروہ رائے قائم کرنے کی مذموم جرات کس طرح کر سکتا ہے؟ کیونکہ یہ نشانِ بدبختی ہے، کہ سراپا کرم و رحمت حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے درِ اقدس کی حاضری کو ناپسندیدہ قرار دیا جائے، اور اس عمل خیر کو بدعت و ناجائز جیسے الفاظ سے تعبیر کیا جائے۔

جب حقیقت یہ ہے تو چاروں مسالک کے مسلمانوں کے متفقہ نظریہ و عقیدہ کے برعکس، زیارت روضۂ اقدس کے بارے میں شیخ نجدی کے مذموم اور بدعتی خیال و گمان کا کوئی اعتبار اور وزن نہیں، اس کے بڑ مارنے سے یہ اجماعی و متفقہ نورانی عقیدہ مجروح و متاثر نہیں ہوتا۔

چند شبہات کا ازالہ

یہاں چند شبہات کا ازالہ بہت ضروری ہے، جو ایک مکتبِ فکر کی طرف سے اس دعوی کے ساتھ پیدا کئے جاتے ہیں کہ زیارت روضۂ اقدس اور اسی طرح دیگر اولیاء اللہ کے مزارات کی طرف سفر ممنوع و ناجائز ہے بلکہ اسے حرام و شرک اور کفر تک قرار دینے میں کوئی باک محسوس نہیں کیا جاتا۔

چونکہ یہ بات بڑی سنگین صورت اختیار کر لیتی ہے کہ ایک طرف اہل سنت و جماعت، مکتبِ فکر کا یہ دعوی ہو کہ زیارت پاک نہ صرف موجب رحمت و برکت بلکہ باعث ثواب سعادت بھی ہے، اور دوسری طرف اسے گناہ و حرام قرار دیا جائے، تو ناواقف یا حقیقت سے بے بہرہ شخص کے ذہن کا الجھ جانا یقینی ہے اس لئے ناگزیر ہو جاتا ہے کہ بحث کو سمیٹنے سے پہلے اس پہلو پر بھی روشنی ڈال دی جائے، تاکہ جہاں ایک طرف اہل سنت و جماعت کے افراد کو بصیرت کی روشنی حاصل ہو، تو دوسری طرف فریق ثانی کو بھی اندھا دھند اپنی فتوی بازی پر نظر ثانی کرنے کا موقعہ مل جائے، اور وہ ٹھنڈے دل سے مسئلہ کی نزاکت و اہمیت پر غور کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔

سفر زیارت پر معترض ہونے والوں کی طرف سے، عام طور پر تین احادیث پیش کی جاتی ہیں، جو ان کے تمام اعتراضات کا مبنیٰ اور شبہات کا منبع و مرجع ہیں، چونکہ حدیث کا نام سن کر مسلمان کے دل میں عقیدت مندانہ ہیبت پیدا ہو جانا ضروری ہے کہ جب حدیث میں زیارت کی ممانعت ہے تو پھر یہ کیونکر جائز ہو سکتی ہے؟ اس لئے ان احادیث کا مفہوم جاننا ضروری ہے، تاکہ مومن کا ذہن مطمئن ہو جائے اور اسے پتہ چل جائے، ان احادیث کا سرے سے وہ مطلب ہی نہیں ہے، جو غلط رنگ دے کر پیش کیا جاتا ہے۔

وہ تین احادیث یہ ہیں۔

۱- لا تجعلوا قبری عیدا

۲- لا تجعل قبری وثنا یعبد

۳- لا تشد الرحال الا الی ثلاثہ مساجد

ان احادیث کا ملخص و نتیجہ بیان کرتے ہوئے، زیارت سے روکنے والوں کی طرف سے کہا جاتا ہے: (ا) فی الحدیث دلیل علی منع شد الرحال الی قبرہ، والی غیرہ من القبور والمشاھد لان ذالک من اعیاد، بل من اعظم اسباب الاشراک باصحابھا [۲۲]

اس حدیث میں دلیل موجود ہے کہ حضور علیہ السلام کے روضۂ پاک اور دیگر اولیاء اللہ کے مزارات کی طرف جانا ممنوع ہے، کیونکہ یہ عید بن جاتی ہے یہی نہیں بلکہ یہ اصحاب قبور کے ساتھ شرک کرنے کے بڑے اسباب میں سے ہے۔

(ب) والسفر لمجرد الزیارۃ فیہ نزاع ومن سافر لمجرد قبر فلم یزر زیارۃ شرعیۃ بل بدعیۃ [۲۳]

صرف زیارت کے لئے سفر کرنے میں اختلاف ہے، جس نے صرف قبر کی زیارت کے لئے سفر کیا، اس نے شرعی زیارت نہیں کی، بلکہ وہ زیارت کی جو بدعت ہے

(ج) وجہ منع از سفر زیارت خواہ قبور انبیاء باشد یا غیر ایشاں، آنست کہ دلیلے بر جواز آں از کتاب و سنت یا اجماع یا قیاس قائم نیست۔

انبیاء یا اولیاء کرام کے مزارات کی طرف سفر زیارت کرنے کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ کتاب و سنت یا اجماع اور قیاس سے اس پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے۔

(د) مکان متبرک کی طرف سفر کرنا درست نہیں، برابر ہے کہ کسی نبی کی قبر ہو یا ولی کی، لیکن اگر تقرب الی اللہ مقصود نہیں، بلکہ کوئی اور حاجت ہو، مانند تجارت اور سیکھنے علم وغیرہ کے، تو اس کے لئے ہر جگہ اور ہر مکان کی طرف سفر کرنا درست ہے۔ بالاجماع

[۲۲] فتح المجید شرح کتاب التوحید، ۲۱۵ ، [۲۳] رحلۃ الصدیق، ۷۹

(ھ) طالب علم اور دیگر ضروریات کے لئے سفر کا کوئی حرج نہیں، صرف کسی جگہ کی طرف جس میں قبر نبوی بھی داخل ہے، ثواب کی نیت سے سفر کرنا جائز نہیں۔

یہ ہیں وہ بیان کردہ معانی جن کے تصور ہی سے ایمان و یقین پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے یہ عجب توحید، شرک بیزاری، یا ایمان اور رسول کے ساتھ محبت ہے کہ دنیا بھر کے کاموں کے لئے دنیا کے ہر خطے کی طرف جانا جائز ہے۔ لیکن گنبد خضراء اور خدا والوں کے مزارات ہی وہ مقامات ہیں جنکی طرف جانا حرام و ناجائز ہے، حالانکہ وہ مزارات حضور علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق سرزمین فردوس کا ایک ٹکڑا ہوتے ہیں۔ روضۃ من ریاض الجنۃ عقل انسانی حیران اور ایمان و یقین انگشت بدنداں ہیں کہ اس رسول دشمنی کھلی ہوئی منافقت، الوہیت کے ساتھ ہم آہنگی، اور ابن ابی کی ہم مشربی کو کیا نام دیں، جسے علم و تحقیق کے نام پر حفاظت توحید کے ریشمی پردے کی آڑ میں پیش کیا جاتا ہے۔

اب ان اخذ کردہ مفاہیم و معانی کو اصل احادیث کی روشنی میں جانچا جاتا ہے تاکہ یہ فیصلہ کرنے میں آسانی ہو سکے، آیا ان احادیث سے یہ مستنبط ہوتے ہیں، یا خواہ مخواہ دانستہ اور ڈھٹائی کے ساتھ انہیں یہ معانی پہنانے کی کوشش کی گئی ہے، تاکہ شمع نبوی کے پروانوں کو گنبد خضرا کی زیارت سے روکا جا سکے، جو ایک معیوب، ناپسندیدہ، غیر مستحسن اور منافقانہ کوشش ہے، چاہے کسی رنگ اور پردے میں ہو، کیونکہ صاحب دل اور صاحب ایمان مسلمان زیارت نبوی سے روکنے یا اس کے حرام ہونے کا دل ہلا دینے والا تصور بھی نہیں کر سکتا وہی زبان یہ الفاظ ادا کر سکتی ہے وہی دماغ اس نہج پر سوچ سکتا ہے۔ جسکے تعلقات، نفاق کے ساتھ قائم ہو چکے ہوں، اور اس کی زندگی کے ڈانڈے اس راہ کے ساتھ مل چکے ہوں جو فتنوں و زلازل کی سرزمین نجد کی طرف جاتی ہے۔ یمن۔ شام بیت المقدس یا مدینہ منورہ کی طرف نہیں۔

(ج) عرف الجادی، ۲۴۹ - (د) فقہ محمدیہ کلاں (ھ) مسئلہ سماع موتی -
نوٹ:- اقتباسات ابجد اور (ھ) بحوالہ مقیاس حنفیت، ۵۴۷

پہلی حدیث کا جواب

لا تجعلوا قبری عیدا (تم میری قبر کو عید مت بنا ؤ)

اس حدیث کا یہ مطلب قطعی غلط اور سنگدلانہ تحریف ہے کہ "میری زیارت کے لئے مت آؤ" کیونکہ اسی باب کے آغاز میں، کتنی ہی احادیث سے زیارت کے ثواب اور اس کی فضیلت پر روشنی ڈالی جا چکی ہے، اگر اس حدیث کا یہ مطلب لیا جائے تو ان تمام مستند احادیث کے ساتھ تعارض لازم آتا ہے، اس لئے تسلیم کرنا پڑے گا اس کا یہ مطلب بالکل نہیں ہے کہ زیارت مت کرو۔

نیز اگر یہی مطلب ہوتا تو آقا علیہ السلام یہ انداز و اسلوب اختیار فرمانے کی بجائے "لا تزوروا" فرما دیتے کہ مت زیارت کرو، مگر آپ نے لا تجعلوا فرمایا ہے۔ اور قبر کو عید بنانے کی ممانعت فرمائی ہے، اس لئے منشائے نبوی معلوم کرنے کے لئے ہمیں، عید کا مفہوم ڈھونڈنا پڑے گا، اور جب عید کا مفہوم متعین ہو جائے گا۔ تو وہی اس حدیث کا مطلب ہو گا کہ قبر کو اس قسم کی عیدگاہ بنانا ممنوع ہے۔

اس زمانے میں عید کا جو تصور تھا اور جو تقریباً آج بھی ہے اس پر احادیث سے کافی روشنی پڑتی ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ عید کو کھیل کود، طرب و غنا اور دعوتِ عام کے معنی میں لیا جاتا تھا، ثبوت کے لئے ان احادیث کا سمجھ لینا کافی ہے۔

(الف) ایک دفعہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کاشانۂ نبوی میں حاضر ہوئے اتفاقاً دو ننھی منھی بچیاں جنگِ بعاث کے رجزیہ اشعار گا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا دل بہلا رہی تھیں، اپنے دیہاتی ماحول اور سادہ سے رواج کے مطابق ڈھول کے قبیل کی ایک چیز دف پر بھی ہاتھ مارتی جاتی تھیں، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے طرب و غنا کا یہ منظر دیکھا تو جلال میں آ گئے، اور اپنی صاحبزادی کو ناراض ہوئے کہ تم نے کاشانۂ نبوی میں حضور کے سامنے، یہ کیا میلہ لگا رکھا ہے۔ اور طرب و غنا کی یہ کیسی مجلس برپا کر رکھی ہے؟

آقا علیہ السلام نے رخِ انور حضرت صدیق کی طرف کیا اور فرمایا: اے صدیق!

ان لکل قوم عیدا وان عیدنا ھذا الیوم [۲۴]

ہر قوم کے لئے ایک عید ہوتی ہے اور آج ہماری عید کا دن ہے۔

گویا آپ نے عید کے دینی تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے جائز حدود کے اندر موجود، سادہ سے انداز کے طرب و غنا اور اس انداز میں اظہارِ مسرت کی اجازت دے دی، جس سے معلوم ہوا عید طرب و غنا کا دن ہے۔ اور آپ نے اپنے روضۂ اطہر کے نزدیک اسی قسم کی عید یعنی طرب و غنا سے روکا ہے کہ وہاں گانے بجانے کا شغل اختیار نہ کیا جائے، کیونکہ اس زیرِ آسماں نازک ترین ادب گاہ کے اندر تو آواز اونچی کرنے سے بھی روک دیا گیا ہے۔

(ب) عید کے روز ہی حبشی لوگ مسجد میں جنگی مشقوں کا مظاہرہ کر رہے تھے، ان کی اچھل کود پینترا بدلنے، وار روکنے اور حملہ کرنے کے کرتب اور فنونِ حرب کی نمائش کو سبھی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے بینما الحبشۃ یلعبون عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [۲۵]

یہ اس وقت کی بات ہے، جب حبشی لوگ آقا علیہ السلام کے سامنے کھیل رہے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

وکان یوم عید یلعب السودان بالدرق والحراب [۲۶]

"عید کا روز تھا، اور حبشی لوگ ڈھال اور نیزے کے ساتھ کھیل رہے تھے" اتنے میں حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی تشریف لے آئے، آپ نے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ کھیل کود دیکھا تو غصے میں آ گئے اور

اھوی الی الحصا فحصبھم بھا کنکر روڑے اٹھا کر ان کی طرف پھینکے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا! اے عمر! انہیں کچھ نہ کہو۔

یہ واقعہ اور اس کے آخر میں حضور کا ارشاد عید کے دوسرے مفہوم کو متعین کرتا ہے کہ عید کھیل کود پر مشتمل ہوتی ہے، چنانچہ مذکورہ حدیث میں عید نہ بناؤ کا مطلب ہو گا.... میرے روضے پر آ کر کھیل کود، اچھل پھاند کا مظاہرہ مت کرو، بلکہ ادب کے تمام تقاضوں کو ملحوظ رکھو۔

(ج) عید ہی کے مفہوم میں دعوت طعام مل کر کھانا پینا اور موج اڑانا بھی شامل ہے۔

عید کے خصوصی ایام کے بارے میں آپ کا ارشاد ہے۔

---

[۲۴] بخاری، ۵۵۹: [۲۵] بخاری، ۴۰۶: [۲۶] بخاری ۴۰۶

لاتصوموا فی ھذہ الایام فانھا ایام اکل وشرب وبعال

ان ایام میں روزے مت رکھو، کیونکہ یہ کھانے پینے اور دل لگی کے دن ہیں۔

روضہ پاک پر اس قسم کی عید منانے سے بھی منع کر دیا۔

غرض عید کے جو مروّج و مشہور مفہوم تھے، حدیث پاک میں آپ نے ان ہی سے روکا ہے، نفس زیارت کی قطعاً ممانعت نہیں فرمائی ہے

دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ اس حدیث کے ذریعہ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آداب زیارت سکھائے ہیں، کہ ڈھول بجاتے، ناچتے گاتے، بھنگڑا ڈالتے اور لغویات کا ارتکاب کرتے مت آؤ، جو قوموں میں عید کے دن روا رکھی جاتی ہیں بلکہ اس طرح آؤ، جیسے ایک باوقار، سنجیدہ، بردبار اور معزز انسان کے آنے کا انداز ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اکابرین امت بعض لوگوں کو غلط انداز اختیار کرنے پر روک دیا کرتے تھے۔ حضرت حسن بن حسن بن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم نے روضۂ اطہر پر ایک شخص کو اسی حالت میں دیکھا، آپ سخت برافروختہ ہوتے، ڈانٹا اور فرمایا!

کیا میں تمہیں حضور کی حدیث نہ سناؤں، آپ نے فرمایا ہے!

لاتجعلوا قبری عیدا ولا تتخذوا بیوتکم قبورا وصلوا علی حیث ما کنتم فان صلاتکم تبلغنی [27]

میری قبر کو عید مت بناؤ، اور نہ ہی اپنے گھروں کو قبریں بناؤ، اور جہاں بھی تم رہتے ہو، اسی جگہ سے مجھ پر درود بھیجو، بے شک تمہارا درود مجھ تک پہنچے گا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اس کی نامناسب، غیر شرعی اور میلہ جیسی حالت بنانے پر گرفت کی اور تنبیہ فرمائی کہ اس انداز سے یہاں آنا مناسب نہیں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی تو ہے کہ ہر جگہ سے درود و سلام مجھ تک پہنچ جاتا ہے۔ چاہے پڑھنے والا کہیں بھی ہو، اس لئے اگر آداب ملحوظ نہ رکھ سکتے ہوں، تو بہتر ہے۔ یہاں آنے کی بجائے گھر ہی میں بیٹھ کر یہ فریضہ ادا کر لیا جائے۔

---

[27] شفاء السقام، ۷۹ بحوالہ مصنف عبدالرزاق

حضرت حسن کا یہ قطعی نظریہ نہیں تھا کہ زیارت کے لئے آنا ممنوع ہے، کیونکہ زیارت کرنا تو سب کا معمول تھا، سب اہل بیت خود بھی حاضری دیتے تھے، اور زیارت کے لئے آنے والوں کو بھی دیکھتے رہتے تھے، کوئی کسی کو منع نہیں کرتا تھا، اس لئے ماننا پڑے گا یہ ممانعت اور ڈانٹ اس بے ڈھب اور ناشائستہ انداز کی وجہ سے تھی جو ان لوگوں نے اختیار کیا، اور جس سے عید کا سا سماں پیدا ہو گیا تھا۔ وہ غیر معقول سماں جسے برپا کرنے سے محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی عید کا اور اس حدیث کا یہی مفہوم بیان فرمایا ہے

"لاتتخذوا قبری عیدا میری قبر کو میلہ مت بنانا۔

اس حدیث کے صحیح معنی یہ ہیں کہ قبر پر میلہ لگانا، خوشیاں کرنا، زینت و آرائش اور دھوم دھام کا اہتمام کرنا، یہ سب منع ہے، کیونکہ زیارت قبور عبرت اور آخرت کو یاد دلانے کے لئے ہے، نہ کہ غفلت اور زینت کے لئے۔

یہ معنی نہیں ہیں کہ قبر پر جمع ہونا منع ہے، ورنہ قافلوں کا روضۂ اقدس کی زیارت کے لئے مدینہ طیبہ جانا بھی منع ہوتا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ غلط ہے۔

حقیقت ہے کہ زیارت قبور، اکیلے یا جماعت کے ساتھ دونوں طرح جائز ہے"[28]

یہ حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ ہے، جو تمام مکاتیب فکر کے مسلمہ روحانی پیشوا اور دینی رہبر ہیں، آپ کو علمی و روحانی دنیا میں جو مقام حاصل ہے وہ فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے، آپ جیسی عظیم شخصیت نے گہری فکر و بصیرت کی روشنی میں اس حدیث پاک کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ روضۂ اطہر کی زیارت کے وقت عید کے سے انداز اختیار کرنا ممنوع و حرام ہے، نفس زیارت کسی طور ممنوع نہیں، یہ معنی بیان کرنا سینہ زوری بھی ہے، علم و دیانت کے ساتھ دغا بھی، اور نفاق و عداوت اور ابلیسی قوتوں کے ساتھ مفاہمت کی علامت بھی! در بار نبوی کی حاضری سے روکنا ابوجہلی، ابولہبی اور یہودی طریقہ ہے، شیوۂ اہل محبت اور اہل وفا نہیں

---

[28] فیصلہ ہفت مسئلہ، ۲۶

دوسری حدیث کا جواب

اللھم لا تجعل قبری وثنا یعبد۔

اے اللہ! جس طرح کسی بت کی عبادت کی جاتی ہے، میری قبر کو ایسا نہ بنا۔

امت کو زیارت روضۂ اقدس سے روکنے کے لئے اس حدیث کو بطورِ حجت و استدلال پیش کیا جاتا ہے، کہ زیارت کے لئے اہتمام میں عبادت کا شائبہ ہے۔ اس لئے عمل زیارت ممنوع و حرام ہے۔ نعوذ باللہ۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس حدیث سے جو مفہوم و مطلب اخذ کیا گیا ہے، وہ اس سے حاصل بھی ہوتا ہے، یا نہیں؟ اگر اس کا یہ مطلب نہیں تو اصل مفہوم و مدعا کیا ہے؟

دراصل یہ حدیث باطل پرستی، شرک نوازی، جاہلانہ طرزِ فکر اور معرفت خداوندی سے بے بہرہ فلسفہ و نظریہ کو سامنے رکھ کر ارشاد فرمائی گئی ہے، اس لئے جب تک اس کے پورے پس منظر سے آگاہی حاصل نہ ہو، اس وقت تک یہ پتہ نہیں چلتا کہ آقا علیہ السلام نے اس انداز میں یہ ارشاد کیوں فرمایا ہے اس لئے حقائق و واقعات کی صحیح تہہ تک پہنچنے کے لئے اس پس منظر کی تفصیلات جاننا ضروری ہیں۔

یہود اپنی عادات و خصائل، افتادِ طبع، ہر دم متلون جبلت اور گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے ہوئے مزاج و کردار کے اعتبار سے اس موج تند جولاں کی مانند تھے جسے کہیں بھی اور کسی پل قرار نہیں آتا، جو اپنے تند و تیز بہاؤ میں خس و خاشاک اور لپیٹ میں آنے والی ہر چیز کو لئے محو سفر رہتی ہے۔ یہ لوگ آن واحد میں سرکش طاغوت اور بے قید دیوِ منرود کی صورت اختیار کر لیتے، جس کے قہر و غضب کی زد میں آنے والی کوئی چیز سلامت نہیں رہتی اور پھر دوسرے ہی لمحے بادِ نسیم کے خنک اور جاں بخش جھونکوں کا روپ دھار لیتے جو جسم و روح کو تازگی بخشتے اور قلب و جگر کو حیات نو عطا کرتے ہیں۔

ان کے پہلے روپ کو قرآن پاک نے یوں بیان فرمایا ہے۔

ویقتلون النبیین بغیر الحق [29]

وہ انبیائے کرام کو ناحق قتل کرتے ہیں۔

اور دوسرے روپ کے بارے میں بتایا ہے کہ جب وہ اس روپ میں جلوہ گر ہو کر کسی پہ مہربان ہوتے ہیں تو عنایات خسروانہ کی انتہا کر دیتے ہیں۔ تا آنکہ مدح و ثنا کی ساری حدیں ٹوٹ جاتی ہیں اور ان کی تعریف کے ڈانڈے توحید کی حدیں توڑ کر شرک و کفر سے جا ملتے ہیں۔

وقالت الیھود عزیر ابن اللہ [30]

اور کہا یہود نے عزیز اللہ کے بیٹے ہیں۔

یہود کے مزاج سے آگاہ کرنے کے بعد قرآن پاک نے نصاریٰ کے اعمال انکے افکار و نظریات سے بھی باخبر کیا ہے۔ جنہیں یہود کے بعد الہامی دستور العمل اور احکام خداوندی کا مجموعہ تورات کی صورت میں عطا کیا گیا تھا۔ نصاریٰ کچھ عرصہ تک توحید کے تقاضے پورے کرتے رہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم، روشنی اور ہدایت کا مینار بن کر ان کے عمل و فکر کی راہوں کو منور کرتی رہی، مگر وقت گزرنے کے ساتھ یہ تاباں اور روشن راہیں، شرک اور ضلالت کے اندھیاروں میں گم ہونا شروع ہو گئیں، چنانچہ تیسری صدی عیسوی کے آغاز تک ان ظلمتوں نے مکمل طور پر اس راہ کے مسافروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

اس بدبختی کا آغاز اس بات سے ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیثیت کے بارے میں ان کے درمیان اختلاف رائے ہو گیا۔ کچھ لوگوں نے یہ رائے دی کہ عیسیٰ علیہ السلام کی اعجازی قوت اور بے مثل شان کے پیش نظر ان کو ابن اللہ ہونے کی حیثیت بخشی جائے، ایسے حیرت انگیز معجزات، زندگی بخش کلمات اور کشف و کرامات، ان کے سوا کسی اور کو ودیعت نہیں ہو سکتے، وہ قم کہہ کر زندہ کرتے اور پھونک مار کر پرندے

---

[29] قرآن حکیم، ۲: ۶۱ ، [30] سورہ التوبہ ۹: ۳۰

اڑا دیتے ہیں، یہ ایک انسان کی طاقت نہیں، بلکہ خالق کے بیٹے کی طاقت اور عظیم شان ہے اس کافرانہ اندازِ فکر کی صائب العقل حضرات نے شدومد سے مخالفت کی مگر نقار خانے میں طوطی کی آواز دب کر رہ گئی، جب ان کے بادشاہ قسطنطین نے اقتدار سنبھالا تو اسے اپنی سیاسی بقا اور اقتدار کی سلامتی اسی میں نظر آئی کہ وہ اس کافرانہ عقیدے کو پھیلائے اور ایسے حامی حاصل کرے جو صرف اسی کے ساتھ ہمدردی اور جذباتی لگاؤ رکھتے ہوں، چنانچہ اس نے توحید کی نزاکتوں سے ناآشنا ہونے کے باعث ۳۲۳ء میں ایک مجلس شوریٰ منعقد کی، جو عیسائیوں کے لئے مذہبی عقائد وضع کرے۔

چنانچہ یہ مجلسِ عقائد ساز منعقد ہوئی، جس نے الہامی اور اسلامی عقائد، ضروریاتِ دین اور توحید و رسالت کے تقاضوں کو پس پشت پھینک کر اپنے کافرانہ ذہن سے مذہب کے نام پر غلط، بے بنیاد، غیر اسلامی، بالکل مہمل اور نتائج کے لحاظ سے انتہائی خوفناک عقائد اختراع کئے، جن میں مسئلہ ابنیت بھی شامل تھا، سرکاری سطح پر اس عقیدے پہ مہرِ تصدیق ثبت ہو گئی تو اسے مذہب کا درجہ حاصل ہو گیا، لوگ اس سرکاری مذہبی عقیدے پر ایمان لے آئے۔

اس گمراہی کی دلدل میں پھنس جانے کے بعد، دینی احکام بازیچہ اطفال بن گئے، وقتاً فوقتاً مجالس منعقد ہوتیں جن میں مرضی کے مطابق عقائد گھڑ لئے جاتے، اور پھر انہیں مذہب کا تقدس عطا کر دیا جاتا۔ یہ تماشا کئی سو سال تک جاری رہا، اس سلسلے کی مشہور ترین اور اہم مجالس ۴۵۱ء اور ۶۸۰ء میں قائم ہوئیں جن کا بنیادی زور اس بات پر تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن ہیں بلکہ اس الوہیت میں حضرت مریم اور روح الامین کو بھی شامل کر لیا گیا اور ان کا تسمیہ کچھ یوں صورت اختیار کر گیا۔[31]

باسم الاب والابن والروح القدس [32]

اس خالص شرک نے انہیں ایسی قباحتوں سے بھی دوچار کر دیا جو اس ضلالت کا لازمی اور منطقی نتیجہ تھیں اور ان ہی تک محدود نہ رہیں بلکہ ان اقوام کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا جو ان کے قرب و جوار میں آباد تھیں۔ اس گمراہی کے سب سے زیادہ اثرات عرب نے قبول کئے۔ تیسری صدی عیسوی میں ایک شخص عمرو بن عامر خزاعی نے ان سے شرک کے یہ نئے آداب و اطوار سیکھے، اسے یہ انوکھے انداز بہت پسند آئے، چنانچہ وطن پہنچ کر اس نے اہل عرب کو بت پرستی کے تقاضوں سے آگاہ کیا، اس فن کے نشیب و فراز اور پیچ و خم سکھائے، اس کی باریکیاں سمجھائیں اور اس کو دن قوم کو ایک نئی اور تاریک راہ پر ڈال دیا[33]

صراطِ مستقیم، الہامی رہنمائی سے محروم اس قوم کو تراشیدہ پتھر کے آگے سرفگندگی کا ایسا چسکا پڑا کہ اس اولین خانہ خدا کو تین سو ساٹھ بتوں سے بھر دیا جو انسانی حرمت کا امین اور شرفِ آدمیت کا پاسباں تھا۔[34]

ان کے ذوقِ تجدد پسند نے اس پر بس نہ کی، بلکہ حضرت ابراہیم حضرت اسماعیل اور حضرت مریم کے بت بنا کر بھی اس میں نصب کر دیئے، اور جوئے بازی، شگون، اجازت ممانعت وغیرہ کے لئے اپنی توہم پرستی کے مطابق جو تیر وہ استعمال کیا کرتے تھے وہ ان کے ہاتھوں میں تھما دیئے، یہ دینِ فطرت کے مسخ ہو جانے کی انتہائی گھناؤنی اور جگر دوز علامت تھی کیونکہ ان مقدس اور پاک باز ہستیوں کا اس بت گری، ازلام بازی اور تیر تکوں سے کوئی تعلق نہ تھا، وہ ان خرافات کو مٹانے اور ان ذہنی عیاشیوں سے نجات دلانے تشریف لائے تھے، مگر ستم کاروں نے ان کی ہستیوں کو بھی اپنی باطل پرستی کا تختہ مشق بنا ڈالا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

قاتلهم الله، والله ان استقسما بالازلام قط [35]

خدا انہیں غارت کرے، ان قدسی نفوس حضرات نے کبھی پانسے اور شگون کے ان تیروں کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا،

---

[31] حضرت پیر محمد کرم شاہ، تفسیر ضیاء القرآن، ۱/ ۲۱۲ میں اس موضوع پر محققانہ تفصیلاً ملاحظہ فرمائیں۔

[32] المنجد

[33] بخاری ۴۹۹، ۶۶۵، [34] بخاری ۶۸۶، ۶۱۴، [35] بخاری، ۴۷۳، ۶۱۴، ۲/۸

اس طرح آپ نے مکہ پر تسلط ہو جانے کے موقعہ پر تمام بت گرائے اور خانہ کعبہ کو
ان اعتقادی آلائشوں سے پاک کر کے وہاں اپنے معبود حقیقی کے حضور سجدہ ریز ہوئے
اس یادگار تاریخی موقعہ پر آپ کی زبان مبارک پہ یہ آیت تھی۔

قل جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا ۳۶؎

فرما دو! حق آگیا، باطل مٹ گیا، بے شک باطل مٹنے کے لئے تھا۔

ان کی بدعقیدگی اور ذوق بت پرستی کا نقطہ عروج یہی نہیں تھا کہ انہوں نے خاص خانہ خدا کو اپنے باطل جذبے کی تسکین کے لئے منتخب کر لیا تھا، اور توحید کے مرکز میں وہ اپنے فن اور اسکی باریکیوں کا مظاہرہ کرتے تھے، بلکہ وہ اس سلسلے میں بہت آگے جا چکے تھے۔

حضرت ابو رجاء عطاردی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں،

کنا نعبد الحجر فاذا وجدنا حجرا ھو خیر منہ القیناہ و اخذنا الآخر فاذا لم نجد حجرا جمعنا جثوۃ من تراب، ثم جئنا بالشاۃ فحلبنا علیہ ثم طفنا بہ ۳۷؎

"ہم ایک پتھر کی پرستش کرتے رہتے، پھر اگر اس سے زیادہ خوبصورت پتھر مل جاتا تو اسے پھینک کر دوسرے کی پوجا پاٹ میں لگ جاتے، اگر پتھر نہ ملتا تو مٹی کا ڈھیر لگا کر اس پر بکری کا دودھ دوہ لیتے اور اس کا طواف کرنے لگ جاتے۔"

جنات کو بھی اس نظر کرم سے محروم نہیں رکھا تھا، بڑے شوق سے ان کی عبادت کرتے تھے، جب نصیبین کے جنات اسلام لے آئے، اور ان کی تحریک سے باقی جنات کی جماعت میں بھی اسلام قبول کرنے کی خواہش پیدا ہو گئی تو یہ لوگ پھر بھی پرانے جھوٹے معبودوں ہی کی پرستش میں لگے رہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔ کان ناس من الانس یعبدون ناسا من الجن فاسلم الجن وتمسک ھولاء بدینھم ۳۸؎

۳۶؎ بخاری، ۶۸۶ ، ۳۷؎ بخاری ۶۳۸ ، ۳۸؎ بخاری، ۶۸۵

"کچھ لوگ جنات کی عبادت کرتے تھے، جنات مسلمان ہو گئے، مگر وہ اپنے باطل دین پر اڑے رہے۔"

اس گمراہی نے یہ شرمناک صورت اختیار کر لی کہ انسانیت ہی دم توڑ گئی، اور فہم و فراست کا مادہ بالکل ختم ہو گیا، صرف ان کی طلب ایک مجسمہ تک محدود ہو کر رہ گئی، جس کے آگے ماتھا رگڑا جائے، خواہ وہ مجسمہ کسی بھی چیز کا ہو، چنانچہ روایت ہے۔

اساف و نائلہ دو بدکار مرد و عورت تھے جنھوں نے حرم شریف کا احترام بالائے طاق رکھ کر قبیح حرکت کی۔ ان پر بروقت قہر ٹوٹا اور وہ پتھر بن گئے۔ مگر ان لوگوں نے انہیں بھی معبود بنالیا۔ ۳۹؎

عرب اور بیرون عرب، مشرک اقوام، یہود و نصاریٰ وغیرہ کی یہ قابل نفرت، مکروہ اور ذلیل صورت حال اس لئے تھی کہ وہ اللہ کی وحدانیت کا سبق بھول گئے تھے، اور توحید کے لطیف تقاضوں کو نظر انداز کر کے قلب و ذہن کی ظلمتوں کی چہار دیواری میں محصور ہو گئے تھے۔

خدا تعالیٰ کی وحدانیت پر پختہ اور غیر متزلزل ایمان ہی وہ شفاف آئینہ ہے، جو خیر و شر کا اصلی روپ دکھاتا ہے۔ اس مقدس اور نورانی راہ سے بھٹک جانے اور اس روشنی سے محروم ہو جانے والا شخص ہر کام کے لئے آمادہ و تیار ہو سکتا ہے خواہ وہ کتنا ہی برا، ناپسندیدہ اور نگاہ آئینہ ساز میں قابل ملامت ہو۔

راہ ہدایت سے بھٹکی ہوئی تابع اور متبوع قومیں بلا استثناء ایسی ذلیل حرکتوں کا ارتکاب کرتی تھیں جو دین و تقویٰ، تہذیب و شرافت، توحید و رسالت ہر چیز کے خلاف تھیں، مگر شرک کے مرض لا علاج میں مبتلا اور توحید کے سرمۂ بصیرت سے محروم ہو کر ہو کر انہیں اپنی خطرناک حرکات کی سنگینی کا بالکل علم نہ تھا۔

مخلوق کو ابن اور خدا بنا کر ان یہود و نصاریٰ نے شرک کی جو صورتیں گھڑ لیں وہ یہ تھیں۔

۳۹؎ ارشاد العباد، ۶۶، باب فضل مکۃ

(الف) انبیاء کی قبروں پر مساجد تعمیر کرکے، ان کی طرف منہ کرکے نمازیں پڑھتے تھے۔

(ب) تعظیم کی خاطر عبادت کے ارادہ سے انہیں سجدہ کرتے تھے

(ج) کلیسائوں اور گرجوں میں تماثیل و تصاویر بناکر انہیں پوجتے تھے۔

حضرت ام سلمہ اور ام حبیبہ نے ملک حبشہ میں ایک ایسا ہی گرجا دیکھا، جس کا نام ماریہ تھا۔ اس میں انہوں نے تصاویر آویزاں کی ہوئی تھیں۔ ایک دفعہ حضور علیہ السلام نے اس کا حال سنا تو فرمایا۔

اولئک اذا مات منهم الرجل الصالح بنوا على قبره مسجدا ثم صوروا فيه تلك الصور اولئک شرار الخلق عند الله [40]

ان لوگوں کی عادت تھی۔ کوئی مرد صالح فوت ہوجاتا، تو اس کی قبر پر بھی مسجد بنا ڈالتے تھے پھر اس میں تصاویر لٹکاتے، یہ لوگ اللہ کے نزدیک بدترین ہیں۔

اسی پر بس نہیں، انہیں عزیزوں کے حضور سجدے لٹانے کی ایسی لت پڑ گئی تھی کہ اظہار خوشنودی یا کورنش بجالانے کے لئے بے تکلف سجدے میں گر پڑتے تھے۔ ھرقل کا مشہور واقعہ ہے۔

جب اس کے دربار میں نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک پہنچا تو اس نے مابین السطور ہدایت کا نور دیکھ لیا اور اپنے درباریوں کو دعوت دی کہ اس نور سے سینے روشن کرلیں مگر وہ اڑیل ٹٹو کی طرح رسی تڑا کر بھاگے۔ ھرقل سمجھ گیا ایمان لاکر اقتدار اور جان سے ہاتھ دھونا پڑیں گے اس لئے گویا ہوا۔

صرف تمہارے دینی تصلب اور اعتقادی پختگی کی آزمائش مقصود تھی، بے شک اپنے آبائی دین پر کاربند رہو،

سجدوا له ورضوا عنه [41]

یہ سن کر وہ سجدے میں گر پڑے اور اس سے خوش ہوگئے۔

یہود و نصاریٰ کی شرکیہ حرکات اور مشرکانہ اعمال کا ذکر کرتے ہوئے شاہ عبدالحق

۴۰ بخاری، ۱۸۹، ۴۱ بخاری، ۵

محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لمعات میں لکھا ہے۔

احدهما كانوا يسجدون لقبور الانبياء تعظيما لهم وقصد العبادة فى ذالك ثانيهما انهم كانوا يتحرون الصلاة فى مدافن الانبياء والتوجه الى قبورهم فى حالة الصلاة والعبادة لله تعالى [42]

"اول یہ لوگ تعظیم کے لئے، قبور انبیاء کو عبادت کے ارادے سے سجدے کرتے تھے دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے دوران، نماز کی حالت میں انبیاء کرام کے مدفن کی طرف منہ کرتے تھے۔"

شرک یہی ہے کہ انسان کسی کو معبود اور خدا سمجھے۔
یا کسی مخلوق کی عبادت کرے۔

اس لئے یہ شرک کی دوسری قسم میں گرفتار ہوجاتے تھے۔

چونکہ شرک و ایمان کا مسئلہ بہت نازک ہے۔ اس لئے یہ وضاحت ضروری ہے کہ شرک اسی صورت میں ہوتا ہے، جب قبر سامنے ہو اور ادھر منہ کرکے عبادت کی نیت سے نماز پڑھی جائے یا سجدہ کیا جائے۔ اگر قبر کا نشان سامنے نہ ہو، اور کسی مخلوق کی عبادت کی نیت بھی نہ ہو تو شرک نہیں، کیونکہ حرم کعبہ میں حطیم کے پاس حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبر مبارک موجود ہے، اور حجر اسود سے لے کر زمزم شریف تک ستر انبیاء کرام کی قبریں موجود ہیں حالانکہ ان مقامات پر نماز پڑھنا ممنوع نہیں ہے۔ بلکہ ایک لاکھ گنا زیادہ ثواب کا باعث ہے [43]

حضرت بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس قوم کی گمراہی کے اسباب گناتے ہوئے لکھا ہے۔ لما كانت اليهود والنصارى يسجدون لقبور الانبياء تعظيما لشانهم ويجعلونها قبلة يتوجهون فى الصلاة نحوها واتخذوها اوثانا لعنهم [44]

چونکہ یہود و نصاریٰ تعظیم کے لئے انبیائے کرام کی قبروں کو سجدہ کرنے لگ گئے تھے،

۴۲ بخاری، ۶۲۹ : ۴۳ حاشیہ مشکوۃ، ۶۹ ۴۴ بخاری ۶۲۹

نماز میں ادھر منہ کر کے انہیں قبلہ بناتے تھے۔ اور انہیں بت کی طرح بنالیا تھا، اس لئے ان پر لعنت فرمائی۔ یہود و نصاری کے شرک کی وجہ یہ تھی کہ وہ سجدہ ہی نہیں بلکہ سجدے کے ساتھ عبادت کی نیت اور قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔

کیونکہ اگر عبادت کی نیت کے بغیر سجدہ کرتے تو انہیں شرک قرار نہ دیا جاتا، اس لئے کہ سابقہ شرائع میں سجدہ تعظیمی جائز تھا، اسی لئے جناب آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے اور حضرت یوسف علیہ السلام کو انکے بھائیوں نے سجدہ کیا، اگر یہ شرک ہوتا تو قطعی طور پر ایک لمحہ کے لئے بھی اس کی اجازت نہ ملتی کیونکہ شرک کی کسی شریعت میں بھی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

چونکہ یہود و نصاری قبور انبیاء کی عبادت کرتے، انکی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے اور مسجد بناتے تھے۔ اس لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

لعن اللہ الیہود والنصاری اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد [۴۵]

خدا تعالیٰ، ان یہود و نصاریٰ پر لعنت بھیجے، جنھوں نے قبور انبیاء کرام کو مسجدیں بنا ڈالا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس وقت یہ ارشاد فرمایا، جبکہ حبیب اعلیٰ سے ملنے کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں، ایسے نازک وقت میں یہ فرمان معنی رکھتا اور بڑی اہمیت اختیار کر لیتا ہے، اندازہ ہوتا ہے، یہود و نصاریٰ کی اس روش سے آپ بہت نا خوش تھے، اور اس طرز عمل کو شرک تصور فرماتے تھے اس لئے آخری وقت میں انکی گمراہی کی حقیقت سے پردہ اٹھا کر امت کو خبردار کر دیا کہ وہ اس روش کے قریب بھی نہ آنے پائے، چونکہ یہی خطرناک صورت ہر قباحت کی جڑ تھی اس لئے یہود و نصاریٰ کی بدبختی، گمراہی اور شرک کے اسباب کو سامنے رکھتے ہوئے، بارگاہ خداوندی میں یہ دعا کی۔

اللھم لا تجعل قبری وثنا یعبد [۴۶]

کہ بارالہا! یہود و نصاریٰ نے جس طرح اپنے انبیاء کرام کی قبور کو سجدہ گاہ اور

[۴۵] بخاری، ۶۳۹، ۴۶

عبادت گاہ بنالیا اور انہیں پوجنے لگ گئے، میری قبر کے ساتھ یہ معاملہ نہ ہو۔ میری امت اس قباحت، شرک اور ہولناک خرابی سے محفوظ رہے۔

چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ دعا منظور ہوئی، آج تک آپ کی قبر مبارک محفوظ ہے، کسی امتی کو خیال تک نہیں آیا کہ روضۂ انور کو سجدہ کرے، جس طرح کے یہود و نصاریٰ کرتے رہے۔ بلکہ اس امت کا یہ امتیاز اور اعجاز ہے کہ دل کی انتہاء گہرائیوں میں عشق و محبت کی ایک شاد و آباد دنیا رکھتے ہوئے بھی گنبد خضرا کے حضور وہ بے قابو نہیں ہوتی۔ بلکہ نہایت متانت، خضوع، عاجزی اور ادب کے ساتھ حاضری دیتی اور تمام ضوابط و آداب ملحوظ رکھتی ہے۔

حضور علیہ السلام نے اپنی امت کو بتا بھی دیا تھا کہ

ما اخاف علیکم ان تشرکوا بعدی [۴۷]

مجھے یہ خوف نہیں ہے کہ تم میرے بعد شرک کرو گے، البتہ یہ اندیشہ ضرور ہے کہ دنیا میں رغبت کرنے لگ جاؤ گے۔

نیز آپ کا فرمان ہے۔ الا ان الشیطان قد ایس ان یعبد فی بلادکم ھذہ ابدا ولکن ستکون لہ طاعۃ فیما تحقرون من اعمالکم فسیرضی بہ [۴۸]

خبردار! شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ تمہارے شہروں میں پھر اس کی عبادت کی جائے گی۔ البتہ حقیر اعمال میں اس کی اطاعت ہوگی تو وہ اسی پر قناعت کر کے راضی ہو جائے گا۔

اس لئے ان تمام حقائق و واقعات اور طویل پس منظر کی روشنی میں ماننا پڑے گا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہود و نصاریٰ کی ہولناک بدعملی، غیر ذمہ دارانہ روش اور گمراہی سے آگاہی بخشنے کے ساتھ، بارگاہ خداوندی میں اپنی امت کی سلامت روی اعتقادی صحت مندی اور ہدایت و فلاح کی دعا کرنا ہے

اس دعائیہ حدیث کا تعلق گنبد خضرا کی زیارت سے روکنے کے ساتھ کسی طور نہیں ہے،

[۴۷] بخاری، [۴۸] ترمذی ۲۸،

تیسری حدیث کا جواب

لاتشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد المسجد الحرام ومسجد الرسول والمسجد الاقصیٰ۔

کجاوے نہ کسے جائیں مگر ان تین مساجد کی طرف!

مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ۔

روضۂ اقدس کے سفر مبارک سے روکنے اور اسے حرام قرار دینے والے بعض نا سمجھ کلمہ کے مدعیوں کو اصرار ہے کہ اس حدیث کی رو سے مزارات اولیاء قبرستان، بزرگانِ دین و طریقت، یہاں تک کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سبز گنبد کی زیارت بھی ممنوع و حرام ہے، اس حدیث کو بنیاد بنا کر وہ شوقِ دید کے متوالوں کو سفرِ زیارت سے روکتے اور زائرین کو بدعت اور حرام کا مرتکب کہتے ہیں۔

اب سکون و اطمینان سے دیکھنا ہے کہ اس حدیث سے ان کا مدعا حاصل ہوتا ہے اور جو کچھ وہ معانی اس حدیث سے اخذ کرتے ہیں، درست ہیں یا یونہی مسلمانوں کو غلط مشورہ دیا جاتا ہے۔

جہاں تک حقائق و واقعات اور دیگر احادیث کا تعلق ہے۔ ان سے اس حدیث پاک کا صحیح مفہوم و مدعا سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے اور یہی سمجھ میں آتا ہے کہ اس حدیث میں تین مساجد کی عظمت و فضیلت کا حسین و دلنشین اور موثر پیرائے میں ذکر کیا گیا ہے اور بس! کسی اور جگہ یا متبرک مقام کی طرف سفر کرنے کی ممانعت کا اس میں کوئی ذکر نہیں ہے۔

کسی تفصیل میں جانے کی بجائے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک حدیث کے ذریعہ اس حقیقت کو بڑی آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے، آپ کا ارشاد ہے:

لاتركب البحر الا حاجا او معتمرا او غازيا فی سبيل الله [۴۹]

حج، عمرہ اور جہاد کے سوا کے سمندر کا سفر اختیار نہ کر۔

[۴۹] مشکوٰۃ، کتاب الجہاد، ۳۳۲۔ ابوداؤد، ۳۳۲،

اگر مخالفین کا نقطہ نظر تسلیم کر لیا جائے تو اس حدیث کا مطلب بنتا ہے، حاجی، مجاہد اور عمرہ کرنے والے کے سوا کسی شخص کے لئے سمندر کا سفر جائز و مباح نہیں، جو شخص کاروبار تجارت، سیر سیاحت خرید و فروخت، زیارت عیادت، حصول تعلیم و تلاشِ معاش غرض کسی بھی مقصد کے لئے سمندر کا سفر کرے گا، وہ گنہ گار و معتوب ہوگا۔

حالانکہ اس حدیث کا یہ مطلب بیان کرنا دیانت و امانت ہی نہیں علم و فکر کے بھی خلاف ہے۔

لا محالہ کہنا پڑے گا، اس حدیث میں آقا علیہ السلام نے حج و عمرہ اور جہاد کے فضل و شرف کو اس انداز سے بیان فرمایا ہے کہ اگر کسی نے سمندر جیسا پر صعوبت سفر کرنا ہو، تو ان عظیم و جلیل کاموں کے لئے کرے، کیونکہ اسلام میں یہ بنیادی اہمیت رکھتے ہیں، اور بے حساب اجر و ثواب کے حامل ہیں۔

بعینہٖ مذکورہ حدیث کا بھی یہی مطلب ہے:

دنیا بھر کی مساجد کے مقابلہ میں صرف تین مساجد ہی کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ ان میں ایک نماز کا ثواب ہزار ہا گنا زیادہ ملتا ہے۔

حضرت انس فرماتے ہیں، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

صلاة الرجل فی بيته بصلاة، وصلوته فی مسجد القبائل بخمس وعشرين صلاة وصلاته فی المسجد الذی يجمع فيه بخمسمائة صلاة وصلاته فی المسجد الاقصیٰ بخمسين الف صلاة وصلاته فی مسجدی بخمسين الف صلاة، وصلاته فی المسجد الحرام بمائة الف صلاة [۵۰]

گھر میں ایک نماز کا ایک ہی ثواب ملتا ہے محلے کی مسجد میں پچیس گنا اور جامع مسجد میں پانسو گنا ملتا ہے۔ مسجد اقصیٰ میں پچاس ہزار، میری اس مسجد نبوی میں پچاس ہزار اور مسجد حرام میں ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔

اسی خوبی کے پیش نظر آپ نے فرمایا:

[۵۰] مشکوٰۃ، ۷۲

حق تو یہ ہے کہ ان ہی مساجد کا سفر کیا جائے، کیونکہ سفر کی صعوبتیں اور مشقتیں سہنے کا اچھا اجر مل جاتا ہے، اس سے یہ مطلب بالکل نہیں نکلتا کہ کسی اور طرف سفر کرنا ہی ناجائز ہے۔ جیسے سمندر والی حدیث سے یہ نہیں نکلتا کہ کسی اور کام کے لئے سفر کرنا ناجائز ہے۔

ہماری اپنی زندگی میں بھی اس قسم کی مثالیں موجود ہیں۔

ایک باپ اپنے بیٹے کو دینی تعلیم دلانا چاہتا ہے۔ ملک میں بے شمار مذہبی ادارے ہیں مگر وہ اپنے بیٹے سے کہتا ہے "اگر علم حاصل کرنا چاہتے ہو تو صرف ان تین مدارس میں جا کر حاصل کرو۔"

(الف) دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ

(ب) جامعہ نظامیہ لاہور

(ج) جامعہ رضویہ مظہر الاسلام، فیصل آباد

اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ تعلیمی ادارے، نظم و نسق، علمی معیار، اعلیٰ نصاب تعلیم اور محنت و جانفشانی کے اعتبار سے باقی اداروں پر فوقیت رکھتے ہیں، اس لئے جان عزیز کو جوکھم میں ڈالنے، پردیس کی تلخیاں سہنے اور صعوبتیں جھیلنے کا بہترین ثمرہ یہ ہے کہ زندگی کے اوقات ان اداروں میں گزارے جائیں جہاں سے زندگی کو مقصد، فکر کو شعور اور حیات کو تابندگی نصیب ہوتی ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ بیٹے کے لئے زندگی کے دوسرے ہنگاموں اور باقی کاموں میں حصہ لینا جائز نہ رہا، خرید و فروخت، کسی کی عیادت، سیر و سیاحت اور کاروبار میں مصروف ہونا ممنوع ہو گیا، کیونکہ ان چیزوں کا یہاں ذکر نہیں، پھر ان کے ممنوع و حرام ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حدیث کا بھی یہی مطلب ہے جس میں کوئی پیچ و خم نہیں کہ اس میں صرف تین مساجد کی فضیلت کا بیان ہے، اس میں مزارات اور متبرک مقامات کا کوئی ذکر نہیں، اگر یہی معنی لینے پر اصرار کیا جائے تو دو ایسی الجھنیں پیدا ہو جاتی ہیں، جن کا کوئی حل ہی نہیں، اور کئی احادیث بھی متضاد ہو جاتی ہیں!

پہلی الجھن یہ ہے کہ تین مساجد کے سوا اور مساجد کی طرف جانا بھی ناجائز ہو جاتا ہے

حالانکہ آقا علیہ السلام ہر ہفتے مسجدِ قبا کی طرف پیدل یا سوار تشریف لے جایا کرتے تھے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بھی زندگی بھر یہی معمول رہا۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یاتی مسجد قباء کل سبت ماشیا و راکبا وکان ابن عمر یفعلہ [۵۱]

نیز آپ نے مسلمانوں کو باقاعدہ باوضو ہو کر مسجدوں کی طرف جانے کا حکم دیا ہے اور ثواب بیان کر کے اس فعل خیر پر ابھارا ہے۔

من تطہر فی بیتہ ثم مشی الی بیت من بیوت اللہ لیقضی فریضۃ من فرائض اللہ کانت خطوتاہ احداہما تحط خطیئتہ والاخری ترفع درجۃ [۵۲]

جو شخص باوضو پاک صاف ہو کر فریضہ خداوندی ادا کرنے کے لئے اللہ کے گھر کی طرف جاتا ہے، اس کے ایک قدم پر گناہ جھڑتے ہیں، اور دوسرے پر درجات بلند ہوتے ہیں۔ ایک حدیث میں یہ بھی بتایا گیا ہے "اسے اتنا ثواب ملتا ہے، جتنا احرام باندھنے والے حاجی کو!" [۵۳] منہ اندھیرے مسجدوں کا قصد کر کے آنے والوں کو یہ مژدہ سنایا کہ "انہیں بروز قیامت تمام و کمال نور حاصل ہو گا۔" [۵۴]

اگر تین مساجد والی حدیث کا یہ مطلب بیان کیا جائے کہ تین کے سوا کسی طرف جانا جائز نہیں تو، ایک طرف یہ حدیث حضور کے عمل کے ساتھ ٹکرا جاتی ہے، اور دوسری طرف ارشادات نبوی میں تضاد بیانی لازم آتی ہے کہ ایک حدیث میں دوسری مساجد کی طرف جانے سے روکا، اور کچھ احادیث میں جانے کا نہ صرف حکم دیا بلکہ ثواب بھی بیان کیا۔

اس طرح اگر اس حدیث کا یہ مطلب لیا جائے کہ کسی مزار یا قبرستان کی طرف جانا منع ہے تو بھی زبردست الجھن پیدا ہو جاتی ہے، کیونکہ خود حضور علیہ السلام ہر سال شہدائے احد کی قبور پر تشریف لایا کرتے تھے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کا یہی مطلب بیان کیا ہے، اور وضاحت کی ہے:۔

---

[۵۱] بخاری، ۱۵۹/۱، [۵۲] مسلم، [۵۳] شفاء السقام، ۱۰۵، [۵۴] شفاء السقام، ۱۰۵

اس میں انبیائے کرام اور اولیاء اللہ کے مزارات سے ممانعت کا کوئی ذکر نہیں صرف تین مساجد کا ذکر ان کی فضیلت بیان کرنے کے لئے کیا گیا ہے کہ اہتمام کے ساتھ ان کا سفر کرو کیونکہ باقی مساجد اس فضیلت میں انکے ساتھ شریک نہیں ہیں ،، ان میں عبادت کا اتنا ہی ثواب ملتا ہے، جتنی عبادت کی جائے، مگر دنیا بھر کی مساجد کے برعکس ان کی نرالی شان ہے یہاں عبادت اجر و ثواب کے لحاظ سے ہزار ہا گنا بڑھ جاتی ہے ، اس چیز کو آپ نے اس اسلوب میں بیان فرمایا۔

لاتشد الرحال الی ثلاثه مساجد۔

امام غزالی لکھتے ہیں ۔

اس ارشاد میں مساجد کے علاوہ کسی اور جگہ یا متبرک مقام کا کوئی تذکرہ نہیں ہے

ویدخل فی جملته زیارة قبور الانبیاء وقبور الصحابة والتابعین وسائر العلماء والاولیاء، وکل من یتبرک بمشاهدته فی حیاته یتبرک بزیارته بعد موته۔ ویجوز شد الرحال لهذا الغرض ولا یمنع من هذا قوله علیه السلام "لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد المسجد الحرام، ومسجدی، والمسجد الاقصی" لان ذالک فی المساجد لانها متماثلة بعد هذه المساجد ۵۵ے

اس سفر میں انبیاء کرام ۔ صحابہ و تابعین ، علماء اور اولیاء سب کی قبریں شامل ہیں کیونکہ جن ہستیوں سے زندگی میں برکت حاصل کی جاتی ہے، ان سے ان کے وصال کے بعد برکت حاصل کی جا سکتی ہے ۔ اور اس مقصد کے لئے سفر کر کے جانا جائز ہے اور حدیث "شد رحال" اس کے خلاف نہیں ہے ،کیونکہ یہ حکم صرف مساجد کے بارے میں ہے، اور ان تین مساجد کے بعد باقی تمام مسجدیں یکساں ہیں ۔

۵۵ے غزالی، احیاء العلوم ،کتاب آداب السفر، باب اول ۲ : ۲۴۷

نواں باب

گنبد خضراء کے زائرین

اہل دل کے قافلے

(۱) فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام
(۲) ابو ابراہیم و دار
(۳) امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ،
(۴) حضرت حاتم اصم رضی اللہ عنہ،
(۵) حضرت احمد رفاعی رضی اللہ عنہ،
(۶) حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ
(۷) حضرت امام احمد رضاء بریلوی رحمۃ اللہ علیہ
(۸) حضرت سید پیر جماعت علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ
(۹) حضرت شیخ الحدیث محمد سردار احمد رحمۃ اللہ علیہ



اہلِ دل کے قافلے

گنبدِ خضراء کا حسین و بہار آفریں تصور اور اس کی زیارت کا بے پایاں شوق، اہلِ ایمان کے دلوں کی دھڑکن، بے قرار و مشتاق نگاہوں کی سکون بخش جنت اور قرب و حضور کی نورانی تمنا کی معراج ہے، جس کے بعد آرزوئیں دم توڑ دیتی اور تمنائیں مٹ جاتی ہیں۔ مومن کے افکار و تصورات کی لطیف و غیر مرئی اور قدسی دنیا پر گنبدِ خضراء کی تابناک پُرجمال اور نورانی کہکشاں ہی پرفشاں ہے، اور دل میں بسی ہوئی خوبصورت یادوں اور آرزوؤں کی پُرکیف و دلکش روشنی ہی اس کی زندگی کی رہگذر میں چراغاں کئے ہوئے ہے، گنبدِ خضراء کے اس جانفزا تصور ہی سے اس کے اجڑے چمن میں بہار آتی اور ناشاد روح قرار و سکون محسوس کرتی ہے۔

لیکن تصور کی یہ اعجاز آفرینی مشروط ہے۔

اس تصور کی مسیحائی اس وقت کارگر اور قلب و روح کیلئے آبِ حیات ثابت ہوتی ہے جب دل و نگاہ، روح کی گہرائیوں کے ساتھ اس قدسی تصور کے گرویدہ اور عملی زندگی میں جلوے سمیٹنے کے شیدا ہوں، جذبات کی اس شدت اور شوق کی اس فراوانی کے بغیر، اس تصور کی کرشمہ نمائیوں کی طلب اور جھلک دیکھنے کی آرزو، طلبِ محال ہے اور اس کی ذوق افروزی کا انکار، دل کی موت اور شقاوت و محرومی کی علامت ہے

تصورِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اور زیارت گنبدِ خضراء کے شوق میں مست رہنے والوں کی بے تابیوں اور بے قراریوں ہی کا یہ اثر ہے کہ روزِ اول سے دلوں کے قافلے گنبدِ خضراء کی طرف رواں دواں ہیں، اور اس عقیدت و اخلاص، محبت و احترام اور نیازمندی

کے تمام تر تقاضوں کے ساتھ ان کے مظاہر ہی سے ایمان کو تازگی نصیب ہوتی اور عشق کو راحت ملتی ہے، یہ قافلے محبت کی راہ پر ہمیشہ سے گامزن ہیں اور یونہی جادہ پیما رہیں گے اور عشق بے قرار کو ذوق و شوق کے نغمے اور ولولہ انگیز رنگ ڈھنگ عطا کرتے رہیں گے محبت کی شدت و ندرت اور جذب و دروں کی کارفرمائی اس جذبے کو کبھی فنا نہیں ہونے دے گی۔

آج تک کروڑوں انسانوں نے اس بارگاہ میں حاضری دی ہے، ان میں اقلیم ولایت و امامت کے تاجدار بھی تھے اور لشکر و سپاہ کے ارباب کجکلاہ بھی! اصحاب علوم و فنون بھی تھے اور خداوندان دانش و آگہی بھی! فرخندہ بخت، فرشتہ سیرت، نیک محضر۔ فقرا، و صلحا اور زاہد و عابد بھی تھے، اور مظلوم و درماندہ، مغموم و ستم رسیدہ حاجت مند اور دل گرفتہ روسیاہ گناہ گار بھی!

رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان جود و سخا اور نگاہ کرم کی لطف و عطا نے سب کو نوازا، کسی کو بھی محروم و ناشاد نہ کیا، جو کسی نے چاہا، انکے دستگیر ہاتھ اور طبع سخا پسند نے اپنے سائل کو وہی بخشا، نشان فقر و غنا بھی۔ لذت قرب و رضا بھی، شراب وصل بھی، اور دولت دیدار بھی! چند ایسے ہی فیض یافتہ خوش بخت زائرین کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو آرزوؤں اور ولولوں کے ہجوم کے ساتھ گنبد خضرا پر حاضر ہوئے، اور دامن طلب میں گوہر مراد پاکر سرخرو ہوئے۔ یا ان کے عشق نے خلوص و ارادت اور ادب و نیازمندی کے ایسے نرالے اور منفرد انداز اختیار کئے، جنھوں نے اہل عشق کے لئے، "رسمے خوش نظرے"، کا سماں پیدا کر دیا اور محبت کے میدان میں تقلید کے لئے ایک حسین مثال چھوڑ دی۔

یہ چند دلنشیں مثالیں حقیقت کشا بھی ہیں، روح پرور اور ایمان افروز بھی، جنہیں پڑھ کر، جہاں محبوب کے مقام سے آگاہی نصیب ہوتی ہے، وہاں ایمان و عشق کو جلا بھی ملتی ہے۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے نام

خلافت نبوی کے مسند نشین، امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے فردوس بداماں، جنت نشان عہد ہمایوں میں، قومی بیت المال کے خازن بیان فرماتے ہیں۔[1]

بارش نہ ہونے کے باعث، مدینہ منورہ اور گرد و نواح کے علاقوں میں خشک سالی کے آثار نمایاں ہو گئے، قحط کے بھیانک تصور نے دلوں کا قرار چھین لیا، ہونٹوں کی مسکراہٹیں نوچ لیں اور چہروں پر افسردگی اور غم روزگار کے نقش گہرے کر دیئے۔

ایک عاشق اور صاحب نسبت روشن ضمیر زائر، روضۂ اقدس پر حاضر ہوا، لوگوں کے کرب و اضطراب کا مشاہدہ کر چکا تھا، اس سے امت حبیب کی یہ دگرگوں اور خستہ حالت نہ دیکھی گئی، بارگاہ رسالت میں بصد عجز و نیاز ملتجی ہوا۔

"یا رسول اللہ! آپ سے امت کی تکلیف مخفی نہیں، اس غریب دبلے کس امت کی دستگیری فرمایئے باران رحمت رک گئی ہے، لوگ ابر کے ٹکڑوں کی دید کو ترس گئے ہیں دعا کیجئے، ان کی مراد بر آئے، اور غم کے بادل چھٹیں، اور پانی کے بادل گھنگھور گھٹا کی صورت میں مسرت کی نوید جاں بہار لے کر آئیں"

سعید بخت آگ ان کی وہیں آنکھ لگ گئی، اور خواب میں جمال نبوی کی دید نے اس کے دل کے ویرانوں کو حسن و نور کی لازوال تابشوں سے آباد و منور کر دیا، فرمایا:

> اے میرے امتی! میرے عمر کے پاس جا، اور اسے ہماری طرف سے پیغام دے، کہ اطمینان رکھے، بارش ہوگی اور مصیبتوں کے بادل چھٹ جائیں گے، اور اسے بتا کہ زہد و ریاضت اور احتیاط و تقوی کی اسی قدسی روش پر قائم رہ! عدل و انصاف کی جو حسین روایات قائم کی ہیں، ان میں فرق نہ آنے پائے۔

۱۔ حجۃ اللہ علی العالمین، ۸۰۷ بحوالہ بیہقی

جب اس نیک نفس کی آنکھ کھلی تو مسرت کی خوشبو سے اس کا سارا وجود مہک رہا تھا خوشی سے جھومتا ہوا امیر المومنین کے حضور پہنچا اور نبوی پیغام ان تک پہنچایا حضرت کی آنکھوں سے مسرت کے آنسو رواں ہو گئے، پھر فرض شناسی کی تاکید مزید اور ہر لمحہ ہوشیار و بیدار رہنے کا حکم پاکر عرض گزار ہوئے۔

میری تمام صلاحیتیں تو خدمت و اشاعت دین کے لئے وقف ہیں کسی کام میں دانستہ کوتاہی نہیں کرتا، آئندہ مزید احتیاط برتوں گا۔

اس پیغام اور نبوی ہدایت نے آپ کو پہلے سے بھی زیادہ فعال و پرجوش بنا دیا۔ اور ایک زائر کی درخواست کی بدولت بارش بھی ہوگئی۔

ابو ابراھیم ودّاد رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ابو ابراہیم وداد، قلب و نظر کی بصیرتوں اور باطنی جمال کی تابانیوں سے بہرہ ور ان سعید فطرت بزرگوں میں سے تھے، جو بارگاہِ رسالت میں عرض کرتے ہیں تو سنی جاتی ہے اور روحانی اشارات و ہدایات کے ذریعہ ان کے لئے راہ عمل متعین کی جاتی ہے۔

وادی شفشاوہ کے یہ مقبول و برگزیدہ انسان عوام کی عقیدتوں کا مرکز اور ان کی محبت و نیازمندی کی آماجگاہ تھے۔ ان کے وجود مسعود سے سرزد ہونے والی حیرت انگیز کرامات نے شہرت و ناموری اور مقبولیت کی ساری راہیں ان کیلئے کھول دی ہوئی تھیں لوگ عقیدت سے آتے، اور اللہ کے اس نیک و مقبول بندے کی زیارت سے یادِ الٰہی عبادت اور ذوق و شوق کا نیا جذبہ اور ولولہ لے کر واپس جاتے۔

دنیائے مغرب کے یہ فردِ کامل حج و زیارت کے لئے ایک قافلہ کے ہمراہ روانہ ہوئے، حرمین کی زیارت اور حج کے ارکان سے فارغ ہوئے، تو وطن کی طرف واپسی کا مسئلہ پیش ہوا۔ چونکہ تہی دست اور ظاہری دولت سے بے نیاز انسان تھے۔ اس لئے اہل قافلہ نے انہیں نظر انداز کر دیا۔ اور غریب سمجھ کر اپنے ساتھ لے

جانے کے لئے تیار نہ ہوئے۔

اس بے کسی و مجبوری کی حالت میں روضۂ اطہر پر حاضری دے کر فریاد کرنے اور دردِ دل کی داستان سنانے کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا، چنانچہ ناداری کا غم پہلو میں دبائے اہل قافلہ کے خلاف دربارِ رسالت میں شاکی ہوئے، کہ، مفلس سمجھ کر چھوڑ گئے ہیں، اور اب وطن پہنچنے کے ظاہری سائل بالکل مفقود ہیں۔

چارہ ساز محبوب آقا نے اپنے اس مخلص امتی کی طرف نگاہِ کرم مبذول فرمائی، اور خواب میں ہدایت کی: مکہ مکرمہ پہنچو، وہاں تمہیں چاہ زم زم پر ایک شخص ملے گا، جو زائرین کو پانی پلانے میں مصروف ہوگا، اس ساقی سے جاکر کہو، اللہ کے رسول حکم دیتے ہیں، کہ وہ تمہیں تمہارے وطن پہنچا دے۔

ابو ابراہیم حکم کے مطابق مکہ مکرمہ پہنچے۔ چاہِ زمزم پر انہیں ایک حسین و وجیہ بزرگ دکھائی دیئے، انہوں نے حکم سننے سے پہلے ہی مسکرا کر کہا:

مجھے اس کام سے فارغ ہو لینے دو، پھر چلتے ہیں۔

ابو ابراہیم سمجھ گئے، بارگاہِ رسالت سے انہیں دستگیری اور معاونت کی ہدایت مل چکی ہے، اپنے غریب نواز اور مہربان آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عنایت پر وہ مسرور و بے خود ہو گئے۔

جب وہ بزرگ ساقی گری کے فرائض سے فارغ ہوتے، تو حکم دیا:

"الوداعی طواف کر لو، اور دعائیں مانگ لو"

پھر رات کے تاریک حصے میں انہیں لے کر آبادی سے باہر کی طرف روانہ ہوئے تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ انہیں اپنی وادی شفشاوہ کی عمارات نظر آنے لگ گئیں، اپنے وطن پہنچ چکے تھے، جب گھر والوں نے دیکھا تو حیران رہ گئے، مگر جب حالات سے آگاہ ہوئے تو مکین گنبدِ خضرا صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خصوصی توجہ اور عنایت پر قربان ہو گئے۔

حضرت امام موسیٰ کاظم
رضی اللہ عنہ

حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ روضۂ اقدس پر زیارت کے لئے حاضر ہوئے تو اس وقت اتفاق سے عباسی خلیفہ ہارون رشید (۱۷۰ھ-۱۹۳ھ) بھی وہاں حاضری کے لئے پہنچ گیا، ذہن میں اقتدار کا سودا سمایا ہوا تھا، اور ہر جگہ اپنی برتری قائم رکھنے کی زبردست خواہش شعور کی گہرائیوں میں دبی ہوئی تھی، جو حضرت امام کاظم رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر انگڑائی لے کر بیدار ہوگئی، جس کا اظہار اس نے یوں کیا کہ مواجہ شریف کے سامنے جاکر عرض کی:

السلام علیک یا ابن عم! اے میرے ابن عم! آپ پر سلام۔

اس سے ہارون کا مقصد اپنی شاہانہ وجاہت و امارت کے ساتھ، اپنا نسبی قرب اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ نسلی تعلق ظاہر کرنا بھی تھا، مگر اقتدار کے نشے میں وہ یہ بھول گیا کہ جس پیکرِ نور کو وہ یہ بات سنا رہا ہے، وہ ان کا بھتیجا نہیں بلکہ بیٹا ہے۔ اور اس سے کہیں زیادہ قریبی اور نسبی تعلق رکھتا ہے۔

چنانچہ امام کاظم رضی اللہ عنہ اس کی آنکھوں سے پندار کا پردہ ہٹانے اور اسے اپنی عظمت سے آگاہ کرنے کے لئے آگے بڑھے اور نہایت ادب اور پیار سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کی:

السلام علیک یا ابت! اے ابا جان! آپ پر سلام۔

ہارون کے خطاب اور حضرت امام کاظم کے خطاب میں جو زمین و آسمان کا تفاوت اور بین فرق تھا، اس نے ہارون کی بھی آنکھیں کھول دیں، وہ سمجھ گیا ابن عم کے مقابلے میں یا ابت کہنے والے کا مرتبہ بلند ہے۔ مگر شاہی جلال اپنی یہ توہین برداشت نہ کر سکا، اقتدار کی پیشانی پہ ناگواری اور ناراضگی کی سلوٹیں ابھر آئیں، حکومت کے نشے نے الزام لگایا کہ:

ہمیں نیچا دکھانے کے لئے ہمارے مقابلے میں اس انداز سے سلام کیا گیا ہے جو سراسر توہین ہے، اور توہین کی سزا یہ ہے کہ اس کے مرتکب کو پابندِ سلاسل اور حوالۂ زنداں کر دیا جائے۔

چنانچہ امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کو اس جرم اظہارِ قرب و نسب کے بدلے قید میں ڈال دیا گیا، جہاں آپ تا حیات محبوس رہے۔ اور وصال کے بعد ہی عتابِ شاہی سے چھوٹے۔

حضرت حاتمِ اصم
رضی اللہ عنہ

قافلہ سالارِ منزلِ شوق، پیکرِ تسلیم و رضا حضرت حاتم اصم بصد آداب و نیازمندی روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے تو بارگاہِ خداوندی میں عرض کی:

یا رب انا زرنا قبر نبیک صلی اللہ علیہ وسلم فلا تردنا خائبین

"اے رب کریم! ہم نے تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کی ہے، پس تو ہمیں یہاں سے ناکام و نامراد واپس نہ پھیر۔"

چونکہ نورِ بصیرت سے بہرہ ور اور بارگاہ کے مقبول بندوں میں سے تھے اس لئے القا ہوا "اے اصم! ہم نے تمہیں اس لئے زیارت کی توفیق نہیں بخشی کہ تمہیں ناکام لوٹائیں ہم نے تیری حاضری قبول کی، اور جو لوگ بھی آتے ہیں، سب کو بخش دیا۔

حضرت احمد رفاعی
رضی اللہ عنہ

حضرت احمد رفاعی رضی اللہ عنہ اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ پاک پر حاضر ہوئے تو اپنی شانِ انفرادیت اور مقامِ ولایت کے ساتھ ایک ایسی حقیقت سے بھی پردہ ہٹا دیا جو اہل نظر کو ذوق و سرور بخشتی ہے، اور گنبدِ خضرا کی حاضری دینے والے زائرین کی ایک عجیب قسم سے متعارف کراتی ہے۔

آپ دربارِ رسالت میں پہنچے تو اپنی والہانہ محبت اور خصوصی نوازش کی درخواست اس طرح پیش کی:

فی حالۃ البعد روحی کنت ارسلھا
تقبل الارض عنی وھی نائبتی
وھذہٖ دولۃ الاشباح قد حضرت
فامدد یمینک کے تحظی بھا شفتی

"جب یہاں سے دور تھا تو اس حالت میں حاضری اور زیارت کی سعادت حاصل کرنے کے لئے اپنی روح، یہاں بھیج دیا کرتا تھا۔ وہ حاضر ہو کر نائب کی حیثیت سے یہاں کی پاک چوکھٹ اور آستانہ عالیہ کو بوسے دیا کرتی تھی۔

اب اس بار میں جسم کو لے کر بھی حاضر ہو گیا ہوں، اور اس مرتبہ خواہش یہ ہے کہ حضور کے دستِ کرم کو بوسہ دوں، عرض گزار دی ہے، نگاہِ کرم فرمایئے اور ہاتھ مبارک نکالیئے، تاکہ میرے ہونٹ دست بوسی کی لذت سے آشنا اور اس عظیم سعادت سے بہرہ اندوز ہوں۔"

اپنے ایک عاشق اور محبوب امتی کی اس عرضِ محبت کو، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شرف قبول بخشا، دستِ مبارک نمودار ہوا، اور حضرت احمد رفاعی رضی اللہ عنہ نے بکمال ادب وشوق، اور انتہائی وارفتگی اور بے خودی کے عالم میں اسے بوسے دیئے اور جذبات محبت کو تسکین پہنچائی۔

حضرت حاجی امداد اللہ رضی اللہ عنہ،

حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ جب حریم قرب وحضور اور محبت وشوق کی نئی منزلوں سے آگاہ ہوئے تو خصوصی عنایات ان کی طرف مبذول ہوئیں، اور انہیں توجہ کا مرکز بنالیا،

ایک روز خواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا،

"ہماری زیارت کے لئے مدینہ طیبہ آؤ"

یہ حکم ملتے ہی حاضری کے لئے شوق فزوں تر ہو گیا، ایسی بے خودی اور پُر درد کیفیت طاری ہوئی کہ کسی چیز کی طرف دھیان نہ رہا، اسی حالت میں کسی قسم کا اہتمام کئے بغیر ہی چل پڑے، بعد میں بھائیوں کو صورتِ حال کا علم ہوا تو زادِ راہ اور دوسری ضروریات لے کر حاضر ہوتے، اور ۱۲۶۰ء کو مدینہ طیبہ کی حاضری کے لئے روانہ کیا۔ ۱۲۶۱ھ میں آپ جدہ کی بندرگاہ کے قریب لنگر انداز ہوئے، اور وفورِ شوق میں کوئے جاناں کی طرف چل پڑے۔

وہاں آپ کی ملاقات شاہ محمد اسحاق صاحب سے ہوئی جو ظاہری علم وفضل کے ساتھ روحانی کمالات کی بھی ان بلندیوں پر فائز تھے، جو خال خال لوگوں کے حصہ میں آتی ہیں، انہوں نے باطنی تربیت اور روحانی ارتقا کے لئے تواضع وخاکساری کی تعلیم دی، اور خود کو ناچیز وحقیر سمجھنے کی برکات سے آگاہ کیا، اس کے علاوہ ملکی صورت کے وجدان، اور رؤیت باری کی حقیقت سے باخبر کرنے کے لئے خصوصی وظائف کی اجازت دی، اور سلسلے کی دعاؤں کی تلقین کی۔ ان فیوضات سے دامن مراد بھر کر حضرت حاجی صاحب آگے بڑھے۔

شاہ قدرت اللہ صاحب نے اس گوہر نایاب اور بلاتے ہوئے مہمان کی خوب قدر افزائی کی، اور روحانی طور پر ان کے مرتبے سے آگاہ ہو کر ہاتھوں ہاتھ لیا۔

اس وقت حاجی صاحب کے سامنے سب سے بڑا مقصد روضۂ اقدس کی حاضری ہی تھی، کیونکہ طویل ترین مسافت طے کرنے اور ہر طرف سے بے نیاز ہو کر دیوانہ وار آنے کا سبب شوقِ دید کی بڑھی ہوئی خواہش ہی تھی، اس کا آپ نے شاہ قدرت اللہ صاحب کے سامنے اظہار کیا اور کہا اگر حاضری نصیب نہ ہو تو اس سفر کا مقصد ہی فوت ہوتا ہے۔ اس لئے دربارِ نبوی تک پہنچنے کا انتظام ضروری ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے اسی وقت راستے کے شناسا بدوی لوگ بلائے اور

انہیں ہدائت کی کہ حاجی امداد اللہ صاحب کو روضۂ اقدس پر لے جائیں، اور ان کی خدمت کو سعادت جانیں نیز انہیں تنبیہ کی، اس سلسلہ میں اگر ان سے کوتاہی ہوئی، تو دین و دنیا میں نقصان اٹھانا پڑے گا، حاجی صاحب ان لوگوں میں سے ہیں، جن کی خدمت کی جائے تو رب تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔

حضرت حاجی صاحب ان انتظامات کے ساتھ مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہو گئے راستے میں خیال آیا کہ "اگر کوئی خدا رسیدہ نیک بندہ درود تنجینا کی اجازت عطا فرمادے تو بڑی خوشی ہو، بلا طلب ایک خزانہ ہاتھ آجائے"

آپ منزلیں طے کرتے ہوئے اپنے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہو گئے۔ دل کی گہرائیوں سے سلام محبت عرض کیا چونکہ بلائے ہوئے مہمان تھے، خصوصی حکم اور توجہ کے ساتھ طلب کئے گئے تھے، اس لئے سلام کے جواب سے شرف یاب ہوئے، اور مہربان آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے محبوب امتی کو سلام کا جواب مرحمت فرما کر عزت کے عرش کمال اور محبت کے بام عروج تک پہنچا دیا جواب سے شادکام و بامراد ہونا کوئی معمولی اعزاز نہ تھا، آپ لذت جواب اور سرور باطنی سے سرشار ہو گئے، اور ان منزلوں تک پہنچے جہاں تک رسائی نہ تھی یہاں پر شاہ غلام مرتضیٰ صاحب سے آپ کی ملاقات ہوئی، جن کے سامنے آپ نے دلی کیفیت کا اظہار کیا: "میرا دل چاہتا ہے کہ یہیں قیام کروں، اور ہندوستان واپس نہ جاؤں"

انہوں نے فرمایا: ابھی قیام کی اجازت نہیں، صبر و استقلال سے کام لیں، اور طبیعت پر جبر کر کے واپس چلے جائیں، پھر دوبارہ طلبی ہو گی۔

وہیں آپ کی خواہش بھی پوری ہو گئی، جو راستے میں دل کے اندر پیدا ہوئی تھی کہ کوئی اللہ کا بندہ بلا طلب درود نجات کی اجازت دے دے، چنانچہ شاہ گل محمد خاں نے از خود ارشاد فرمایا کہ، ممکن ہو تو روزانہ ہزار بار، ورنہ تین سو ساٹھ بار، اگر اتنا بھی نہ ہو سکے تو صرف اکتالیس بار پڑھ لیا کریں بے شمار فوائد ظاہر ہوں گے۔

(بقیہ مضمون صفحہ آخر پر)

حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

شہر عشق، بریلی شریف کے کوچہ و بازار مہک رہے تھے، اس کا ہر گوشہ دامان باغبان اور کف گلفروش بنا ہوا تھا متانت و سنجیدگی، عقیدت و شائستگی کی ساری حسین قدریں سمٹے، دلکش گھا گھمی پورے شباب پر تھی، مگر احترام و محبت سے سب کی نگاہیں، جھکی ہوئی تھیں، اور پیشانیوں پہ وہ نور تاباں تھا، جو نیازمندی کے حسن میں بجلیاں بھر دیتا ہے۔

محلہ سوداگراں خصوصی طور پر مسرت کے اجالوں میں ڈوبا ہوا، اور جذب و یقین کی دلآویز خوشبو میں بسا ہوا تھا، یہاں کا آسمان ہی بدلا بدلا اور دنیا ہی نرالی تھی، جا بجا آئینہ بندیاں اور زینت کاریاں تھیں، جو حسن ذوق کے ساتھ حسن عقیدت کی غماز اور دل کی گہرائیوں میں بسی ہوئی محبت کی عکاس و امین تھیں۔

جب نغمہ درود و سلام کے جلو میں ایک حاجی صاحب اپنے احباب و عشاق کے ہجوم میں نمودار ہوتے تو پتہ چلا یہ سب تیاریاں ان کے استقبال کے لئے تھیں۔ حاجی صاحب کی آمد کی اطلاع پا کر سپہر علم و حکمت کے تیر تاباں، دنیائے عشق و محبت کے سالار اعظم، شیدائے ناموس نبوت، محافظ دین مبین، مجدد برحق، امام اہلسنت وجماعت، قائد امت اجابت حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ اپنے کاشانہ عالیہ سے برآمد ہوئے، اور والہانہ انداز سے حاجی صاحب کی طرف بڑھے، جیسے کوئے حبیب کی فضاؤں کی سیر کر کے آنے والے اس محبوب دوست میں جذب ہو جانا چاہتے ہوں۔

"کیا گنبد خضراء پر بھی حاضری دی؟"

آپ کے ہونٹوں پر سب سے پہلا سوال مچلا، جیسے اس سوال کے جواب پر ان کی عقیدت و نیازمندی کا دارومدار ہو، اور اس دربار کی حاضری ہی کو ایمان و

ایقان کی کسوٹی اور شرف و قبول کی علامت سمجھتے ہوں، کیونکہ اسی بارگاہ سے مناسک و ارکانِ حج کی فضیلت سے شعور و آگہی کی دولت نصیب ہوئی، اور ایک در معبود پہ جھکنا آیا، یہ نہ آتے تو انسانی پیشانیاں بدستور تراشیدہ بتوں کی چوکھٹوں پر جھکتی رہتیں، انہوں نے آدابِ انسانیت اور مقامِ آدمیت سے آگاہ کیا اور رب سے تعارف کرایا، اس لئے احسان شناسی کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی عظمت کو بوسے دیئے جائیں، اور ان کے در کی حاضری ہی سے اپنی نیاز مندی اور قدر شناسی کا ثبوت فراہم کیا جائے جن کے طفیل حج کی سعادتیں اور سنگ اسود بوسی کی برکتیں حاصل ہوئیں۔

اس کے طفیل حج بھی خدا نے کرا دیئے !

اصل مراد حاضری اس پاک در کی ہے !

حاجی صاحب آبدیدہ ہو گئے، بے قرار محبت، حسرت ناتمام بن کر ہونٹوں پہ آ گئی، غمزدہ لہجے میں بولے، "یا حضرت! دربارِ رسالت میں حاضری دی تھی، مگر دو روز سے زیادہ قیام کی سعادت نصیب نہ ہوئی، یہ آرزو پوری نہ ہو سکی کہ مزید کچھ عرصہ آپ کے قدموں میں رہتا۔"

عشق سراپا اعلیٰ حضرت امام اہل نجابت، حاجی صاحب کے آگے جھک گئے اور عقیدت سے ہاتھ چوم لئے اور ان کو ایک حقیقتِ عظمیٰ سے آگاہ کرنے اور تسلی دینے کے لئے فرمایا "حاجی صاحب! آپ تو بڑے ہی فیروز بخت اور سعادت مند ہیں کہ دو روز تک گنبدِ خضرا کی زیارت کرتے اور مدینہ منورہ کی فضاؤں میں سانس لیتے رہے، عشق کی لہریں سینے میں موجزن ہوں تو حرا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مبارک شہر کے مقدس و نورانی ماحول میں لی جانے والی چند سانسیں بھی صدیوں کی زندگی پر بھاری اور سرمایۂ حیات ہوتی ہیں، آپ کی سعادت کا کیا ٹھکانا کہ دو روز تک حاضری نصیب رہی"

زائرِ کوئے حبیب کی ملاقات نے اعلیٰ حضرت کے جذبۂ محبت اور عشق کی آگ کو تیز کر دیا۔ شرابِ طہور کا خمار آگیں کیف سا چھا گیا، اور آپ تصورِ گنبدِ خضرا میں بے خود ہو گئے۔ مدینہ منورہ کی خوشگوار اور بہار آفریں فضاؤں کا تصور پردۂ ذہن پر لہرایا، تو باغِ جنت کی نشاط انگیز ہوائیں، عنبر فشاں ہو گئیں۔

نام مدینہ لے دیا، چلنے لگی نسیم خلد
سوزشِ غم کو ہم نے بھی کیسی ہوا بتائی کیوں

جب صبا آتی ہے، مدینہ سے ادھر کھلکھلا پڑتی ہیں، کلیاں یکسر
پھول جامہ سے نکل کر باہر، رخ رنگیں کی ثنا کرتے ہیں !

۱۳۲۳ھ میں اپنے بھائی صاحب کو الوداع کہنے کیلئے جھانسی تک آئے، حج و زیارت کے لئے ان کے ہمراہ جانے کا کوئی پروگرام نہیں تھا، مگر روانہ کرتے وقت دلِ بے قرار کے صبر و ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔

(الف) وائے محرومی قسمت کہ میں پھر اب کی برس
رہ گیا ہمرہِ زوارِ مدینہ ہو کر

(ب) لے رضا سب چلے مدینے کو، میں نہ جاؤں ارے خدا نہ کرے

(ج) پھر اٹھا ولولۂ یادِ مغیلانِ عرب۔
پر کھنچا دامنِ دل سوئے بیابانِ عرب۔

(د) حسرت میں خاک بوسئ طیبہ کی اے رضا۔
ٹپکا جو چشم مہر سے وہ خون ناب ہوں۔

چنانچہ وہیں سے دل کے مشورہ پر بھائی صاحب کے ساتھ جانے کا ارادہ کر لیا، مگر پھر والدہ صاحبہ کا خیال آیا، جن کی اجازت و رضامندی کے بغیر آپ کوئی کام نہیں فرمایا کرتے تھے، اس لئے دلِ غمیں کو سمجھاتے ہوئے واپس ہوئے، اور بریلی شریف آ کر والدہ محترمہ سے اجازت لے کر فوراً بھائی صاحب کے پاس پہنچے خوش قسمتی سے اس وقت تک جہاز روانہ نہ ہوا تھا۔ گویا اس مرد درویش، عاشقِ رسول اور خدامست ہی کا منتظر تھا۔

تصورِ دیارِ نبی میں شب و روز بیتنے لگے، آپ کی فرحت و مسرت کا کوئی ٹھکانہ

نہ تھا، خوش تھے کہ جذبِ دروں اور شوقِ لقا نے ایک بار پھر دربارِ نبوی کی حاضری کا موقعہ فراہم کر دیا۔ اس سے پہلے فرضِ حج ۱۲۹۵ء میں ادا فرما چکے تھے، اب پیشِ نظر صرف ایک ہی آرزو تھی کہ قلب و نظر کی دنیا کو جمالِ حبیب کی رعنائیوں اور تابانیوں سے شاد کام کریں اور وہاں پہنچ کر خصوصی کرم کی التجا کریں، سفر اپنی تمام تر کیفیات اور برکات کے ساتھ طے ہونے لگا

شکر خدا آج گھڑی اس سفر کی ہے جس پر نثار جان فلاح و ظفر کی ہے
گرمی ہے، تپ ہے، کلفت سفر کی ہے۔ نا شکر یہ تو دیکھ، عزیمت کدھر کی ہے
ہاں کچھ سنا دے عشق کے بولوں میں اے رضا۔ مشتاق طبع لذتِ سوزِ جگر کی ہے

مکہ مکرمہ میں آپ کا ایک سال انتہائی مصروف گزرا جس عرصہ میں آپ نے تاریخی کارنامے انجام دیئے، اور خداداد صلاحیت و قابلیت کے ایسے جوہر دکھائے کہ اہل حرم پر واضح ہو گیا، آپ رسمی علوم و فنون سے بلند تر شخصیت ہیں، قلیل مدت میں بے سرو سامانی اور مسافرت کے عالم میں آپ کے تحقیقی و علمی کام نے سب اہل کمال کو انگشت بدنداں اور دشمنوں کو مبہوت کر دیا، اہل نظر جان گئے اعلیٰ حضرت اس صدی کی منفرد۔ باکمال، روشن ضمیر، صاحب نسبت اور علم لدنی سے بہرہ ور ہستی ہیں ان پر قدرت کی عنایات کا لازوال سایہ ہے اور تحفظ ناموسِ رسالت کی پاداش میں روح القدس کی تائید حاصل ہے۔

اس ایک سال میں آپ کے شاندار علمی شہ پاروں کا احاطہ اور کارناموں کی تفصیل ایک ضخیم جلد کی متقاضی ہے جس کے لئے کوئی اور موقعہ مناسب ہے۔

۲۴ صفر المظفر ۱۳۲۴ھ کو آپ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور جلالت علمی کے جھنڈے گاڑ کر اور شان قدسی کا سکہ جما کر مجسم عشق و نیاز بن کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے، ذوق و شوق نے بے خودی و وارفتگی کی کیفیت طاری کر دی، مدینہ کے در و دیوار اور سہانی فضا کا تصور ذہن میں آیا تو بے اختیار زمزمہ سنج ہو گئے

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو!!
کعبہ تو دیکھ چکے، اب کعبہ کا کعبہ دیکھو!!
رکنِ شامی سے مٹی وحشتِ شامِ غربت!!
اب مدینے کو چلو، صبحِ دل آرا دیکھو
آبِ زمزم تو پیا خوب بجھائیں پیاسیں!!
آؤ جودِ شہِ کوثر کا بھی دریا دیکھو!!
رقصِ بسمل کی بہاریں تو منیٰ میں دیکھیں!
دلِ خوں نابہ فشاں کا بھی تڑپنا دیکھو!!
غور سے سن تو رضا کعبہ سے آتی ہے صدا
میری آنکھوں سے میرے پیارے کا روضہ دیکھو

بھینی سہانی صبح میں ٹھنڈک جگر کی ہے۔ کلیاں کھلیں دلوں کی ہوا یہ کدھر کی ہے؟
معراج کا سماں ہے کہاں پہنچے زائرو کرسی سے اونچی کرسی اسی پاک در کی ہے
ہاں ہاں رہِ مدینہ ہے، غافل ذرا تو جاگ۔ او پاؤں رکھنے والے یہ جا چشم و سر کی ہے

سفر عشق اپنی تمام تر رعنائیوں اور قلب و نظر کی عقیدت آگیں، کیف بار زیبائیوں کے ساتھ جاری رہا جس میں خوش بختی کی اس معراج کا تصور، سینے کی اتھاہ گہرائیوں میں نورِ مسرت کے خزانے انڈیل رہا تھا، مگر عشقِ جنوں ساماں کی بے خودی، شعور کی اس فرزانگی پر غالب نہیں تھی کہ یہ رہِ کوئے حبیب ہے جہاں قدرت ہو تو سر کے بل جانا عین سعادت، اور تقاضائے ایمان و شناسائی ہے۔

اپنی خامیوں کے احساس کے باوجود یہاں سے رہِ فرار اختیار کرنے یا گریز پا ہونے کا کوئی جذبہ اور خیال نہیں تھا، کیونکہ جانتے تھے، بے کسوں اور بے ہنروں کو یہیں پذیرائی بخشی جاتی ہے اور گنہ گاروں کو دامانِ کرم تلے چھپایا جاتا ہے۔

چور حاکم سے چھپا کرتے ہیں یاں اس کے خلاف
تیرے دامن میں چھپے چور انوکھا تیرا!

جو بارگاہ خوف زدہ دلوں کے لئے امن کا گہوارہ، پژمردہ روحوں کے لئے راحت گاہ اور مایوس انسانوں کے لئے ماویٰ و ملجا ہو۔ اس سے بھاگ کر چھپنے کا تصور کسی دل میں کیسے آسکتا ہے اس لئے انکسار و عاجزی کی انتہائی بلندیوں کو چھوتے ہوئے عرض کی۔

تجھ سے چھپاؤں منہ تو کروں کس کے سامنے
کیا اور بھی کسی سے توقع نظر کی ہے
جاؤں کہاں، پکاروں کسے، کس کا منہ تکوں،
کیا پرسش اور جا بھی سگ بے ہنر کی ہے

اس خود رفتگی کے عالم میں یقین کامل تھا۔ درِ حبیب سے مایوس و ناکام نہیں لوٹائے جائیں گے، بلکہ بڑی فیاضی اور خصوصی عنایت سے گوہرِ مراد، تمنائے دلِ حزیں کی جھولی میں ڈال دیا جائے گا۔ اور یہ سفر اپنے منفرد مقصد کی جبین حدوں کو چھولے گا، اس لئے عالم کیف و سرور میں ہر طرف سے بے نیاز اور اپنی محبت کی دنیا میں گم مست و مدہوش رہے۔

لب وا ہیں آنکھیں بند ہیں پھیلی ہیں جھولیاں
کتنے مزے کی بھیک تیرے پاک در کی ہے،
مانگیں گے مانگے جائیں گے، منہ مانگی پائیں گے
سرکار میں نہ لا ہے، نہ حاجت اگر کی ہے،
منگتا کا ہاتھ اٹھتے ہی داتا کی دین تھی،
دوری قبول و عرض میں بس ہاتھ بھر کی ہے

اس دفعہ شوقِ دید کے سوا دلِ بے قرار کی اور کوئی تمنا نہیں تھی، اسی ایک تمنا کو پہلو میں دبائے حاضر ہوئے تھے کہ جانِ تمنا اپنی کرم گستر فیاض شان کے باعث آنے والے غریب الدیار کو طلعت نور کے جلوۂ بے حجاب سے محروم نہیں رکھیں گے، اور اس طرح نوازیں گے۔ کہ دل و نگاہ، حسن و نور کی جلوہ گاہ بن جائیں گے۔

اس لئے جب کوچۂ جاناں میں پہنچے تو طوفِ کوئے یار کے سوا سب کچھ بھول گئے اور شوقِ وصال میں سنگِ درِ حضور کے چکر لگانے لگے، تاکہ بندہ نواز کی نگاہ اٹھے اور ابدی سعادتوں کے در مفتوح ہو جائیں، اور نورانی جلووں کے جلو میں، حسن کی خوشبوؤں میں بسے ہوئے نفحات اٹھنے لگیں۔

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں
دیکھ کے حضرتِ غنی پھیل پڑے فقیر بھی۔
چھائی ہے اب تو چھاؤنی حشر ہی آنہ جائے کیوں
سنگ درِ حضور سے، ہم کو خدا نہ صبر دے،
جانا ہے سر کو جا چکے، دل کو قرار آئے کیوں،

دل کی گہرائیوں میں بسی ہوئی اس آرزو، اور طلبِ صادق کی شدت کا یہ عالم تھا کہ اس کے سامنے باغ جناں کی دل آویز و دلکش نعمتوں کو شرف قبول بخشنے اور ان کے حق میں زیارت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت لازوال سے دستبردار ہونے کے لئے بھی تیار نہیں تھے جمال یار کے مقابلہ میں جنتی نعمتوں کے خزف ریزوں کو حقیر سمجھتے تھے چنانچہ انہیں برگ بہ کی ناتمام خواہش قرار دے کر ان سے دستکش ہونے کا اعلان کر دیا۔

جنت نہ دیں، نہ دیں تیری رؤیت ہو خیر سے
اس گل کے آگے کس کو ہوس برگ و بر کی ہے،

اس لئے بارگاہ خداوندی میں بصد الحاح و زاری، اور بہ اخلوص و نیاز التجا کی

تو ہی بندوں پہ کرتا ہے لطف و عطا ہے تجھی پہ بھروسا تجھی سے دعا،
مجھے جلوۂ پاک رسول دکھا، تجھے اپنے ہی عز و علا کی قسم

بعض اوقات عاشقِ دلفگار کے شوقِ دید کو تیز تر کرنے، اور اس کی بے قراری و شانِ بسمل سے محظوظ ہونے کے لئے شانِ تغافل کو برتنے کا سلایا جاتا ہے، اور اسے جلوۂ بے حجاب سے محروم رکھا جاتا ہے، وہ تڑپتا اور دل کے ٹکڑے نکال کر رکھ دیتا ہے۔ اس مظاہرۂ اخلاصِ عشق کے بعد اسے حسن کی دید میں کھونے کی اجازت دے دی جاتی ہے، اور سکون و قرار کی دولت سے مالا مال کر دیا جاتا ہے۔

حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔

دل کی حسرتیں زبان بن گئیں، آرزو نے مجسم فغاں کا روپ دھار لیا۔ عشق سراپا سوال بن گیا، مگر کوئی پذیرائی نہ ہوئی، جیسے پرواہ ہی نہ ہو، یا شانِ تغافل نے عشق کے امتحان کا ارادہ کر لیا ہو۔

اس صورتِ حال نے عشق کے خرمنِ صبر و قرار میں آگ لگا دی، آپ تصور کی گہرائیوں میں کھو گئے، اور بے خودی و اضطراب کے اس عالم میں دردِ دل کو الفاظ کا جامہ پہنایا تو جذبات کی دنیا میں ہیجان پیدا ہو گیا، شوق اپنی آخری سرحدوں تک پہنچ گیا، جہاں صبر و شکیب کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا اور جمالِ یار کے سوا ہر مدعا ناکام ہو جاتا ہے، اس مقام تک پہنچ کر، دلسوزی، بے قراری، عجز و نیاز اور بے پناہ شوق و عقیدت کا ایسا عالم طاری ہوا کہ ہچکیوں اور آہوں کی زبان میں وہ کچھ کہہ دیا جس کے بعد کہنے کیلئے کچھ اور باقی نہیں بچتا۔

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں — تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں
جو ترے در سے یار پھرتے ہیں — در بدر یونہی خوار پھرتے ہیں،
پھول کیا دیکھوں میری آنکھوں میں — دشتِ طیبہ کے خار پھرتے ہیں،
اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں — مانگتے تاجدار پھرتے ہیں،

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضاؔ
تجھ سے کتنے ہزار پھرتے ہیں

عشق کی اس فنا دگی، شوقِ دید کی اس شدت وبے تابی اور اندازِ طلب

پر محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی رحم یا پیار آ گیا، وہ درِ مراد مفتوح ہو گیا جس کے لئے ایک عاشقِ صادق نے اپنا دل کھول کے رکھ دیا تھا، جلوؤں کی قدسی بارات میں وہ حسن نمودار ہوا جس کی دید کے لئے اہلِ سعادت و اصحابِ نظر کا انتخاب کیا جاتا ہے اور اہلِ دل جس کے لئے آرزو مند رہتے اور ایک جھلک کے لئے التجائیں کرتے رہتے ہیں جس کا ایک جلوہ دولتِ کونین سے بڑھ کر اور اہلِ عشق کے نزدیک عینِ ایمان اور روحِ سعادت و یقین ہے۔

بیداری کے عالم میں زیارت ہوئی اور آپ مقصدِ زیست کو اتنا قریب پا کر فرحت و سرور سے جھوم اٹھے۔

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیئے ہیں
جس راہ چل دیئے ہیں، کوچے بسا دیئے ہیں
جب آ گئی ہیں جوشِ رحمت پہ ان کی آنکھیں،
جلتے بجھا دیئے ہیں، روتے ہنسا دیئے ہیں،
ان کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو،
جب یاد آ گئے ہیں، سب غم بھلا دیئے ہیں،

حضرت پیر سید جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ

۱۹۱۰ء کا ذکر ہے، خلافتِ اسلامیہ کا حسین پھریرا حجاز کے طول و عرض میں لہرا رہا تھا، اور اسلامیانِ ملت کا دل اس کی ہر حرکت و جنبش کے ساتھ دھڑکتا تھا، اگرچہ خلافت کی شان و شوکت اور قوت و طاقت اغیار کی نظرِ بد اور مکروہ سازشوں کا شکار ہو چکی تھی تاہم ابھی اس میں اتنا دم خم تھا کہ کوئی مخالف قوت علانیہ اس کے ساتھ ٹکرانے کی ہمت نہ رکھتی تھی، اِن دنوں وہابیت حجاز کے طول و عرض میں خفیہ اپنے پاؤں جما رہی تھی اور خلافتِ اسلامیہ کا تختہ الٹنے کی فکر میں تھی، مگر ایک تو جمہور مسلمانوں سے اس کے عقائد لگا نہ کھاتے تھے، دوسرے وہ ابھی گھٹنوں کے بل چل رہی تھی، اس لئے خلافت کو سردست اس سے کوئی خوف نہ تھا، بلکہ وہ وہابیت کو درخورِ اعتنا سمجھنے کے لئے بھی تیار نہیں تھی۔

سلطان عبدالحمید خان تختِ خلافت کی زینت تھے، ان دنوں انہوں نے حجاز میں ریلوے لائن بچھانے کے لئے اسلامی ممالک سے تعاون کی اپیل کی، مسلمان پورے جوش و جذبے کے ساتھ معاونت کے لئے ٹوٹ پڑے، اور دل کھول کر امداد دی، مگر حضرت امیر ملت محدث علی پوری پیر طریقت سید جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے جس خلوص و ایثار اور ذوق و تندہی کے ساتھ حصہ لیا، اس کی مثال پیش کرنے سے تاریخ قاصر ہے۔

اس زمانے میں جبکہ ایک سو روپیہ کے مالک کو امیر کبیر تصور کیا جاتا تھا، اور ایسے دولت مند کو دیکھنے اور سو روپیہ کے نوٹ کی زیارت کرنے کے لئے لوگ دور دور سے آیا کرتے تھے، آپ نے حجازی ریلوے لائن کے لئے چھ لاکھ روپے کی خطیر رقم کا انتظام فرمایا، جس کا اثر سلطان روم خلیفہ عبدالحمید خان پر یہ ہوا کہ انہوں نے حضرت امیر ملت کے لئے چھ سنہری سندیں اور چھ تمغے ارسال

فرمائے، اور عمدۃ الافاضل والاماثل کا خطاب دیا۔

محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر مبارک کے ساتھ آپ کو جو روحانی و جذباتی وابستگی تھی، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے، کہ شہرِ دلبر کا ذکر آتے ہی آپ کی آنکھیں بھیگ جاتی تھیں، اور دل پہلو میں مچلنے لگتا تھا، وہاں کے باشندوں کو دیکھ لیتے تو فدا ہو جاتے، اتنی خدمت کرتے، عام آدمی جس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

اگر کسی عربی کو تکلیف پہنچ جاتی تو آپ کا دل پھٹ جاتا۔

پتہ چلا سرزمین حجاز میں قحط پھیل گیا ہے، اور عرب کے باشندے سخت کرب میں مبتلا ہیں شاید قدرت اہل دل اور اہل درد و عشق کا امتحان لینے یا عزیزوں پر ان کے مقام و مرتبہ کی عظمت واضح کرنے ہی کے لئے ایسے حالات پیدا کرتی ہے۔

چنانچہ توقع اور دستور کے مطابق حضرت سید بزرگ رحمۃ اللہ علیہ بے قرار ہو گئے صبر و قرار لٹ گیا، اہل عرب کی تکلیف کے تصور نے بے چین کر دیا، اسی وقت ایک لاکھ روپے کا انتظام کیا، اور حجاز مقدس بھجوایا، اس وقت سکون نصیب ہوا جب محبوب کے شہر کے باشندوں نے سکھ کا سانس لیا اور وہاں کی مقدس فضاؤں سے قحط کے آثار دور ہوئے،

یہ عشق مجسم، پیکر الفت و رحمت اپنے محبوب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گنبد خضرا کی زیارت، اور قلب حزیں کی تسکین کے لئے عازم سفر حجاز ہوتے۔

جس فرزانہ دیوانے کا بے قرار دل محبوب کی یاد میں ہر وقت تڑپتا رہتا تھا کوچہ حبیب میں پہنچ کر اس کے سوز و ساز اور عجز و نیاز کا کیا عالم ہوا ہوگا، اس کا آسانی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اہل نظر اس سلسلہ کا ایک چشم دید واقعہ روایت کرتے ہیں۔

باب السلام کے نزدیک ایک شخص نے مدینہ طیبہ کی گلی کے کتے کو لاٹھی مار دی، لاٹھی اس زور سے لگی کہ وہ غریب چلا اٹھا اور درد سے بلبلاتا ہوا ایک طرف

بھاگ گیا اتفاقاً آپ ادھر سے تشریف لے آئے، کتے کی یہ کیفیت دیکھ کر آبدیدہ ہوگئے جب سارا حال معلوم ہوا تو یارائے ضبط نہ رہا، اشکبار آنکھوں کے ساتھ اس ظالم کو دیکھا جس کے ہاتھ محبوب کی گلی کے مسکین کتے پر اٹھے تھے، بہت برہم اور افسردہ خاطر ہوئے اور فرمایا:

"سنگدل! ہاتھ اٹھاتے ہوئے تجھے اتنا خیال نہ آیا کہ یہ عام کتا نہیں ہے، بلکہ اس گلی کا کتا ہے جہاں مانگتے تاجدار پھرتے ہیں۔"

پھر اس کتے کو بڑے آرام اور پیار سے اٹھایا، اپنا عمامہ پھاڑ کر زخم پر پٹی باندھی، اور نفیس ملائم کھانا منگا کر اسے کھلایا۔

دیکھنے والے دل دردمندی کی یہ نیاز مندی اور عشق کی یہ قدردانی دیکھ کر دنگ رہ گئے اور انہیں یقین کرنا پڑا گنبد خضرا، کی عظمت وہی جان سکتا اور اس مرکز انوار وتجلیات کے جلوے وہی سمیٹ سکتا ہے جس کا سینہ محبت کے نور سے معمور اور روشن ہو، وگرنہ اس نور سے محروم آدمی پاس رہ کر بھی کچھ حاصل نہیں کر سکتا، چاہے وہیں کا مکین ہو مگر ان کی عظمت وشان کا منکر اور قدرومنزلت سے ناواقف ہو۔

متوسلین کا بیان ہے۔

جب عرصہ دراز کے بعد وہابیوں کا حجاز پر تسلط ہوگیا، اور آپ اس زمانے میں حجاز مقدس پہنچے تو وہابیوں کے پیچھے نماز ادا کرنے سے قطعی احتراز کیا، کیونکہ وہ اس ذات سے کوئی انس اور پیار نہ رکھتے تھے، جن کی اطاعت کے تصور سے نماز، نماز بنتی ہے، اور مقبولیت کے درجات طے کرتی ہے۔ آپ محبت و اطاعت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر کسی نماز اور بندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے، اسلئے ان کے پیچھے کھڑے نہ ہوئے، جنہوں نے محبوب کے پاک شہر میں کشت وخون کر کے اپنی بے خبری اور دشمنی کا ثبوت فراہم کیا تھا، اور محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رشتہ داروں کے مزارات گرا کر اور قبریں مسمار کر کے بغض

(باقی صفحہ آخر پر)

حضرت شیخ الحدیث محمد سردار احمد رحمۃ اللہ علیہ

یہ ۱۹۵۴ء کا ذکر ہے۔

جمعۃ المبارک کا دن تھا۔ شہر کے مختلف محلوں اور نواحی بستیوں سے لوگ پروانوں کی طرح حضرت شیخ الحدیث صاحب کی اقتدا میں نماز پڑھنے کی سعادت حاصل کرنے اور آپ کے ایمان افروز بیان سے قلب وروح کو گرمانے کی خاطر سنی رضوی جامع مسجد کی طرف اُمڈے چلے آرہے تھے، نمازیوں کی آمد کا سلسلہ آخر تک جاری رہتا تھا، وسیع وعریض رقبہ کے باوجود رضوی مسجد، آنے والوں کے لئے ناکافی ہوجاتی تھی، چنانچہ بعد میں پہنچنے والوں کو بازار اور دکانوں کی چھتوں پر بیٹھنا پڑتا، ہر جمعہ یہ حیرت افزا اور ایمان افروز مناظر دیکھنے میں آتے، اور لوگ نماز سے فارغ ہوکر اٹھ اٹھ کے انسانوں کے اس سمندر سے محظوظ ہوتے، اور اس مشاہدے سے طبیعت میں عجیب قسم کا اسلامی ولولہ اور جوش وجذبہ محسوس کرتے۔

ہر جمعۃ المبارک کے یہ پرجلال اور شوکت آفریں اجتماعات، اور حضرت شیخ الحدیث صاحب کے ولولہ انگیز خطبات حقیقت میں اسلامی شوکت وجلالت اور ایمانی قوت و جرأت کے بہترین مظاہر اور ایمانی غیرت اور دینی حمیت حاصل کرنے کا موثر ترین ذریعہ تھے، آنے والے نہ صرف عظیم اجتماع سے متاثر ومرعوب ہوتے، بلکہ ولی کامل کے بیان وخطاب سے گہرے اور انقلابی اثرات بھی قبول کرتے۔

حضرت شیخ الحدیث کی تشریف آوری سے پہلے جامعہ رضویہ مظہر اسلام لائلپور کے طلباء، مائیک پر قابض رہتے تھے۔ وہ باری باری تقریر کرتے اور ہزاروں کے اجتماع سے جوشِ بیان واندازِ خطاب کی داد وصول کرتے، انہی یہ تقریریں بولنے کا ڈھنگ سیکھنے اور فن خطابت میں کمال حاصل کرنے کی خاطر ہوتی تھیں، بیان وخطابت کا فن سیکھنے کے لحاظ سے یہ جگہ ایک مکمل اور کامیاب کارخانہ تھی، دیکھنے

میں آیا، جس طالب علم نے یہاں بے جھجک اور بے تکان بولنے کی استعداد بہم پہنچالی، وہ کسی جگہ بھی ناکام نہ رہا بلکہ عظیم اجتماعات میں بھی اپنی قوت بیانیہ کا لوہا منا تا اور سکہ جماتا چلا گیا۔

اس روز مائیک میرے قبضے میں تھا، میں اپنی استعداد اور سمجھ کے مطابق، فن خطابت کے جوہر دکھا رہا تھا کہ اچانک فضا تکبیر و رسالت کے نعروں سے گونج اٹھی اور حاضرین اپنی اپنی جگہوں پر احترام سے ایستادہ ہو گئے۔ سارے مجمع میں ہلچل مچ گئی، یہ مانوس اور جانی پہچانی کیفیت حضرت شیخ الحدیث صاحب کی آمد کا اعلان ہو تی تھی، میں خاموش ہو گیا، زندہ باد مرحبا کے فقرے اور مختلف نعرے مسجد کی فضا میں دیر تک گونجتے رہے، آخر آپ پہلی صف کی طرف سے نمودار ہوئے، حسین عمامہ و فاخرہ جبہ میں آپ ایک نورانی مخلوق دکھائی دے رہے تھے اور چہرے سے غیر معمولی بشاشت کا اظہار ہو رہا تھا جیسے خوشی کے انوار نے آپ کو ہالے میں لے لیا ہو۔ آپ ممبر پر جلوہ گر ہو گئے، حاضرین نے اپنی اپنی جگہ سنبھال لی، ہر طرف سناٹا چھا گیا، میں حضرت کے پاس ہی کھڑا تھا، آپ نے فرمایا۔

"تمہیں معلوم ہے، ہماری درخواست منظور ہو گئی ہے، اس لئے ہماری روانگی کا اعلان کر دو، تاکہ احباب بھی خوش ہو جائیں"

میں مائیک کے قریب گیا، اور حاضرین کی طرف متوجہ ہو کے اعلان کے انداز میں کہا "گرامی مرتبت حاضرین! آپ کو یہ سن کر بڑی خوشی ہوگی کہ اس سال حضرت شیخ الحدیث مدظلہ العالی کی درخواست منظور ہو گئی ہے اور آپ اس سال حج کرنے کے لئے تشریف لے جا رہے ہیں"

مجھے اچھی طرح یاد ہے، ابھی یہ الفاظ میری زبان سے نکلے ہی تھے کہ آپ تڑپ اٹھے، مجھے وہیں روک دیا، اور اپنے پاس بلا یا، آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کا تو کسی میں یارا ہی نہ تھا۔ خمدار ابروؤں کے نیچے لانبی پلکوں کے پیچھے سمندر کی گہرائیاں اور شفق کی سرخیاں لئے ہوئے، شفاف بلوریں اور خمار آلود غلافی آنکھیں، دلوں میں دھنس جاتی تھیں اور دیکھنے والے کو بے خود و مسحور کر دیتی تھیں۔

صورتِ حال ایسی تھی کہ وجہ معلوم کرنے کے لئے نہ صرف آپ کی طرف دیکھنا پڑا، بلکہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کی ضرورت بھی محسوس ہوئی اُف خدایا! میں لرز گیا، بے قرار و مضطرب نگاہیں اپنے سرخ ڈوروں اور تمام گہرائیوں سمیت میرے سینے میں اتر گئیں، نجانے کیا بات تھی، میں مبہوت ہو گیا، اور کچھ بھی نہ سمجھ سکا۔

آپ نے میرے چہرے پر نگاہیں گاڑ کر فرمایا:

"تمہیں معلوم ہے ہم فریضۂ حج ادا کر چکے ہیں، اب ہمارے ذمے وہ فرض باقی نہیں، اس دفعہ تو صرف دربارِ رسالت کی حاضری اور گنبدِ خضراء کی زیارت پاک کی نیت سے جا رہے ہیں، اس مقدس حاضری کے صدقے میں ارکانِ حج اور دیگر عبادات کی سعادت بھی حاصل ہو جائے گی، اس لئے یہ اعلان کرو، کہ ہم حضور نبی کریم رؤف و رحیم پیکر نور و رحمت تاجدار عرب و عجم محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار کی حاضری کیلئے جا رہے ہیں"

میری سمجھ میں کچھ نہ آیا، اس وقت ننھا سا ذہن، اور محدود شعور، اس ارشاد کی بروقت کوئی توجیہ نہ کر سکا، اور نہ کوئی حکمت سمجھ میں آئی اگرچہ آپ کی نورانی و روحانی صحبت، شب و روز کی رفاقت، فیض نگاہ، اور عمومی خصوصی اجتماعات میں آپکے ارشادات نے یہ شعور بخش دیا ہوا تھا کہ عشق رسالت اور اس میں کلی فنائیت ہی سعادت و نجات، اور قرب و حضور کی ضامن ہے اور حریم قدس تک رسائی کا واحد ذریعہ ہے، مگر اس عشق کے آداب اور نازک تقاضوں سے آگاہی نہ تھی اس لئے حضرت کے ارشاد کی حکمت سمجھنے سے قاصر رہا، مگر آج سب کچھ عیاں ہے، اور حضرت کے جذبۂ عشق کی سلامت روی اور بلندی کو سلام کرنے کو جی چاہتا ہے۔ یہاں یہ بتا دینا بے جا نہیں کہ ۱۹۴۵ء کے قریبی زمانے میں حضرت شیخ الحدیث کو کسی مخالف پر نمایاں برتری حاصل ہوئی، آپ نے

حضرت شیخ المحدث اس عالم کیف و سرور میں اپنے محبوب کے قدموں میں جم کر بیٹھ گئے، جیسے عرض کر رہے ہوں، اب تو بھیک لئے بغیر نہیں ٹلیں گے، کشکول گدائی سامنے رکھ دیا ہے، فقیروں کا روپ بھر کر بیٹھ گئے ہیں، اب فقیر کی لاج رکھنا اور اسے نوازنا آپ کا کام ہے۔

ایسا کامل و صادق گداگر اس بارگاہ سے آج تک مایوس و ناکام نہیں لوٹا، جب تک حاضری نصیب رہی، آپ پر یہی عالم رہا، اور اس دوران وہ سب کچھ پالیا جس کی حسرت اور تمنا تھی، حجابات دور ہو گئے، انوار، قلب و نگاہ میں سمٹ آئے اور ایمان نے وہ مقام حاصل کیا جسے عین الیقین کہتے ہیں۔

آپ شاد و بامراد وطن واپس لوٹے۔

آج نو سال بعد آپ کو پھر دربار نبوی سے بلاوا آیا تھا، نور مسرت کی دلکشی آپ کے جبہ چہرے سے عیاں تھی، وہ تمنا پوری ہو رہی تھی، جو حضرت جامی کے شعر کی صورت میں حرف تمنا بن کر زباں پہ آتی رہتی تھی۔

مشرف گرچہ شد جامی ز لطفش،
خدایا ایں کرم بار دگر کن،

اس وقت تک لائل پور میں قیام فرما ہوئے، آپ کو پانچ چھ سال گزر چکے تھے، جب آپ یہاں رونق افروز ہوئے تو یہاں کی فضا بڑی سونی خشکی اور خشونت کی اداسیوں میں ڈوبی ہوئی تھی، گمراہی، بدعقیدگی، اور بدعت کی ظلمتوں کا ہر سو تسلط تھا، اور ان کی دبیز تہیں دلوں پر چڑھی ہوئی تھیں، جس کا یہ اثر تھا کہ ذکر رسول اور انکی عظمت و فضیلت کا چرچا، خداوندان مذہب اور کجکلاہان تبلیغ و اشاعت کے کٹہرے میں ایک جرم سے کم نہ تھا، مقام رسالت کی تشریح انکے مزاج کے خلاف اور فضائل کی تبلیغ، توحید کے منافی تھی۔ ذکر رسالت سے اتنی چڑ تھی کہ ایسی کوئی بات سنتے ہی ان کی بھنویں تن جاتیں، اور خفگی کے اثرات چہرے کے خدوخال مزید بگاڑ دیتے۔ اس عالم میں وہ جو کچھ ارشاد فرماتے، وہ ایک علمی میدان میں اسے ایسا پچھاڑا کہ اٹھنے کے قابل نہ رہا، آپ کی اس فتح مندی پر آپ کے مرشد برحق، استاد جلیل حضرت حامد رضا قدس سرہ بہت مسرور ہوئے، اور سرخوشی کے عالم میں یہ دعا دی، دعا کیا دی، کونین کی دولت عطا کر دی۔ فرمایا۔

سردار احمد سردار احمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے در اقدس پر، سردار احمد کو سر جھکانے اور چومنے کی سعادت نصیب ہو "

آپ اس دعا سے اتنے خوش ہوئے کہ مسرت کی انتہا نہ رہی۔ خوشی سے جھوم کر بولے!

" استاذ محترم نے دعا دے دی ہے، اب انشاءاللہ، دربار رسالت کی حاضری ضرور نصیب ہوگی"۔ چنانچہ وہی ہوا، یقین کامل اور جذبۂ عشق رنگ لایا۔ اسی سال ۱۹۴۵ء میں آپ حضرت استاد مکرم ولی کامل حضرت حامد رضا خاں قدس سرہ کے چھوٹے بھائی اور حضرت امام اہلسنت مجدد دین و ملت، حضور احمد رضا خاں رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے جناب مصطفیٰ رضا خاں کے ہمراہ حج و زیارت کے لئے روانہ ہوئے، اور بے خودی و سرخوشی کے عالم میں حضور پر نور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار پاک میں حاضر ہو گئے مقصود کائنات کو سامنے پاکر جو کیفیت آپ پر طاری ہونا تھی وہ پورے جذب کے ساتھ طاری ہو گئی، اس عالم ذوق و شوق میں آپ نے امام اہلسنت کا یہ شعر پڑھنا شروع کر دیا۔

ہم سے فقیر بھی اب پھیری کو اٹھتے ہونگے
اب تو غنی کے در پر بستر جما دیئے ہیں

حضرت شہزادۂ والا مرتبت مصطفیٰ رضا قدس سرہ نے آپ کو جذب و شوق میں منہمک دیکھ کر فرمایا:

" جب غنی سامنے ہیں تو اب دیر کاہے کی، آپ بستر جما ہی کیوں نہیں دیتے؟

ایک مذاق کے لئے بہر حال کسی طور گوارا نہ ہوتا۔

ایسے یاران طریقت، حضرت شیخ الحدیث جیسی فعال صاحب نسبت اور دیدہ ور ہستی کو کیسے برداشت کر سکتے تھے، چنانچہ مخالفت میں ان حدوں تک پہنچ چکے تھے، جو شرافت و شائستگی اور علم و دیانت کی حد ختم ہونے کے بعد شروع ہوتی ہیں، ان دنوں بھی ان کی مخالفت کا لاوا تمام ہلاکت سامانیوں کے ساتھ پھوٹ رہا تھا، اور تمام لوازمات سمیت نقطہ عروج پر تھا، آپ پر قاتلانہ حملے گھر میں نقب زنی اور چوری کی واردات میں اسی سلسلہ کی کڑی تھیں۔

حضرت شیخ الحدیث ایسے نامساعد اور انتہائی خطرناک حالات میں بھی بڑی جرأت کے ساتھ ثابت قدم رہے، آپ کے پائے استقلال میں کوئی لغزش نہ آئی، نہ افسردگی اور پریشانی کا شکار ہوئے، بلکہ اسے عشق کا امتحان سمجھ کر خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہے، جیسے راہ کے یہ کانٹے حریر و پرنیاں اور منزلِ مقصود کو قریب تر لانے اور کامیابی سے ہمکنار کرنے کا ذریعہ ہوں

چنانچہ آپ منزلِ مقصود پر پہنچ گئے کامیابی نے آپ کے لئے آغوش وا کر دیئے دربارِ رسالت کی حاضری آپ کے نزدیک کامیابی کا عظیم تصور تھا، اس لئے اس روز کے خطاب میں آپ کے سوز و گداز میں نمایاں اضافہ ہو گیا جس میں ان لوگوں کی کرم فرمائیوں کا خصوصی طور پر ذکر کیا، جو مشقِ ستم کے لئے آپ کی ذات کو منتخب کر چکے تھے اور صبر و استقامت کے نتیجے میں حاصل ہونے والی کامیابی کا بھی ذکر فرمایا!

ارشاد ہوا!

اے لائلپور والو! ہم خوش ہیں کہ آج گھڑی اس سفر کی ہے، جس کے لئے کئی راتیں آنکھوں میں کاٹی ہیں، درماندہ راہی کے لئے اس سے بڑا کوئی انعام نہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسے اپنے دربار میں یاد فرما لیں، ہم جا رہے ہیں، اور خوش ہیں، کہ تمہارا آئی، تم نے تو ایڑی چوٹی کا زور لگا کر ہمیں نیچا دکھانے کی کوشش کی، مطعون کرنے کے لئے سازشوں کے جال بچھائے، غلط اور بے بنیاد پروپیگنڈا کا سہارا لیا اور ایسی حرکتیں کیں، جو سنجیدہ و فہمیدہ لوگوں کے شایانِ شان ہی نہیں، مگر ہم نے تمہارا ہر وار جگر پہ سہا جہاں تک ہو سکا اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس مبارک کا تحفظ و دفاع کیا، بحمد اللہ ہم اپنے مقصد میں سرخرو ہوئے، سرکار نے ہمیں یاد فرما لیا ہے آپ خوش ہیں اس لئے ہمیں کسی کی رنجش، مخالفت، عداوت اور بغض و حسد کی کوئی پرواہ نہیں۔

تمہارا یہ خیال تھا کہ میں اکیلا ہوں، اس لئے مجھے دبا لوگے، لیکن یہ نہ جانا کہ حضور غوث اعظم، حضرت غریب نواز، حضور داتا صاحب، حضور پر نور فاضل جلیل امام احمد رضا رضوان اللہ علیہم ہمارے معاون و مددگار ہیں، اور ان کی نگاہِ کرم اور معاونت کے باعث تم ہمارا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے۔

آپ کا یہ تاریخی خطبہ اتنا پر زور اور حقائق و معارف سے لبریز تھا کہ حاضرین اشکبار ہو گئے۔ اور سمجھنے والے اس روز کسی حد تک آپ کے باطنی مقام سے بھی واقف ہوئے۔

جب یارانِ تیز گام کو یہ پتہ چلا کہ آپ حج و زیارت کے لئے روانہ ہو رہے ہیں۔ تو ان کے چہروں پر امید کی کلیاں کھل اٹھیں۔ وہ آپ کی ذات کو دیارِ مقدس میں بھی بخشنے کے لئے تیار نہ ہوئے، بلکہ انتقام کے لئے اس جگہ کو سازگار سمجھ لیا، اور منصوبہ بنایا کہ

اس سرزمین پر نجدیوں کی حکومت ہے، جو شیخ الحدیث کے نظریات کے مخالف ہیں، اس لئے انہیں وہاں جا کر پھنسا لینا کچھ مشکل نہیں، پاکستان میں تو قابو نہیں آتے، مگر حجاز میں جان نہیں بچا سکیں گے۔

چنانچہ لائلپور کے مخالف عناصر تیزی اور منصوبہ بندی کے ساتھ حرکت میں آ گئے اور آپ سے پہلے ہی کچھ لوگ وہاں پہنچ گئے۔

دربارِ رسالت میں پہنچ کر اور گنبدِ خضراء کے انوار کو آنکھوں کے سامنے پا کر

حضرت شیخ الحدیث اپنی ہی دنیا میں گم ہو گئے گیارہ روز تک مدینہ طیبہ اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور بصد عجز و نیاز حاضر رہے، پھر مناسک حج ادا کرنے کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، حج کی ادائیگی سے فارغ ہو کر پھر دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے، اور تینتالیس روز تک اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار مقدس میں رہے اور حضوری و حاضری کے مزے لوٹے۔

ستم شعار حضرات نے وہاں بھی آپ کو یکسوئی اور چین کے ساتھ نہ بیٹھنے دیا اور حکومت سعودیہ کے سامنے یہ شکایت کی کہ

" پاکستان سے ایک شخص آیا ہے، جو امام حرم کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا اس لئے اسے گرفتار کر لیا جائے۔"

ایوانِ حکومت اور محکمہ امورِ مذہبی کے دفتر میں اس خبر سے ہلچل مچ گئی، چنانچہ آپ کو قاضی کی عدالت میں پیش ہونے کا فرمان جاری ہوا۔

ان لوگوں کی باچھیں کھل گئیں جو اس فتنے کو آگ لگا رہے تھے، اور پرامید تھے کہ اب اتنے بچنے کی کوئی صورت نہیں، چنانچہ اس خوش فہمی کی بنیاد پر انہوں نے پاکستان میں اطلاعات بھی بھیج دیں کہ سردار احمد کو گرفتار کر لیا گیا ہے، اور اب وہ جیل میں ہے چنانچہ سارے پاکستان خصوصاً لائلپور میں اس بے بنیاد خبر اور جھوٹی افواہ کی دل کھول کر تشہیر کی گئی اور یہ تک سوچنے کی زحمت گوارا نہ کی کہ جب جھوٹ کا پول کھلا تو عوام میں اس کے بارے میں کیا ردِ عمل ہوگا۔ وقتی تسکین کے لئے انہوں نے ہر خطرہ مول لے لیا۔

جس روز طلبی تھی حضرت شیخ الحدیث اس روز اپنے احباب کے ہمراہ بڑی سج دھج اور رعب و جلال کے ساتھ تشریف لے گئے، دیکھنے والوں کا بیان ہے، اس وقت آپ پر کچھ ملکوتی حسن چھا رہا تھا جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا، شاہانہ پہناوے میں نور ولایت نے مخالفوں کے ذہنوں پر ہول طاری کر دیا، باوجودیکہ یہ ان کا منصوبہ تھا کہ جب آپ عدالت میں جائیں تو کوئی شخص کھڑا نہ ہو، نہ کرسی پیش کی جائے، مگر اس جاہ و جلال اور قدسی صفات و اطوار کا انسان، قاضی عدالت نے اپنی زندگی میں کاہے کو دیکھا ہو گا، جونہی آپ نے ہجوم یاراں میں عدالت کے صحن میں قدم رکھا، وہاں کا رنگ ہی بدل گیا، قاضی صاحب اتنے مرعوب ہوئے کہ بے اختیار کھڑے ہو گئے، ان کی معیت میں ان لوگوں کو بھی کھڑا ہونا پڑا جو پورا ڈرامہ سٹیج کرنے کے ذمہ دار تھے آپ کی باوقار شخصیت اور دلکش حسن و جمال سے قاضی صاحب اتنے متاثر ہوئے کہ گفتگو کا اسلوب ہی بھول گئے اور بولے!

" فرمایئے! آپ کس لئے عدالت میں تشریف لائے ہیں؟"

آپ نے مسکرا کر فرمایا!

" مجھے آنے کی کیا ضرورت تھی، آپ نے خود بلایا ہے، آپ ہی اس کی وجہ بتائیں، میں کیا کہہ سکتا ہوں"؟ قاضی صاحب کو اپنی غلطی اور لوکھلاہٹ کا احساس ہوا، اس لئے حواس پر قابو پا کر پوچھا "سنا ہے آپ ہمارے مقرر کردہ امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟"

آپ نے بلا جھجک دو ٹوک جواب دیا!

ان کے نظریات و اعتقادات میرے نظریات کے مخالف ہیں، اقتدا نظریات کی ہم آہنگی کی صورت ہی میں ہو سکتی ہے، جب میں ان کے نظریات کو صحیح نہیں سمجھتا تو ان کی اقتداء کیسے کر سکتا ہوں؟ اس لئے ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا

" آپ کے اور ان کے نظریات میں کیا تفاوت ہے؟" قاضی صاحب نے سوال کیا "وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہر عظمت و فضیلت، شان توسل حضور و نظر، سب سے بڑھ کر حیات ہی کے منکر ہیں، حضور کے اہلِ بیت کرام اور صحابہ کرام کے ساتھ بغض و عداوت رکھتے ہیں جس کا عملی ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے نبوی قبرستان میں تمام قبریں مسمار کر دی ہیں، ان کا احترام بالائے طاق رکھ کر مزارات گرا دیئے ہیں، اور پورے قبرستان کو ایک

چٹیل میدان بنا کے رکھ دیا ہے۔"

"مزارات، گنبد اور قبے بنانے کا اسلام میں کہاں ثبوت ہے؟ اس لئے اگر گرا دیئے ہیں تو کیا ہوا"

قاضی نے جواب دیا۔

"آپ یہ ثبوت دیں ان تعمیرات سے منع کہاں کیا گیا ہے؟ جو چیز مسکوت عنہ ہو اور اس کے بارے میں کوئی واضح حکم نہ ہو، اور دین و شریعت کے خلاف نہ ہو تو وہ اباحت کے دائرے میں رہتی ہے۔ آپ ان گنبد اور مزارات پر اس سے زیادہ کوئی حکم نہیں لگا سکتے کہ وہ مباح ہیں اور مباحات کو حرمت کے زمرہ میں داخل کرنے کے لئے آپ کے پاس کونسی سند جواز ہے؟

انسان کے لئے مکان بنانا اپنی رہائش گاہ تعمیر کرنا مباح ہے، اگر عزت و آبرو کی حفاظت مقصود ہو تو کار ثواب بھی ہے، مگر ضرورت سے زیادہ تعمیرات اور ان میں تعیشات کی فراہمی، خواہ مخواہ کے نقش و نگار، جھاڑ فانوس مباح نہیں بلکہ اسراف کے حکم میں آتے ہیں .... آپ کے بادشاہ کے محلات آج کروڑوں ریال کے صرف سے تعمیر ہو رہے ہیں، جو اسراف کے حکم میں آتے ہیں۔ آپ انہیں گرانے کا حکم کیوں نہیں دیتے؟ ایک ناجائز حرام اور غلط تعمیر کو آپ گوارا کر رہے ہیں، اور جائز تعمیرات کو گرا رہے ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟

آپ مزید سنیں!

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔

لا تجلسوا علی القبور۔ قبر پر مت بیٹھو۔

آپ نے قبر کا اس قدر احترام کرنے کا حکم دیا ہے کہ بیٹھنے ہی کی ممانعت فرما دی ہے مگر آپ قبریں کھودتے، مسمار کرتے اور وہ گنبد اور روضے گراتے ہیں جو اللہ کے نیک بندوں کی عظمت آشکار کرنے کے لئے تعمیر کئے گئے

تھے، اور ان کا ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ وہاں فاتحہ پڑھنے کے لئے آنے والا دھوپ سے بچکر سکون سے تلاوت کر سکتا تھا، اب جو صورت حال ہے وہ ناقابل برداشت ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کی قبروں پر فاتحہ کے لئے آنے والے دل پر جبر کر کے فاتحہ بعد کو پڑھتے ہیں، اور آنسو پہلے بہاتے ہیں، انہیں شدید دھوپ میں کھڑے ہو کر یہ کام انجام دینا پڑتا ہے، جب یہاں مزارات اور باغات تھے تو زائرین کے لئے بڑی سہولت تھی۔

قبریں ان کی اکھاڑی جاتی ہیں جن سے شدید بغض ہو، ایسا بغض رکھنے والوں کے پیچھے نماز پڑھنا ہم کس طرح گوارا کر سکتے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث کے معنی خیز ارشادات سے قاضی صاحب ششدرہ گئے، صرف اتنا پوچھ سکے:

"یہ کام حکومت نے انجام دیا ہے، اگر یہ ناجائز تھا تو ان مزارات والوں نے اس حکومت کا تختہ ہی کیوں نہ الٹ دیا۔ انہیں یہاں حکومت کرنے کی قدرت کیوں ملی ہے؟ ان نجدی سرداروں کا قابض ہو جانا ہی ان کے برحق ہونے کی علامت ہے"۔ حضرت شیخ الحدیث کا پرجلال چہرہ تمتما اٹھا، علمی وجاہت نے اس میں اور انوار بھر دیئے۔ اس بھونڈے استدلال پر جلال میں آ گئے اور پارعب لہجے میں فرمایا:

اہل نجد کو حرمین کی حکومت حاصل ہو جانا اس کی حقانیت کی دلیل نہیں۔

دیکھو! قرآن پاک نے بنو اسرائیل کے بارے میں فرمایا ہے۔

ضربت علیهم الذلة والمسکنة۔

ان پر ذلت و خواری مسلط کر دی گئی ہے۔

اس کے باوجود انہیں آج ایک خطے میں حکومت حاصل ہو گئی ہے، اس کی آڑ لے کر کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ سچے ہیں کیونکہ انہیں ذلت کی بجائے شان و شوکت مل گئی ہے

وجہ یہ ہے کہ صدیوں کے مقابلے میں چند لمحات کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ اسرائیلی یہودی ہزاروں سال سے ذلیل وخوار چلے آرہے ہیں اگر کسی حکومت کی پشت پناہی یا سازش سے کچھ عرصہ کے لئے انہیں ظاہری شان وشوکت مل گئی ہے تو وہ صدیوں کی ذلت وخواری کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی، اور نہ ہی اس حکومت کی بدولت وہ سچے سمجھے جا سکتے ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ

پانچویں صدی ہجری میں ۵۶۷ھ تک حرمین شریفین میں رافضیوں کی حکومت رہی ہے، انہوں نے اپنے اقتدار کے زمانہ میں یہاں بہت سی قابل اعتراض حرکتیں بھی کیں جن کے پیش نظر امام سیوطی نے ان کے عہد حکومت کو الدولۃ الخبیثہ کے نام سے یاد کیا ہے۔

اگر حکومت مل جانا صداقت وحقانیت کی علامت ہے تو کیا آپ رافضیوں کو حق پرست قرار دیں گے؟

تیسرا جواب یہ ہے کہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت باسعادت سے پہلے، کعبہ مکرمہ میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے، قلوب واذہان پر انہی کی حکومت تھی، خدا تعالیٰ نے بھی طویل عرصہ انہیں کچھ نہ کہا، کیا آپ اس حکومت اور کعبہ میں موجودگی کی بناء پر انہیں سچا قرار دیں گے؟

اس مدلل تقریر کے سامنے قاضی صاحب بالکل مبہوت ہو گئے۔

حضرت شیخ الحدیث نے بیان جاری رکھتے ہوئے فرمایا!

اصل بات یہ ہے کہ اللہ پاک مہلت اور ڈھیل دیتے ہیں۔

ولا یحسبن الذین کفروا انما نملی لھم خیر لانفسھم انما نملی لھم لیزدادوا اثما۔ ولھم عذاب مھین

اور نہ گمان کریں وہ لوگ جنھوں نے نافرمانی کی، کہ ہمارا ڈھیل دینا ان کے حق میں بہتر ہے ہم اس لئے ڈھیل دیتے ہیں کہ گناہ میں اور بڑھ جائیں۔ (اور ان کے دل میں کوئی حسرت نہ رہے) ان کے لئے ذلت آمیز عذاب ہے" نمرود اور شداد کو ساری زمین کی بادشاہت عطا کی گئی تھی، فرعون کو دعوائے خدائی کے باوجود کبھی دردِ سر بھی نہیں ہوا تھا، ایک کافر کو اس دنیا میں ایسی سہولتیں اور نعمتیں دی جاتی ہیں، ایک مومن جن کا تصور بھی نہیں کر سکتا، یہ سب ڈھیل اور مہلت کے کرشمے ہیں، حکومت و اقتدار اللہ کے ہاں کچھ حیثیت نہیں رکھتا اور نہ حق و باطل کا معیار ہیں، اگر اس دنیا کو پرکاہ جتنی بھی حیثیت حاصل ہوتی تو کسی منکر کافر کو حکومت اور اس کی شان وشوکت تو کجا رہی، پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیا جاتا۔ امام حسین جیسی ہستیاں ظاہری اقتدار وحکومت سے محروم رہیں۔ اور یزید اقتدار پر قابض ہوتے ہیں کامیاب ہوگیا۔ کیا وہ سچا تھا؟

زبردست دلائل اور منہ توڑ جوابات نے، قاضی صاحب کو انگشت بدنداں اور مبہوت کر دیا۔ اور کچھ پیش نہ گئی تو ان لوگوں پر غصہ نکالا، جو اس ذلت آمیز شکست کا سبب بنے تھے، اور حضرت شیخ الحدیث کا بے حد احترام کیا اور معذرت کی کہ آپ کو ناحق تکلیف دی۔

حرم شریف کے جو معمر باشندے تھے جب انہیں اس مقدمہ کا علم ہوا تو آپ کی زیارت کے لئے آئے، اور تمام جزئیات سے آگاہ ہو کر بولے!

کچھ عرصہ پہلے یہاں ایک صاحب پیر جماعت علی شاہ صاحب تشریف لائے تھے۔ انہوں نے بھی نجدی امام کے پیچھے نماز پڑھنے کے معاملہ میں یہی موقف اختیار کیا تھا۔ اور ان کے بعد اب آپ آئے ہیں۔

سارے شہر میں آپ کے علم وفضل، جاہ وجلال، اور عزم وہمت کی دھوم مچ گئی اور ذلیل ورسوا کرنے کے خواہشمند خود نادم وشرمسار اور ذلیل وخوار ہو کر رہ گئے اس کے بعد گنبدِ خضراء کے سائے میں جو آپ کے لمحات اور شب وروز بیتے اس کی کیفیت وہی سمجھ سکتے ہیں جو لذتِ حضور سے بہرہ ور اور لطیف نسبت سے شاد کام ہیں

جب آپ واپس پاکستان تشریف لائے تو ایک بار پھر جھوٹی سازشوں نے جال پھیلانے کی کوشش کی نگران کے تار و پود خود ہی بکھر گئے اور گنبدِ خضراء والے کی نگاہِ کرم سے سارے لائلپور نے آپ کے لئے اپنی محبتیں انڈیل دیں، اور ایسا شاندار استقبال کیا، لائلپور کی تاریخ میں جس کی مثال نہیں ملتی۔

باقی مضمون (حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ)

چنانچہ آپ نے درود بھیجنا کو معمول بنالیا، اور بہت سے مقاصد حاصل کئے۔ اس کے بعد آپ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے واپسی کا اشارہ ہوا اور آپ واپس تشریف لے آئے، اس طرح آپ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے روضۂ اقدس کی زیارت کے لئے سفر کیا، اور حاضری سے شرف یاب ہو کر وطن پہنچے۔

باقی مضمون (حضرت پیر سید جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ)

اور عناد کا اظہار کیا تھا۔

آپ آخری دم تک ان سے بیزار رہے، اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے جوش میں بڑی شان و شوکت کے ساتھ الگ جماعت کرانے رہے، جسے اہل نجد نے شدت سے محسوس کیا، مگر آپ کی جلالت و عظمت کے باعث کچھ نہ کرسکے۔

